رجسٹرڈ ایل ۱۹۷۱



پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

بچوں کے لئے

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

تاریخ اسلام کا جدید نصاب علما اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہمارے نبی** قرار دی گئی ہے جو اب تک یوں بھی تقریباً پچاس ہزار فروخت ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب اب **نبیوں کے قصے** قرار دی گئی ہے جس میں تمام انبیاء کے حالات قرآن کریم سے لے کر جمع کیے گئے ہیں۔ ہمارے نبی پڑھنے کے بعد جبکہ نبی کا مفہوم بچوں کی سمجھ میں آ چکا ہوگا سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بچوں کو دوسرے انبیاء کے حالات سے بھی واقف کر دیا جائے۔ تیسری کتاب **سرکار دو عالم** ہے یہ ہمارے نبی سے ذرا زیادہ تفصیلی ہے اور زبان بھی پچھلی دونوں کتابوں سے کچھ مشکل ہے چوتھی کتاب **خلفائے اربعہ** ہے اور پانچویں **ناموران اسلام**۔ ان دونوں کتابوں کی زبان کو بھی تدریجی طور پر مشکل بنایا ہے اور مطالب میں بھی وسعت دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں ناموران اسلام خصوصاً ایک ایسی کتاب ہے جس کی عام مسلمانوں کو بھی ضرورت تھی، اس میں تمام بڑے بڑے سلاطین، علما، حکما، غرضکہ تمام مشاہیر کے حالات آ گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

ہمارے نبی (جماعت دوم) ۴ر **نبیوں کے قصے** (جماعت سوم) ۶ر **سرکار دو عالم** (جماعت چہارم) ۹ر

خلفائے اربعہ (جماعت پنجم) ۱۰ر **ناموران اسلام** (جماعت ششم) ۱۲ر

مکتبہ جامعہ، قرولباغ دہلی

پیامِ تعلیم

قیمت سالانہ عہ/
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۲ | ۱۵ مئی سنہ ۱۹۳۲ عیسوی | جلد ۱۲

فہرست مضامین

اڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعہ) طابع و ناشر: ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ مطبوعہ: جامعہ برقی پریس دہلی

مئی کا مہینہ

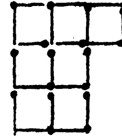
مئی کا آن پہونچا ہے مہینہ　　بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا　　ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ　　لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے　　کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے　　بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑکے ہیں پانی پہ گرتے　　چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں　　مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی　　زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ　　ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

انعامی معمّا

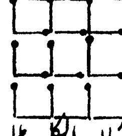
پچھلے پرچہ میں ہم نے دیاسلائیوں کے جو معمّے دئے تھے، اُسے بچوں نے بہت پسند کیا اور اکثر بھائیوں نے لکھا ہے کہ ایسے ہی اور معمّے نکلنے چاہئیں۔ اس لئے آج اور دو معمّے دیاسلائیوں کے ہی دئے جاتے ہیں۔

ڈبیا میں سے ۲۰ دیاسلائیاں لو۔ اور انھیں اس طرح رکھو جیسے ہم نے رکھا ہے۔



ہم نے ان ۲۰ سلائیوں سے ۷ مربع بنائے ہیں اب تم ان میں سے تین سلائیاں ادھر سے اُدھر اس طرح کرو کہ دیاسلائیاں تو وہی ۲۰ کی ۲۰ رہیں مگر مربع ۷ کی جگہ ۵ رہجائیں۔

اگر یہ کرلیا جائے تو ۴ دیاسلائیاں اور نکالو۔ کل ۲۴ ہوئیں۔ انھیں اس طرح جماؤ اور ۹ مربع بناؤ



اب ان میں سے ۸ سلائیاں بالکل ہٹا دو مگر ایسی جگہ سے کہ بس دو مربع رہ جائیں۔ دونوں معمّوں کے جواب کا نقشہ ایک کارڈ پر بنا کر ۲۵ رمئی تک ہمیں بھیج دو۔ "اڈیٹر"

نتیجہ انعامی معمّا

۱۵ راپریل کے پرچہ میں جو تصویری معمّا شائع ہوا تھا، اس کے جوابات تاریخ کی ترتیب کے لحاظ سے حسب ذیل آتے ہیں۔

۲۷ اپریل:-

۱۔ محمد ریاض الحق، درجہ ہشتم مسلم پبلک اسکول، پیلی بھیت

۳۰ راپریل

۱۔ احمد امان اللہ خاں۔ محلہ دو محلہ، رام پور

۲۔ سید مجتبیٰ احمد متعلم ابتدائی پنجم، جامعہ دہلی

۳۔ مقصود احمد، نیورمل اردو اسکول۔ کرالا (بمبئی)

۴۔ زاہد حسین ابن فدا حسین۔ ناگپور

۵۔ مسعود محمود، دریا گنج۔ دہلی

۶۔ شمس الحسن، شملہ

۷۔ این۔ بی فرید۔ حیدرآباد (دکن)

ان میں نمبر ۶، نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے حل صحیح ہیں اور اسی ترتیب سے ان کو اول، دوم اور سوم کے انعامات دئے جا رہے ہیں۔ باقی حل میں ذرا سی غلطی ہے اور وہ زیادہ تر تصویر نمبر ۴ کے متعلق ہے، جو شیر شاہ سوری کے مقبرے کی ہے۔ ذیل میں ان تصویروں کے نام دئے جاتے ہیں۔

نمبر ۱۔ تاج محل، نمبر ۲۔ قطب مینار، نمبر ۳۔ جامع مسجد دہلی، نمبر ۴۔ مقبرہ شیر شاہ سوری

محنت

کسی شہر میں دو کسان رہتے تھے ایک کا نام کام دین تھا اور دوسرے کا رام دین، کام دین بہت محنتی اور جفاکش کسان تھا۔ وہ اپنا کھیت اپنے ہاتھوں سے جوتتا اور کسی کو شریک یا نوکر نہ رکھتا تھا۔ رام دین اپنے کھیت کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں جوتتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ دوسروں کو کھیت دیدیتا تھا اور یہ کہدیتا تھا کہ جتنا اس کھیت میں اناج پیدا ہو، اس کا نصف مجھکو دینا اور نصف تم رکھ لینا۔ رام دین کے جو شریک ہوتے وہ بہت بد دیانت ہوتے جب فصل آتی تو وہ اناج کاٹ کر پہلے نصف حصہ تو اپنے گھر لیجاتے اور باقی نصف میں سے آدھا رام دین کو دیتے اور آدھا خود لے جاتے اس طرح دو تین سال تک یہ معاملہ چلتا رہا اور رام دین نصف کا نصف حصہ لے لیا کرتا۔ اس طرح جب سال کے اخیر میں وہ چوتھائی حصہ غلہ کا ختم ہوجاتا تو رام دین کو دوسرا اناج بازار سے خریدنا پڑتا۔ رام دین کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا اور اس لئے اسے غلہ قرض لینا پڑتا تھا۔ لیتے لیتے یہ قرض بہت بڑھ گیا یہاں تک کہ اسکو اپنی جائداد کا نصف حصہ فروخت کرنا پڑا اس نے اپنے گاؤں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ میں اپنی زمین کا نصف حصہ فروخت کرنا چاہتا جس کو لینا ہو وہ میرے پاس آئے اور خریدے۔ اسی گاؤں میں کام دین بھی رہتا تھا وہ اسکے پاس گیا اور کہا کہ "میں تمہاری زمین کا نصف حصہ لونگا" اس نے پوچھا "کیا دوگے؟" اس نے کہا کہ میرے اوپر ۸۰۰ روپے کا قرض ہے، اگر تم اس کو ادا کردو، تو زمین کا نصف حصہ لے لو"۔ اس نے کہا کہ "اچھا میں ادا کردوں گا" کام دین نے جائداد اپنے نام لکھوالی اور اسی سال اس نے اس زمین میں ہل جوتا۔ اور خود ہی اسکی دیکھ بھال کی تو بہت اناج پیدا ہوا۔ اور اس نے رام دین کے سارے روپے ادا کردئے اور اس سے کہا کہ دیکھا بھائی! تم تو شہر

محنت

کام گر مشکل ہے تو ہوتا ہے کیا — آپ کی محنت کا ہے بس فیصلہ
وقت کی تنگی تو خود بڑھ جائیگی — وقت کا کرنا نہیں اچھا گلہ
ہاں مگر ہے شرط پابندی ضرور — کام کرنے کا ہے گر کچھ مدعا
کام کرنا ہے تو بس کر لو اسے — راہ تکنے سے نہیں کچھ فائدہ
مرد ہو تو بس کرو خاموش کام — نہ اٹھو جب تک نہ کرلو انتہا
سرخروئی کی ہے کچھ خواہش اگر — کامیابی کا ہے گر کچھ حوصلہ
بس یہی جملہ رہے پیش نظر — لیس للانسان الا ما سعیٰ
علم سے روشن ہے یہ سارا جہاں — جاہلوں کو کب ہے کوئی پوچھتا

اے عمادی ہے ترقی کا یہ گر
سعیِ پیہم سے نہ گھبرانا ذرا

ابراہیم عمادی (جامعہ)

تبت اور اہل تبت

اہل ہند ملک تبت کو دنیا کی چھت کہتے ہیں۔ یہ ایک سطح مرتفع ہے۔ تقریباً ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ۱/۵ حصہ کے برابر ہے۔ یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان ہے اور سمندر کی سطح سے کوئی دو میل بلند ہے۔ اس میں کئی دریا ہیں۔ دریائے اند تبت کے مغربی جانب سے نکلتا ہے۔ دریائے ینگ سی کیانگ اور دریائے برہمپتر جو سرزمین ہند کے مشرقی حصہ کو سیراب کرتا ہے، دریائے ہوانگ ہو جو ملک چین کا ایک بڑا دریا ہے ان سب کا مخرج شمال مشرقی تبت ہے۔ تبت نہایت ناہموار ملک ہے۔ یہاں پہاڑ بھی ہیں اور ریگستان بھی۔ صحرائے گوبی کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں پڑتا ہے۔ آب وہوا اس ملک کی بہت خشک ہے۔ اگرچہ پہاڑ برف سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ پھر بھی موسم گرما جو کہ مئی کے مہینہ سے شروع ہو کر اکتوبر میں ختم ہوتا ہے سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ پتے اس قدر خشک ہو جاتے ہیں کہ لوگ اس کا سفوف بناتے ہیں۔ ہوا بہت تیز ہوتی ہے۔ درخت کی بڑی بڑی شاخیں ہوا کے جھونکوں سے ٹوٹ جاتی ہیں۔

اہل تبت کھانے میں نمک نہیں استعمال کرتے۔ سردی کی وجہ سے وہاں گوشت وغیرہ خراب نہیں ہوتا۔ وہ گوشت کو گھر سے باہر دروازہ پر لٹکا دیتے ہیں۔ خشک ہوا اس کی نمی کو جذب کرلیتی ہے، اور وہ بہت جلد سوکھ جاتا ہے۔ گوشت اہل تبت کی عام غذا ہے۔ دنبا یا بھیڑ جیسے ہی ذبح کیا جاتا ہے، کھال نکال دینے کے بعد اسے گھر سے باہر ٹانگ دیتے ہیں۔ گوشت سوکھ کر سخت ہو جاتا ہے۔ اور کافی مدت تک محفوظ رہتا ہے۔ یہ لوگ چربی اور گوشت نہایت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ تمباکو کے بہت شوقین ہوتے ہیں اس کی صورت میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

یہاں کی آبادی تین لاکھ کے قریب ہے۔ جو اس خشک اور سرد میدان میں رہتی ہے۔ ان میں قبیلے ہوتے ہیں اور ہر ایک قبیلہ کے رسم و رواج نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ ان کی شکل و شباہت بھی خاص طرح کی ہوتی ہے، رنگ گندمی ہوتا ہے۔ انکے داڑھی مونچھ نہیں ہوتی ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چمٹا ہوتا ہے جس سے وہ داڑھی اور مونچھوں کے بال اکھیڑتے رہتے ہیں۔ بعض قبائل کے سر کے بال پیچ دار ہوتے ہیں اور بعض کے بالکل سیدھے۔ لیکن ان کا لباس قریب قریب ایک طرح کا ہوتا ہے۔ موسم سرما میں بھیڑ کے چمڑے کا کپڑا پہنتے ہیں۔ بال والا حصہ اندر ہوتا ہے اور کھال والا باہر کی طرف رکھتے ہیں۔ عموماً کپڑے پر کپڑا اور کوٹ پر کوٹ پہنتے ہیں۔ مرد عورت دونوں بڑے بڑے جوتے پہنتے ہیں۔ یہ لوگ خوشنما اور شوخ رنگ کے بہت شوقین ہوتے ہیں، اکثر سرخ، بنفشی

ایک باپ کا خط بیٹوں کے نام

ایک خط اس سے پہلے کے پیام تعلیم میں چھپ چکا ہے۔ یہ دوسرا خط ہے۔ اُمید ہے کہ پیام بھائی اُسی دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے (مدیر)

بیٹے اقبال اور احسان۔

تمہارے شیخ الجامعہ صاحب کا کل ایک خط آیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ تمہارے یہاں تعطیل ہونے والی ہے۔ اب تم لکھو کہ کب سے ہونے والی ہے تاکہ میں تمہارے لانے کے لئے کسی کو بھیجوں۔

اور کیوں جناب بشیر صاحب کے بھیجے ہوئے امرود تنہا کھائے۔ آخر ماں باپ کو امرود نہیں بھیجے تو کم از کم ان کو بتا دیا ہوتا۔ کہیں یہ تو اندیشہ نہیں تھا کہ ہم لوگ اپنا اپنا حصہ مانگ بیٹھیں گے۔

تمہارے ماں باپ کو یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ تم دونوں وہاں جی لگا کر پڑھتے ہو اور خوب کھیلتے کودتے ہو اور تمہارے دوست اور اُستاد صاحبان تم لوگوں سے بہت خوش ہیں۔

ہم لوگ ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ تم سب تندرست رہو اور بڑے قابل اور سچے مسلمان بن جاؤ۔ یہ سب باتیں نماز پڑھنے اور بڑوں کا کہنا ماننے سے حاصل ہو جاتی ہیں ان سب باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے اور جب خدا خوش ہو جاتا ہے تو پھر تمام لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

تمہارے ماں باپ نے تم کو اپنے سے علیحدہ کر کے اتنی دور اسی لئے بھیجا ہے کہ تم پڑھ کر خوب نام پیدا کرو۔ جتنے بڑے بڑے لوگ ہوئے ہیں ان سب نے اپنے بچپن میں بڑی تکلیف اور محنت سے پڑھا لکھا۔ اس کا بدلہ خدا نے یہ دیا کہ بڑے ہو کر وہ بہت مشہور ہو گئے۔ تمہارے شیخ الجامعہ صاحب نے بھی بچپن میں ایسا ہی کیا اور اب وہ دیکھو کتنے مشہور ہیں۔

اتنے مشہور ہوئے ہیں کہ ابھی انھوں نے الہ آباد میں ایک لکچر دیا تھا اس کے بدلہ میں اُن کو ایک ہزار روپے ملے اور تمام لوگوں نے بڑے زور زور سے تالیاں بجائیں اور انکی خوب عزت ہوئی۔

یہ سب محض اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے بچپن میں خوب جی لگا کر پڑھا۔ بڑوں کا کہنا مانتے تھے۔ چنانچہ خدا خوش ہو گیا اور اب ان کو اتنی عزت دی۔

دیکھو وہ کتنے معمولی کپڑے پہنتے ہیں۔ کیسا معمولی سا جوتا ہوتا ہے۔ لیکن لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ ان کے علم اور اچھائیوں کی قدر کرتے ہیں۔ گاندھی جی کو دیکھو وہ تو صرف ایک لنگوٹی باندھے رہتے ہیں لیکن اتنی عزت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کی بھی نہیں ہوتی۔

پھر یہ کیا بات ہے کہ لوگ ذاکر صاحب اور گاندھی جی

کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ اچھے کپڑے ہیں نہ اچھے مکانات ہیں نہ موٹر کاریں نہ کچھ ہے نہ کچھ۔

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بچپن میں علم حاصل کیا۔ برے کاموں سے بچتے رہے اور لوگوں کی خدمت کی جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہوا اور ان کو یہ رتبہ دیا۔

اور بیٹے! دیکھو تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اس پر ہر رات میں جب سونے کے لئے آرام سے چارپائی پر لیٹو تو غور کرو اور صبح اُٹھ کر اس پر عمل کرو۔

خدا جب خوش ہوتا ہے تو وہ خود تھوڑا ہی آسمان پر سے روپیوں کا منی آرڈر یا امرودوں کا پارسل بھیجتا ہے وہ خوش ہوتا ہے تو تمہاری محبت سب کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پھر کوئی امرود بھیجتا ہے اور کوئی روپے۔ کوئی خوش ہوکر تالیاں بجاتا ہے اور کوئی تم کو گود میں لے کر تمہاری تعریف کرتا ہے۔ اس لئے بیٹے خدا کو خوش کرنا چاہو تو خدا کے بندوں کی خدمت کرو۔ جب خدا دیکھے گا کہ تم خدا کے بندوں کی خدمت اور عزت کرتے ہو تو وہ تم سے خوش ہو جائیگا۔ اور پھر تم لوگ بھی ذاکر صاحب اور گاندھی جی کی مانند ہو جاؤ گے۔ اس وقت تمہارے باپ تم سے خوش ہونگے اور تمہارا شکریہ ادا کریں گے۔ تمہاری بہنیں سلمیٰ اور عذرا اور تمہارا بھائی منّا اور بھی خوش ہوگا۔

اچھا تو اب کے تم آؤ گے تو میں پوچھونگا کہ تم نے اپنے دوستوں میں کس کی خدمت کی؟ کون کون سے اچھے کام کئے؟ اس وقت میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے کتنا خوش ہوا۔ اور اس نے میرے دل میں تمہاری کتنی محبت ڈال دی اور مجھ سے کیا انعام دلوانا چاہتا ہے؟

نیکی اور خدمت کے معنی یہی نہیں کہ تم کسی کا کام کر دو۔ بلکہ نیکی یہ بھی ہے کہ تمہارے دوست تم کو ناراض کریں یا ستائیں تو تم ان کو نہ ستاؤ نہ گالی دو بلکہ ان کو سمجھا دو، اور وہ نہ سمجھیں تو خاموش ہو جاؤ۔ گالی کا جواب گالی سے نہ دو تو یہ بھی بڑی بھاری نیکی ہے۔ یہ بھی بڑی نیکی ہے کہ سچ بولو، چاہے تمہارا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ پٹ جانے یا بدنام ہونے کا خطرہ ہو تب بھی سچ بولو۔ مار کھانا یا بدنام ہونا اچھا ہے، بہ نسبت اس کے کہ تم جھوٹ بول کر مار کھانے یا بدنامی سے بچو۔

اچھا بیٹے اقبال اور احسان، خدا حافظ! میرے اس خط کو تم خود کوشش کر کے پڑھو۔ جہاں نہ سمجھو یا نہ پڑھا جائے تو اختر صاحب سے پڑھوا لینا یا سمجھ لینا۔

اس خط کو ہمیشہ فرصت کے وقت پڑھ لیا کرو۔ اچھا تم دونوں اس خط کی نقل کر کے میرے یہاں اپنے ساتھ لانا تو میں تم کو انعام دونگا۔ اور تمہاری اماں بی بھی انعام دیں گی۔

تمہارا دعاگو

رشید

دعاگو کے معنی پوچھ کر یاد کر لینا۔





فاطمہ کے کئی بچے پیدا ہوئے لیکن بدقسمتی سے وہ سب کے سب بچپن ہی میں مرگئے۔ اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ کوئی ایک لڑکا بچ جائے تاکہ وہ ہی اس کے بڑھاپے میں کام آئے۔ دو سال کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رحیم رکھا گیا۔ رحیم اگرچہ اتنا خوبصورت نہ تھا لیکن فاطمہ اس کو انتہا سے زیادہ پیار کرتی اور ہر وقت سینے سے لگائے رہتی تھی، وہ ڈرتی تھی کہ جس طرح اُس کے اور بچے نظربد کی نذر ہوگئے ہیں، کہیں یہ بھی نہ ہوجائے۔ گاؤں کی دوسری عورتوں نے جب یہ دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ تمہارے ہی ایک انوکھا لڑکا پیدا ہوا ہے کہ تم اسے ہر وقت سینے سے لگائے رہتی ہو؟ لیکن فاطمہ نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اب رحیم چار سال کا ہوچکا تھا اس لئے فاطمہ اسے پالنے پر لٹا کر گھر کا کام کاج کرلیا کرتی تھی۔ ایک دن جب کہ فاطمہ رحیم کو پالنے پر سلا کر روٹی پکا رہی تھی کہ یکایک اس کے کان میں "اماں" کی آواز آئی۔ آواز کا کان میں پہنچنا تھا کہ وہ روٹی کو توے پر چھوڑ کر رحیم کی طرف دوڑی۔ منڈوے پر سے رحیم کو گود میں اُٹھالیا۔ ادھر اُدھر گالوں پر دو ایک بوسے دئے اور کہا "کیا ہے میرے لال؟ کیا ہے؟" رحیم نے جواب دیا "اماں! سر میں درد ہوتا ہے۔"

فاطمہ جس نظربد سے رحیم کو بچانے کے لئے ہر وقت اسے سینہ سے لگائے رہتی تھی لیکن رحیم نظربد سے نہ بچ سکا۔ درد کا سننا تھا کہ وہ گھبرا گئی اور وہ تمام خیالات پھر اس کے دماغ میں چکر لگانے لگے کہ میرے جتنے بچے مرے سب اسی سِن اور اسی بیماری میں۔ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوگئے۔ بیچاری بڑی پریشان ہوئی۔ فوراً ہی رحیم کے والد کو (محمد اسحاق صاحب) جو لکھنؤ میں ملازم تھے تار دیا۔

اب ذرا والد کی کیفیت سنیے۔ اس بیچارے کو تار ملنا تھا کہ وہ پاگلوں کی طرح فوراً اپنے افسر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے افسر نہ مل سکا۔ انھوں نے اُس وقت سے رات کے دس بجے تک پچاسوں چکر لگائے لیکن بے سود بڑے پریشان ہوئے۔ دل میں خیال آیا کہ چلو بغیر چھٹی لئے گھر چل دیں مگر پھر خیال آیا نہیں نوکری کا معاملہ ہے۔ ایسی سخت غلطی نہ کرنا چاہیئے۔ آخر چپ چاپ گھر میں آکر لیٹ رہے۔

جب افسر دس بجے رات کو تفریح سے واپس ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ محمد اسحاق کئی مرتبہ دوڑ دوڑ کر آیا لیکن وہ اس سے نہ مل سکا۔ چونکہ محمد اسحاق افسر کی آنکھوں میں جگہ کرچکا تھا اس لئے افسر نے فوراً ایک نوکر کو بھیج کر بلایا کہ کیا بات ہے۔ آج تک محمد اسحاق کبھی اتنی رات گئے نہیں آیا لیکن آج کیا بات ہے؟ نوکر سے یہ خبر سُن کر محمد اسحاق صاحب بہت خوش ہوئے اور سیدھے

بنگلے پر پہنچے۔ بڑی دیر تک بحث مباحثہ کرنے کے بعد افسر نے چھٹی دی۔ محمد اسحاق اب تو پھولے نہیں سماتے تھے۔ فوراً افسر سے رخصت ہوکر مکان پہنچے۔ بستر اور دوسری چیزیں ساتھ لیں اور اسٹیشن کی راہ لی۔ اتفاق سے وہ جس گاڑی سے جانے والے تھے، تیار ملی فوراً دوڑ کر ٹکٹ لیا اور سوار ہوگئے۔

اس عرصہ میں فاطمہ نے اپنے نوکر کو ایک حکیم دیرینہ کے پاس جنکی وہ بڑی تعریفیں سن چکی تھی، بھیج کر ان کو بلوایا۔ حکیم صاحب یہ سُن کر بڑے خوش ہوئے کہ چلو آج تو کچھ نہ کچھ ہاتھ لگ ہی جائیگا فوراً کپڑا پہنا اور روانہ ہوگئے۔ یہاں آکر رحیم کو دیکھا تو بخار اپنے پورے زوروں پر تھا، حکیم صاحب بہت گھبرائے لیکن ایک نسخہ لکھ کر فاطمہ کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں لڑکا جلد اچھا ہوجائے گا۔ فاطمہ نے دوپٹے کے آنچل سے دو روپے کھول کر حکیم صاحب کے حوالہ کیا۔ حکیم صاحب تو زبان سے نہیں نہیں کا کلمہ پڑھتے رہے لیکن دل نے اس کی گواہی نہ دی اور ہاتھ نے اس کو پورا کردیا پھر حکیم صاحب نے خوش خوش گھر کا راستہ لیا۔

اب محمد اسحاق صاحب بھی گھر پہنچ چکے تھے۔ باقاعدہ علاج ہورہا تھا لیکن کوئی فائدہ محسوس نہ ہوتا اور بخار ترقی کرتا جاتا۔ یہ دیکھ کر فاطمہ بہت گھبرائی۔ اس طرح سے متواتر گیارہ دن گزر گئے لیکن رحیم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حکیم صاحب کو پھر بلایا گیا حکیم صاحب تشریف لائے اور رحیم کو دیکھ کر کہا کہ "ان کا بخار اکیسویں دن کم ہوگا۔ پھر نسخہ کو بدل کر کچھ ہے لواکر چل دئے۔"

رحیم کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی یہاں تک کہ اکیسواں دن بھی آگیا لیکن بخار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ پھر حکیم صاحب کو بلایا گیا حکیم صاحب تشریف لائے۔ رحیم کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ بخار اپنے انتہائی شباب پر ہے۔ اور اس کی حالت ابتر ہورہی ہے پھر محمد اسحاق صاحب کی طرف مخاطب ہوکر کہا "دیکھا بھائی اسحاق! آج کی رات بڑی کٹھن رات ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا بخار یکایک کم ہوجائے گا۔ فاطمہ کا "کٹھن" کا لفظ سننا تھا کہ اس کے ہوش وحواس گم ہوگئے۔ اسے بالکل یقین ہوگیا کہ اب رحیم نہ بچے گا۔ اور وہیں سجدے میں گر کر دعا مانگی کہ "اے مخدوم صاحب! اگر میرا لڑکا اس مصیبت سے بچ گیا تو میں غریبوں کو کھانا کھلاؤنگی اور آپکی قبر پر بڑی دھوم دھام سے چادر چڑھاؤنگی" اس کے بعد سر کو اُٹھایا تو اسے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اس کے دل کو کوئی اطمینان دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ گھبراؤ مت، تمہارا لاڈلا بیٹا اچھا ہوجائے گا" جب حکیم صاحب تشریف لے گئے تو دوڑی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے منت مانی ہے جس کی وجہ سے میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ رحیم اچھا ہوجائے گا۔ یہ کہہ کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۴

میں ہوٹلوں میں اور دکانوں کی سیر کرتے پھرتے ہو اور اپنی کھیتی کی کچھ خبر نہیں لیتے۔ تمہارے اوپر قرض ہونے کا اصلی باعث یہ ہے کہ تم خود اپنے ہاتھ سے کھیت نہیں جوتتے اور دوسرے کو جوتنے کے واسطے دیدیتے ہو، کام دین کے یہ الفاظ سُن کر رام دین بہت رنجیدہ ہوا اور کہا کہ "اب سے میں اپنے ہاتھ سے کھیت خود جوتونگا" اور آئندہ سال اس نے اپنے ہاتھ سے جوتا تو بہت غلہ پیدا ہوا اور چند ہی سال میں وہ بڑا دولتمند کسان بن گیا۔

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ

اس سے پیشتر مکہ کی فتح کا حال آ چکا ہے، اب یہ بتایا جائے گا کہ مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ کس طرح ہوا، اور انھوں نے اہل مکہ کے ساتھ کیا سلوک کیا (اڈیٹر)

صبح کو مسلمانوں کا یہ عظیم الشان لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا آپ نے پہلے ہی اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا دروازہ بند کرلے گا اسے امن دیا جائے گا۔ قریش پر مسلمانوں کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ صرف چند جوش میں بھرے ہوئے نوجوانو سے حضرت خالد کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ انھوں نے دو مسلمانوں کو شہید کر دیا تو حضرت خالد بھی مجبوراً مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے مگر دشمن ایک درجن لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مکہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حرم کو ۳۶۰ بتوں کی نجاست سے پاک کیا۔ خود کعبہ میں کئی بت تھے انھیں نکلوا کر پھنکوایا۔ دیواروں پر تصویریں بنی تھیں انھیں مٹایا اور اللہ کا یہ گھر ہزاروں برس بعد ہمارے نبی کی برکت سے اس قابل ہوا کہ اللہ پر ایمان لانے والے بندے اس میں سچے دل سے عبادت کرسکیں۔ جب پوری صفائی ہوگئی تو آپ نے کعبہ کی کنجی منگوائی حضرت بلال کے ساتھ اندر تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو اپنے گھر پر قبضہ دلایا جو اس کے صحیح حق دار تھے۔

مکہ کے لوگ حرم میں آکر جمع ہو گئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں محمدؐ کے دربار سے اکیس سال کے جرموں کی کیا سزا ملتی ہے۔ وہ خوف سے کانپ رہے تھے۔ ان کا یہ خوف بے جا نہ تھا، اس لئے کہ انھی میں وہ لوگ تھے جنھوں نے آپکو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائی تھیں، گالیاں دی تھیں، منہ پر خاک ڈالی تھی، اینٹوں اور پتھروں سے جسم مبارک کو لہو لہان کیا تھا، آپ کے قتل کی تدبیریں کی تھیں، آپ کے غریب اور بے کس ساتھیوں پر طرح طرح کے ظلم توڑے تھے، یہاں تک کہ کئی مسلمان مرد اور عورتیں ان ظلموں کو سہتے سہتے شہید ہو گئے تھے۔ انھی میں میں وہ لوگ تھے جنھوں نے حضرت زیدؓ اور حضرت خبیبؓ کو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں نہایت بے دردی سے شہید کر دیا تھا، انھی میں وہ لوگ تھے جو اسلام کو مٹانے کے لئے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے۔ انھی میں وہ بدبخت بھی تھی جس نے آپ کے حقیقی چچا حضرت حمزہ کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، اور جگر تک چبا گئی تھی۔ آج ان ظلموں کا ان سفاکیوں کا بدلہ ملنے والا تھا ہر شخص دم بخود تھا اور پشیمان!

"آپ نے اس موقع پر ایک زبردست تقریر کی اور فرمایا

"اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے

اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور

قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں پہچانے
جاؤ، بیشک اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے
جو پرہیزگار ہو"

پھر آپ نے مجمع کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"لوگو! تمہیں معلوم ہے، میں آج تمہارے ساتھ
کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

سب کے سر شرمندگی سے جھک گئے اور نہایت
عاجزی سے کہنے لگے۔

"آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے
بیٹے ہیں" آپ نے فرمایا

"تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ سب آزاد ہو"

آپ کی اس شرافت، رحم وکرم اور فراخ دلی سے مکہ کے
بہت سے لوگوں کے دل پسیج گئے اور بہت سے کافر اسی وقت
دل سے اسلام لے آئے۔

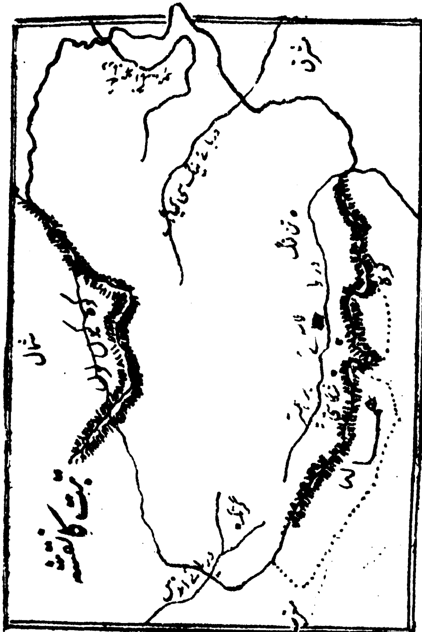
مکہ میں آپ ۱۵ روز تک ٹھہرے رہے اس عرصہ
میں مکہ کے بیشمار مرد اور عورتیں اسلام لائے۔ کچھ لوگ ڈر کے
مارے مکہ سے بھاگ گئے تھے، یہ وہی لوگ تھے جو اسلام کی
مخالفت میں بہت سرگرم تھے اور سمجھتے تھے کہ ہماری سزا
قتل کے سوا اور کچھ نہ ہوگی مگر آپ نے انھیں بھی معاف کردیا

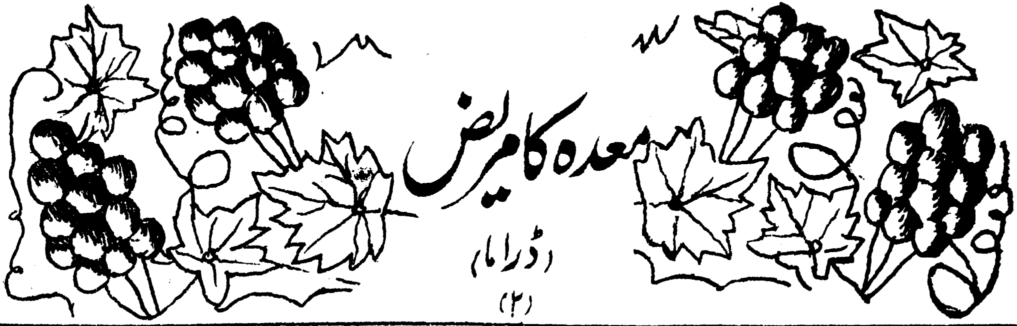


(بقیہ صفحہ ۱۵)

اور نیلے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ مرد عورت دونوں بڑے
بڑے جوتے پہنتے ہیں۔ جوتوں کا رنگ بھی خوبصورت رکھتے
ہیں۔ اس ملک کے بعض حصے کے لوگ سر کے بال کٹواتے
ہیں اور بعض لوگ سر کے بالکل نہیں کٹواتے شمالی تبت میں
عورت مرد دونوں سرخ ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ موسم سرما میں
نوکدار لمبی ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ یہ سرخ ریشم کی بنی ہوتی ہے اور
کانوں تک پہنچتی ہے۔

یہاں کے عورت اور مرد دونوں زیور کے بہت شوقین
ہوتے ہیں۔ اور مرد بغیر کسی تکلف کے کانوں میں بالیاں پہنتے
ہیں۔ ان بالیوں میں ہیرے جواہرات لگے ہوتے ہیں۔ عورتیں
سونے چاندی کے مختلف قسم کے زیورات پہنتی ہیں۔ (باقی)





دوسرا منظر

(بنگالی ڈاکٹر صاحب کا مطب۔ میز کرسی لگی ہے۔ صدر میں ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں، اور ان کے قریب ہمارے مریض)

ڈاکٹر:۔ ویل مائی ڈیر سر واٹ کین آئی ڈو فار یو؟

Well, my dear sir! What can I do for you?

مریض:۔ آپ تو نسخہ بتانے لگے، پہلے حال تو سن لیجیے۔

ڈاکٹر:۔ اور آپ انگلش نہیں جانتا۔ آپ کو کیا ہوگیا؟

مریض:۔ مجھے کچھ نہیں ہوا آپ اپنے دماغ کا کیا علاج کیجئے۔

ڈاکٹر:۔ آپ کو کیا مرج؟

مریض:۔ پہلے یہ بتایئے کہ آپ بھی حکیم صاحب کی طرح اختصار پسند طول نویس ہیں؟

ڈاکٹر:۔ کیا کہا ہم نہیں سمجھا۔

مریض:۔ پورا حال کہوں یا تار کی زبان میں گفتگو کروں۔

ڈاکٹر:۔ بہوت بات نہیں، کام کا بات۔

مریض:۔ بہت اچھا، کام کا بات سنیے۔ معدہ خراب، سینے میں جلن، پیٹ میں ریاح، قبض

ڈاکٹر: درد ہوتی ہے؟

مریض:۔ ہوتی نہیں ہوتا ہے۔ (پیٹ پر ہاتھ رکھ کر)
اک ہوک یہاں پر اٹھتی ہے اک درد یہاں پر ہوتا ہے
ہم رات کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے۔

ڈاکٹر:۔ آپ روئیے نہیں اچھا ہو جائیگا۔ آپ اسٹول اگزامن کرایا۔

مریض:۔ کیا، کیا، اسٹول کیسا؟

ڈاکٹر:۔ فجلہ! فجلہ!

مریض:۔ ہاں فضلہ۔ پھر؟

ڈاکٹر: مواینہ کرایا؟

مریض: فضلہ کا بھی معائنہ ہوتا ہے، یہ آج سنا! اس چودہویں صدی میں جو کچھ نہ ہو کم ہے۔ جی نہیں میں نے معائنہ نہیں کرایا، اور کراؤں کیسے مجھے تو ہمیشہ قبض رہتا ہے۔

ڈاکٹر: ہم آپ کا پیٹ دیکھے گا۔ آپ چل کر میج پر لیٹ جائے گا۔

مریض: جناب پہلے یہ بتا دیجئے کہ نسخے کی قیمت کیا ہوگی؟

ڈاکٹر: پہلے ہم دیکھ لے تب بتائے سکتا۔

مریض: جی نہیں پہلے آپ بتا دے، تب ہم دکھانے سکتا۔

ڈاکٹر: آپ کیسا آدمی ہے؟ کھیر آپ کا کھوشی، دوائی کا کیمیٹ دو روپیہ روج۔

مریض: فائدہ کتنے دن میں ہوگا؟

ڈاکٹر: اور معدے کے مرج کو فائدہ بہوت دن میں ہوتا ہے۔

مریض: آخر؟

ڈاکٹر: کم سے کم چھ مہینا۔

مریض: چھ صفر کا صفر یہ صفر، چھ تیئے اٹھارہ۔ ایکسو اسی۔ اٹھارہ دونی چھتیس صفر تین سو ساٹھ لیجئے وہی تین سو ساٹھ ہوگئے۔

ڈاکٹر: او، آپ کو دوزہ ہوا، ہم دوائی دیتا۔

مریض: جی دورہ ووره کچھ نہیں ہوا، ہاں قلب پر ضرور صدمہ پہنچا ہے، کیوں حضرت اس سے مہنگا علاج کوئی اور نہیں ہے۔ یہ تو آپ نے سستا نسخہ بتا دیا

ڈاکٹر: او، آپ مہنگا علاج چاہتا، آپ جرمنی چلا جائے واٹرنگ پلیس۔

مریض: کیسی پلیس؟

ڈاکٹر: چشمے کا جگہ۔ گندھک کے چشمے کا۔

مریض: تو اپنے گھر کے کنویں کا پانی کیوں نہ پیوں، رنگ بالکل گندھک کا ہے، بو اور مزہ اس سے بھی بڑھ کر۔ کیوں صاحب اس گندھک کے علاج میں کتنا خرچ ہوگا؟

ڈاکٹر: ہم کو ٹھیک مالُم نہیں، تیس ہجار۔ بیس ہجار

مریض: دس ہزار، بیس ہزار، چالیس، پچاس ہزار۔ آپ کا کیا جاتا ہے۔ پہاڑا پڑھتے جائیے۔ حضرت میں نے توبہ کی۔ اب علاج کا نام نہیں لونگا۔ فیس تو آپ کی نذر کر ہی چکا اب تک ہضم بھی ہوگئی ہوگی۔ اب میں رخصت چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر: آپ کھپا ہوگیا۔ ہمارا کون کسور؟

مریض: جی نہیں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میری تقدیر کا قصور ہے۔ نہ یہ کمبخت مرض ہوتا نہ یہ پہاڑے سننا پڑتے۔ بہت اچھا آداب عرض ہے!

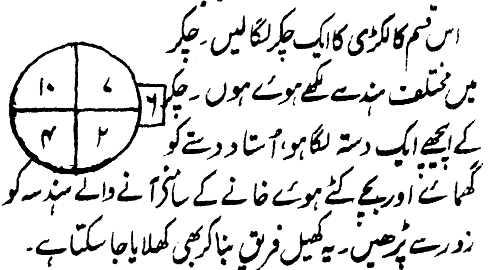
ڈاکٹر: ادابرج۔ آئی ڈنٹ نوہی واز اسٹارک میڈ

I didn't know, he was a stark mad

تعلیمی کھیل

۱۰۔ چکر گھمانے کا کھیل حساب میں

مقصد:۔ طلبہ ہندسے پہچان سکیں



اس قسم کا لکڑی کا ایک چکر لگالیں۔ چکر میں مختلف ہندسے لکھے ہوئے ہوں۔ چکر کے پیچھے ایک دستہ لگا ہو۔ اُستاد دستے کو گھمائے اور بیچ کٹے ہوئے خانے کے سامنے آنے والے ہندسہ کو زور سے پڑھیں۔ یہ کھیل فریق بنا کر بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ دائرہ میں ہندسے جمع کرنا

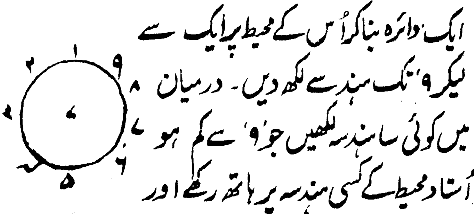
مقصد:۔ طلبہ آسان ہندسوں کو جمع کر سکیں

زمین پر دائرہ بنا کر اُس کے محیط پر مختلف ہندسے لکھے جائیں مثلاً

ہر ایک ہندسے کے پاس ایک طالب علم کھڑا ہو جائے۔ طلبہ کسی گیت کو گاتے ہوئے گھومیں۔ اُستاد جب سیٹی بجائے تو لڑکے اپنے سامنے کے ہندسوں کے پاس ٹھہر جائیں۔ اُستاد جب طالب علم کا نام لے وہ طالب علم اپنے مقابل کے ہندسوں کو جمع کر کے بتلائے۔

۱۲۔ ۱ سے لیکر ۹ تک ہندسے جمع کرنا۔

مقصد:۔ طلبہ صحیح جمع کر سکیں



ایک دائرہ بنا کر اُس کے محیط پر ایک سے لیکر ۹ تک ہندسے لکھ دیں۔ درمیان میں کوئی سا ہندسہ لکھیں جو ۹ سے کم ہو۔ اُستاد محیط کے کسی ہندسہ پر ہاتھ رکھے اور طالب علم درمیان کا ہندسہ جمع کر کے جواب بتائے۔ ایک ہندسہ کی مشق ہونے کے بعد درمیان کا ہندسہ مٹا کر دوسرا ہندسہ لکھ دیں اور محیط کے ہندسے بدستور رہیں اور یہ کھیل جاری رہے۔

۱۳۔ تصویریں لگانا

مقصد:۔ طلبہ لفظ پہچانتے ہوئے تصویر پہچان لیں

"۲ × ۳" کے گتوں پر مختلف پرندوں یا جانوروں کے نام مثلاً [کوا] [بلی] وغیرہ لکھ کر چوکھٹے میں لگا دیں اور ایک سٹ اُس کا ہو جس پر یہی تصویریں بنی ہوئی ہوں۔ پہلے سے لفظ چوکھٹے میں لگا دیں ہر ایک طالب علم کو ایک ایک سٹ دیدیں جب اُستاد ایک، دو تین کہے تو طالب علم پھرتی سے لفظ کے آگے وہی تصویر لگائے۔ جو طالب علم پہلے کام ختم کرے گا۔

اُسے مفروضہ نمبروں کا آٹھواں حصہ اور پھر ⅞ میں سے غلطیوں کا حساب لگا کر نمبر دئے جائیں گے۔ اس کھیل کا برعکس بھی ہو سکتا ہے یعنی بجائے لفظ لگانے کے کمرے میں تصویریں لگا دیں اور بچہ تصویر کے آگے وہ لفظ لگا دے۔

۱۴۔ صحیح جمع کرنا۔

مقصد: طلبہ تیزی سے جمع کرنے کے عادی ہو جائیں

"۶×"۴ کے گتوں پر جمع کے مختلف مسئلے لکھ لئے جائیں

مثلاً [۴ آم + ۲ آم] [۷ آم + ۶ آم] وغیرہ

جوابات "۴×"۳ کے گتوں پر علیحدہ لکھ لیں۔

مثلاً [۶ آم] اور [۳ آم] وغیرہ

مسئلے پہلے سے فریم میں لگا دیں اور ان کے جوابات کا سٹ طلبہ کو دے دیا جائے اُستاد کے ایک دو تین کہنے پر طالب علم مقررہ مسئلے کے سامنے جواب لگائے جو طالب علم کام پہلے ختم کرے گا اُسے کل نمبروں کا آٹھواں اور باقی ⅞ میں سے غلطیوں کا حساب لگا کر نمبر دئے جائیں گے۔ ایک وقت میں مسئلوں کی تعداد چھ سے زیادہ نہ ہو۔ جوابات کے سٹ میں مقررہ مسائل کے جوابات سے زیادہ گتے رکھے جائیں تاکہ طالب علم صحیح فیصلہ کرکے جواب لگا سکے ورنہ اُردو کی مدد سے وہ آم کے آگے آم لگا دے گا اور جمع میں مدد نہ ملے گی۔

۱۵۔ رنگ بھرنا

مقصد: طلبہ لفظ پہچانتے ہوئے رنگ بھر سکیں۔

"۴×"۳ کے گتوں پر مختلف رنگوں کے نام۔ مثلاً

[لال] [پیلا] [ہرا] وغیرہ

لکھ لیں اور یہی گتے پہلے سے فریم میں لگا دیں۔ مقررہ طلبہ کے ہاتھ میں اسے مختلف رنگ کے چاک دیدیں جن میں یہ سب رنگ موجود ہوں جب اُستاد ایک دو تین کہے تب طالبعلم لفظ پہچانتے ہوئے اُس کے آگے بورڈ پر وہی رنگ بھر دے جو طالب علم کام پہلے ختم کرے اُسے کل نمبروں کا آٹھواں حصہ اور ⅞ میں سے غلطیوں کا حساب لگا کر نمبر دئے جائیں گے۔ اگر فریم دو سے زیادہ ہوں تو ایک وقت میں کئی طالب علم یہ کام کرسکتے ہیں۔

۱۶۔ کتنے ہوئے؟

مقصد: طلبہ آوازیں پہچان کر صحیح گن سکیں،

باری باری سے ایک ایک بچے کی آنکھ پر پٹی باندھ دیں اور بورڈ پر کوئی چیز کئی مرتبہ کھٹکھٹائیں مثلاً پہلے ۲ مرتبہ پھر ذرا ٹھہر کر ۱ مرتبہ پھر طالب علم سے پوچھیں۔ کے ہوئے؟
تب طالب علم جواب دے ۶ وغیرہ

اس میں طلبہ گننے اور جمع کرنے کا عمل ساتھ ساتھ کرتے جائیں گے۔ ابتدا میں یہ کھیل بچوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہوگا۔

کوائف جامعہ

جامعہ سے جو وفود باہر گئے ہیں، ان میں سے سیلون کے وفد کے متعلق یہ اطلاع آئی ہے کہ وہ گزشتہ جمعہ بتاریخ ۶ ر مئی کو بمبئی سے جہاز پر روانہ ہو گئے ہیں، دیکھیے وہ کب ساحلِ سیلون پر قدم رکھتے ہیں اور کامیابی کیونکر ان کے قدم آکر چومتی ہے۔ دوسرا وفد رنگون پہنچ گیا ہے اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ کامیابی نصیب ہو۔

جامعہ سے دو رسالے "جامعہ" اور "پیام تعلیم" تو نکلتے ہی تھے، اب ایک اور ہمارے مکتبہ سے "کتاب نما" کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ یہ سر دست ایک ماہوار دو ورقی پرچہ ہے جس میں علاوہ مکتبہ کے کتابی سرمایہ کا اشتہار ہونے کے جدید شائع شدہ کتابوں پر نہایت اچھی تنقیدیں اور تبصرے ہوتے ہیں، پرچہ کی ذات سے اُمید ہے کہ آئندہ اور ترقی کرے گا اور ادب و علم کی مفید خدمات انجام دے گا۔

جامعہ کی تمام منزلوں کے امتحانات ختم ہو گئے ہیں، جامعہ جونیر و سینیر کے نتائج قدرے دیر سے شائع ہوں گے۔ منزل ثانوی کے آئندہ جمعرات تک سنائے جائیں گے۔ جو اگلی اشاعت میں شایع ہو سکیں گے۔ منزل ابتدائی کے ۵ ر مئی کو سنا دئے گئے، جن کا خلاصہ یہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے جماعتوں کی تعلیم کا معیار معلوم ہو سکیگا۔ مفصل نتائج والدین کو بھیجے جا رہے ہیں

نمبر شمار	جماعت	کامیاب	ناکام	غیر حاضر	مجموعی تعداد	فیصدی کامیاب
۱-	مکتب	۱۶	۴	۳	۲۳	۸۰
۲-	اول	۱۸	۳	۵	۲۶	۸۵٫۷
۳-	ابتدائی دوم	۱۶	×	۲	۱۸	۱۰۰
۴-	ابتدائی سوم	۱۸	۶	۱	۲۵	۷۵
۵-	ابتدائی چہارم	۱۸	۷	۳	۲۸	۷۲

سالانہ قیمت
۶ عہ

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
۲ ر

جلد ۱۲ | ۷ر جولائی سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

چاند

رات کو آسمان کا نظارہ کیسا بھلا لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے فرش پر ہزارہا چھوٹے بڑے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ تمہارا خیال ہوگا چاند تاروں میں کوئی ترتیب تو ہے نہیں۔ بس یونہیں ادھر اُدھر چمکتے ہیں، لیکن قدرت کی ہر چیز میں ایک نظم و ترتیب ہے جسے ہم تم نہیں سمجھ سکتے البتہ ماہرین فلکیات اور بڑے بڑے لوگ جانتے ہیں کہ اس بے ترتیبی میں ہی ایک ترتیب ہے۔ انھوں نے تاروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ثوابت اور سیارے۔ ان سب کا مرکز اور سردار آفتاب ہے اور سب ستارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اس نظام میں آفتاب، ستارے اور چاند سب ہی شامل ہیں ہم آج تمہیں صرف چاند کا حال سنائیں گے یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ چاند تعداد میں ایک سے زیادہ ہیں لیکن ہمیں صرف زمین کے چاند کا حال لکھنا ہے جو ہم تم رات کو دیکھتے ہیں

ہر زمانہ میں آدمیوں نے چاند کی تعریف کی ہے اور بعض ملکوں میں تو اس کو پوجا بھی گیا ہے۔ تم اس بات کو فوراً مان لوگے کہ آسمان کی تمام چیزوں میں چاند سب سے خوب صورت اور حسین شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعروں نے سینکڑوں نظمیں اس کی چاندنی اور خوبصورتی پر لکھ ڈالی ہیں بچے بھی چاند کو دیکھ کر کیسے خوش ہوتے ہیں اور "چندا ماموں" کہہ کر پکارتے ہیں۔ آفتاب جس طرح دن کا بادشاہ ہے اسی طرح چاند رات کا راجہ ہے۔

یہ تو تم نے کئی مرتبہ پڑھا ہوگا کہ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ یہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سورج سے کئی گنا چھوٹا ہے۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ہم چاہیں کہ رات کو دن کر دیں تو اس کے لئے چھ لاکھ چاندوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ بات بھی ضرور یاد رکھنا کہ چاند ہم سے بہت قریب ہے یعنی زمین سے اس کا فاصلہ ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے سائنس نے اس کا خوب اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے۔ چاند کی وہ سطح جو ہمارے سامنے ہے براعظم یورپ سے تقریباً دگنی ہے۔ اگر ہم اپنی زمین کو پچاس برابر حصوں میں تقسیم کریں تو اس کا ایک حصہ چاند کے برابر ہوگا۔

چاند زمین کے گرد گھومتا ہے۔ اس کا راستہ تقریباً ایک دائرہ کی شکل کا ہوتا ہے۔ یہ گردش چاند زمین کے گرد ۲۷ دن، ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں ختم کر لیتا ہے چاند کی گردش سے قمری مہینے بنتے ہیں سال میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہوگا بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں لیکن دراصل قاعدہ سے تیرہ بلکہ کچھ زاید ہونے چاہئیں، مگر آسانی اور سہولت کی خاطر بارہ ماہ ہی مقرر کئے گئے ہیں، دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جتنے عرصہ میں زمین سورج کے گرد ایک مرتبہ چکر لگاتی ہے اُتنے ہی عرصہ میں چاند زمین کے گرد تیرہ مرتبہ گردش کرتا ہے۔

چاند کا ایک ہی رُخ ہمارے سامنے ہے اور اسی کو ہم دیکھتے ہیں، اگر ہم چاند کا دوسرا رُخ دیکھنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ لیکن اس بات کا یقین رکھو کہ اس کا دوسرا رُخ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک رُخ ہے۔ سمجھ دار اور عالم لوگوں نے چاند کو خوب دیکھا بھالا ہے۔ اس کے ایک رُخ کے بہت سے نقشے اور تصویریں تیار کیں ہیں۔ ایک صاحب کا یہ قول ہے کہ جغرافیہ داں افریقہ کے اندرونی حصے کا اتنا حال نہیں جانتے جتنا کہ ماہرین فلکیات چاند سے واقفیت رکھتے ہیں۔ چاند میں ہر چیز کی باقاعدہ پیمایش کی گئی ہے اور سب کے نام بھی رکھ دئے گئے ہیں۔ چاند کی سطح پر بے شمار سیاہ دھبے ہیں جن میں سے بعض ہم بغیر دوربین کی مدد کے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ پُرانے زمانہ کے علماء ان کو سمندر کہتے تھے حالانکہ وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں۔ اس کے علاوہ چاند میں پہاڑ، میدان اور دہانے بھی ہیں دہانوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں، المازن، الغ بیگ، نصیر الدین ابو الفداء، اور المامون۔ بعض پہاڑ بہت بلند ہیں مثلاً کوہ پرنکیس کی بلندی گیارہ ہزار فٹ اور کوہ لائبنیس کی بلندی چھتیس ہزار فٹ ہے۔ میدانوں میں میدان افلاطون بہت مشہور ہے، اس کا رقبہ ۲۷۰۰ ہزار مربع میل ہے۔

مکار عورت

قصہ

ایک حکیم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، یہاں تک کہ اس کی یہ حالت جنون کی حد تک پہنچ گئی، اور وہ اپنے مستقبل سے بہت خوف زدہ رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ چاندنی رات میں شہر کے کسی مقبرے میں اس کا گذر ہوا۔ وہاں اس نے ایک خوبصورت عورت کو ایک قبر کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پنکھا تھا اور وہ اس قبر کو جھل رہی تھی، تاکہ قبر جلد سوکھ جائے۔ حکیم کو عورت کی اس حرکت پر بڑا تعجب ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ "تو یہاں کیا کر رہی ہے؟ اور یہ کس کی قبر ہے؟" عورت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کام میں برابر مشغول رہی۔ حکیم بیٹھ گیا اور خود بھی اس کے کام میں مدد کرنے لگا۔ یہاں تک کہ قبر سوکھ گئی۔ تب اس عورت نے بیان کیا کہ "یہ قبر میرے شوہر کی ہے۔ تین دن ہوئے کہ یہاں دفن کیا گیا ہے۔ مرنے سے قبل اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے اس وقت تک شادی نہ کرے جب تک کہ میری قبر کی مٹی نہ سوکھ جائے اور آج رات میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، لیکن مرحوم شوہر کے حکم نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس وصیت کو پورا کروں۔ اس لئے میں اس قبر کو جلد سے جلد سکھلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس کے بعد اس عورت نے حکیم سے کہا "جناب کیا آپ میرے اس پنکھے کو میری طرف سے ہدیۃً قبول کر سکتے ہیں؟" حکیم صاحب نے اس پنکھے کو لے لیا اور اپنے مکان کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں انہوں نے دل میں کہا کہ جس وقت اس کا شوہر زندہ تھا اس سے محبت کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔ لیکن آج جب کہ وہ مر چکا ہے یہ بے غیرت عورت قبر پر بیٹھی ہوئی ہے اس لئے نہیں کہ روئے اور ماتم کرے بلکہ اس لئے کہ قبر جلد سوکھ جائے تاکہ وہ دوسرے شوہر سے شادی کرلے۔ ایسی حالت میں وہ اپنے مکان پہنچا اور اس نے اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا "ایک بے وفا عورت نے یہ پنکھا مجھے ہدیۃً دیا ہے میں نے اس کو قبول کر لیا تاکہ تمہیں لا کر دوں یہ دھوکہ اور خیانت کی ایک نشانی ہے اور تم اس کی سب سے زیادہ مستحق ہو۔" پھر اپنی بیوی سے اس عورت کا قصہ بیان کیا، حکیم کی بیوی کو یہ سُن کر غصہ آگیا اور اس نے پنکھے کو ہاتھ سے پھینک دیا اور کہا "کیا جبتک تم زندہ رہو گے اس قسم کے وسوسے تمہارے سینہ میں رہیں گے؟"

اس کے بعد حکیم نے اس سے کہا "اچھا تم نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ میری وفات کے بعد تم کسی سے شادی نہیں کروگی تو کیا تم اس کو پورا کروگی"؟ اُس نے جواب دیا "بے شک" اس کے بعد دونوں اپنی آرام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک سال کے بعد حکیم نہایت سخت بیمار ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کو بلایا اور اس معاہدہ کو یاد دلایا اور کہا "اب میرا آخری وقت ہے" یہ کہہ کر اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔

بیوی نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ اتنے میں باہر سے ایک ملازم آیا اور اس نے اطلاع دی کہ حکیم صاحب کے ایک شاگرد اس کی موت کی خبر سُن کر باہر آئے ہوئے ہیں۔ عورت نے یہ سُن کر پھر رونا پیٹنا شروع کیا کچھ رات گذرنے کے بعد ملازم دوبارہ آیا اور اس نے اس کی بیماری کی اطلاع دی۔ عورت نے اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین کو ملتوی کر دیا، اور شاگرد کو دیکھنے چلی گئی جس وقت وہ مریض کے کمرے میں پہنچی ہے تو مریض ایک تخت پر لیٹا ہوا تھا، اور اس کے سر کے پاس ایک چراغ جل رہا تھا۔ جب اس کی نظر اس مریض کے خوبصورت چہرہ پر پڑی تو وہ اپنے شوہر کے مرنے کا تمام غم بھول گئی اور اس کا علاج شروع کیا۔ یہاں تک کہ اسے کچھ افاقہ ہوگیا۔ اس کے بعد اس عورت نے اس مریض سے کہا "جب کہ دنیا میں اب میرا کوئی معین و مددگار نہیں ہے، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری معین بنوں اور تم میرے؟" شاگرد نے جواب دیا "میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوں جس سے میرا بچنا مشکل ہے" عورت نے جواب دیا "میں علاج کرنے میں کسی قسم کی کسر اُٹھا نہ رکھونگی اور کوشش کروں گی کہ تم جلد سے جلد صحت پا جاؤ۔"

(دیکھئے صفحہ ۱۱)

اچھی بی

گذشتہ سے پیوستہ

مغرب کی نماز ہو چکی تھی سب لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول تھے اچھو نگوڑا اچھو کاہے کو بھلا بیٹھا تھا جو کی کے ایک کونے پر بیٹھا لکڑی سے زمین پر جنگھٹیاں بنا رہا تھا اسی جگہ جنس رکھنے والی کوٹھری تھی جس سے اچھی بی کو نکلتے اکثر دیکھا تھا۔ بچے اس کوٹھری کی طرف جاتے لرزتے تھے ایک بارگی زور سے دروازہ بند کرنے کی آواز آئی ایسے زور کی معلوم ہوتا تھا کہ کواڑے ٹوٹ گئے ساتھ ہی ایک چیخ مار کر اچھو زمین پر گرا اس کا گرنا تھا کہ گھر میں کہرام مچ گیا بچاری ماں تائی ماری ماں نے تو سر پیٹ لیا منہ پر چھینٹے دیئے گئے لخلخہ سنگھایا گیا پنکھا جھلا گیا تب جا کے اچھو نے ذرا آنکھ کھولی لیکن یہ کہہ کر پھر دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ اچھی بی آئندہ کوئی شرارت نہ کروں گا دکھیاری ماں کو تو تن من کا ہوش نہ تھا وہ خود دیوانی ہو رہی تھی میں نے لاکھ لاکھ سمجھایا کہ بیٹا یہاں اچھی بی کہاں ہوش میں آؤ حافظ جی نے آ کر پھونک جھاڑ دی میاں صاحب نے تعویذ لکھ کر دیا لیکن اس کے دل سے خوف نہ جانا تھا نہ گیا۔ ایک گھنٹے بعد ایسا بخار چڑھا کہ سارا بنڈا دہکنے لگا حنا ڈالو تو پھوٹ جائے۔ حکیم صاحب آئے لوکی کے قتلوں اور لسوڑے کے ستوں سے پا شورا کرتے کرتے ہاتھ شل ہو گئے تب پچھلے پہر بخار کچھ کم ہوا اور آنکھ لگ گئی لیکن اللہ کی بندی نے پلک نہ ماری ساری رات سرہانے بیٹھے بیٹھے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی سچ ہے ممتا بُری چیز ہے صبح تک بخار بالکل اتر گیا آنکھ کھلتے ہی اچھو نے سب کو سلام کیا ماں کی باچھیں کھل گئیں مارے خوشی کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ آج کیا بات ہے جو میاں اچھو کا ہاتھ سلام کے لئے اُٹھا منہ ہاتھ دھو کے اچھو نے کتاب ہاتھ میں لی اور ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا میری اُمی میری خطا حافظ جی سے معاف کرا دو۔ اچھی بی نے مجھے اسی بات پر مارا کہ میں بڑوں سے گستاخی کرتا ہوں اور اپنا کام ٹھیک طرح نہیں کرتا۔ اب کی اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی تو اچھی بی مار ہی ڈالیں گی۔ ماں نے یہ سن کر گلے لگا لیا اور حافظ جی کو بلوا کر خطا معاف کرا دی" اب میاں اچھو کا رنگ ہی بدل گیا نہ وہ شرارت رہی نہ وہ ضد نہ وہ گالیاں رہیں نہ وہ رونا پیٹنا۔ صبح اُٹھتا محنت سے پڑھتا بڑوں کی عزت کرتا ماں مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی تھی۔ ایک لڑکا وہ بھی بن باپ کا۔ یہی اس کی دکھیاری زندگی کا سہارا تھا اچھو اب واقعتہً اچھو ہو گیا۔ اچھی بی بھی ایسی مہربان ہوئیں کہ رات کو اس کے سرہانے مٹھائی ناریل چھوارے رکھ جاتیں بخشن بوا یہیں تک پہنچی تھیں کہ رابعہ کی ماں نے پکار کر کہا "کہانی میں ایسی مشغول ہوئیں کہ نماز بھی بھول گئیں نو بجنے کو ہیں۔

بخشن بوا۔ ارے نو بج گئے اچھا اب کہانی ختم (مارے ڈر کے لڑکوں کی یہ حالت تھی کہ پلنگ سے پیر اتارتے ڈرتے تھے۔)

بخشن بوا:۔ کہانی سننے کا اتنا شوق اور ڈر اتنا اب کسی طرح پیچھا چھوڑ دو گے بھی کہ رات بھر یوں ہی اکڑے بیٹھے رہو گے بھلا اس میں ڈر کی کونسی بات ہے اچھی بی نیک بخت لڑکوں کو تو مارتی نہیں اگر شرارت نہ کرو گے تو کاہے کو مارے جاؤ گے"۔

رابعہ کی ماں :- بخشن بوا بچوں کو زیادہ نہ ڈراؤ ننھے ننھے دل ابھی سے سہم کر رہ جائیں گے آؤ لڑکو میں تبلا دوں کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ یہ سب ہماری بخشن بوا کی کارستانی تھی۔ اچھی بی کے نام سے تمام لڑکے ڈرتے تھے۔ اچھو کو ڈرانے کے لئے بخشن بوا نے سفید برقعہ اوڑھ کر خوب عطر لگایا اور چپکے چپکے کوٹھری سے نکلیں۔ اچھو سر جھکائے زمین پر جنگھٹیاں بنا رہا تھا انھوں نے جاتے ہی زور سے طمانچہ مارا اور لوٹتے ہوئے یہ کہتی گئیں کہ پہچانا میں ہی اچھی بی ہوں۔ آئندہ اگر ذرا بھی شرارت کی تو مار ہی ڈالوں گی اچھی بی کا نام سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا یہ کوٹھری کے دروازے زور سے بند کر کے دوسرے دروازے سے نکل آئیں اور یہ بھی اللہ آمین کرنے لگیں دروازے انھوں نے زور سے اس لئے بند کئے تھے کہ لڑکوں کو معلوم ہو جائے کہ اچھی بی بڑے غصہ میں ہیں انھوں نے ایک چالاکی اور بھی کی تھی کہ کوٹھری کے کسی کونے میں ایک اگر کی بتی جلا کر لگا دی تھی جس سے کوٹھری بھر میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی اس وجہ سے لڑکوں کو اور بھی یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو اچھی

خدا کی کاریگری

از
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی

(مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی اردو زبان کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے بچوں کے لئے بچوں کی زبان میں نظمیں لکھیں ہیں۔ آپ نے کتا، بلی، جاڑا، گرمی، برسات سے لے کر خدا کی کاری گری تک نظموں میں اس خوبی اور صفائی سے بیان کی ہے کہ پڑھنے والا مزہ لے لیکر پڑھتا ہے۔ آپ کی نظموں کی زبان ایسی سادہ اور آسان ہے کہ ہر ایک اُردو پڑھنے والا بچہ اُسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ آپ کو شروع ہی سے بچوں کی تعلیم سے سابقہ پڑا۔ آپ میرٹھ میں ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے اور ابھی سترہ سال کے تھے کہ آپ سرکاری محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ اس سلسلہ میں آپ کو بچوں میں رہنے سہنے اُٹھنے بیٹھنے اور ان کو لکھانے پڑھانے کا کافی موقع ملا۔ بچوں کو پڑھاتے پڑھاتے آپ اُستادوں کو بھی پڑھانے لگ گئے اور ۱۸۸۸ء میں آگرہ کے ایک نارمل اسکول میں مدرس مقرر ہوگئے۔ یہاں رہ کر آپ نے ۱۸۹۲ء کے قریب بچوں کے لئے ریڈروں کا ایک سلسلہ قائم کیا، جو ۳۵، ۴۰ برس گزر جانے کے بعد آج تک مدرسوں میں جاری ہے۔ ۱۸۹۹ء میں آپ نے پنشن لے لی اور ملازمت سے علحدہ ہوکر اپنے وطن میرٹھ چلے آئے۔ آپ کی عمر کوئی پچھتر سال کی ہوئی اور ۱۹۱۷ء میں آپ اپنے وطن میرٹھ میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔)

"مدیر"

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا — اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصور تری ذات کا ہے محال — کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال
کسی کی یہاں دال گلتی نہیں — کسی کی یہاں چال چلتی نہیں
جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز — تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
اگر تیری قدرت کی کاری گری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مُدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تونے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے — جدھر دیکھئے اس طرف بند ہے
بنایا ہے کیا دست قدرت نے گول — خم اس میں ہے نہ جھری نہ سلوٹ نہ جھول
عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ
یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے ہوئے — زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
کھسے جو کبھی اور نہ ٹوٹے کبھی — نہ اس بند سے کوئی چھوٹے کبھی
سدا چال کا ایک انداز ہے — نہ کھٹکا، نہ آہٹ نہ آواز ہے
کبھی چلتے چلتے ٹھٹکتے نہیں — طریقے سے اپنے بھٹکتے نہیں
نہیں تیری قدرت سے کچھ یہ بعید — کہ ہو ہر ستارہ جہانِ جدید
ہو گرمی بھی سردی بھی برسات بھی — اندھیرا، اُجالا بھی دن رات بھی
یہ ندی یہ نالے سمندر پہاڑ — یہی بیل بوٹے، درخت اور جھاڑ
ہوا بھی ہو اور لطف باراں بھی ہو — خزاں بھی ہو فصل بہاراں بھی ہو
ہو سر پر اسی طور سے آسماں — ہو پاؤں کے نیچے زمیں بھی وہاں
فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر — وہاں بھی ہو دورانِ شمس و قمر
ہو انسان بھی اور حیوان بھی
ہر اک جنس کا ساز و سامان بھی

حق مہمانی

ایک تاریخی واقعہ

جس وقت بنی امیہ کے خاندان سے اسلامی بادشاہی جاتی رہی اور بنی عباس بادشاہ ہونے لگے ہیں۔ یہ وقت اس گھرانے کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ بہت سے بے گناہ اپنی جان بچاتے۔ خوف کے مارے ادھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے۔ انہیں میں ایک شاہزادہ ابراہیم، سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا بھی تھا۔ یہ نوجوان شاہزادہ، نوجوان عالم، فاضل ادیب اور قابل آدمی تھا۔ چند شریف اور معزز لوگوں کی سفارش پر خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اس کو امان دیدی۔ اور یہ عزت فرمائی کہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز خلیفہ نے پوچھا:۔

"ابراہیم! جس زمانہ میں تم اپنے دشمنوں سے جان بچاتے اور چھپتے پھرتے تھے، کیا تم پر کوئی ایسا واقعہ بھی گزرا جو یاد رکھنے کے قابل اور حیرت میں ڈالنے والا ہو"؟

ابراہیم:۔ حضور ایک عجیب قصہ گزرا ہے۔ جو نہ میں نے پھر دیکھا اور نہ سُنا اور جس کا اثر دل پر اب تک ہے۔

"امیرالمومنین! مقام حیرہ میں ایک جنگل کے کنارے پر ایک مکان سا بنا ہوا ہے۔ میں اس میں روپوش تھا۔ ایک روز اوپر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ چند سیاہ جھنڈے نظر آئے جو کوفے سے چل کر حیرہ میں آرہے تھے، میں سمجھا۔ یہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ چھت سے اُتر کر جھٹ مکان کے پچھواڑے سے نکل کر کوفہ چل دیا۔ وہاں کوئی میرا ایسا جاننے والا نہ تھا جس کے پاس چھپ سکتا۔ بہت پریشان اور رنجیدہ تھا۔ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتا جارہا تھا کہ ایک بڑے دروازہ پر نگاہ پڑی معلوم ہوا کہ اندر بہت وسیع صحن ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا ایک دوہرے جسم کا خوبصورت آدمی صحن میں آرہا ہے ساتھ میں چند خادم بھی ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر میری طرف دیکھا اور پوچھا۔

"تم کون ہو، کیوں آئے ہو"

میں نے کہا ایک پریشان خوف زدہ آدمی ہوں۔ جان کا اندیشہ ہے آپ کے مکان میں پناہ لینے آیا ہوں۔ یہ سُن کر وہ جوان مجھے مکان کے اندر لے گیا۔ اور ایک خاص کمرہ میں رکھا جو بالکل زنانہ مکان سے ملا ہوا تھا۔ میں کئی روز تک یہیں نہایت آرام سے رہا۔ کھانے پینے، پہننے کی عمدہ عمدہ چیزیں میری خواہش کے موافق حاضر رہتی تھیں۔ اس نے مجھ سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور یہاں تک کیونکر پہنچے۔ میں دیکھتا تھا کہ روزانہ صبح سویرے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا جاتا ہے اور ظہر کے قریب واپس آتا ہے۔

ایک روز خود میں نے پوچھا۔ آپ روزانہ کہاں اور کس غرض سے جاتے ہیں۔

نوجوان بولا "بھائی میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان نے بلا وجہ قتل کر ڈالا۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ حیرہ میں روپوش ہے۔ اسی کی تلاش میں جاتا ہوں تاکہ اپنے مرحوم باپ کا بدلہ لے سکوں۔

ابراہیم کہتے ہیں۔ امیرالمومنین! اس نوجوان سے یہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا میری قضا مجھے یہاں تک لائی ہے اور جو میرے خون کا پیاسا ہے اُس کے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ خدا کی قسم امیرالمومنین میں اس وقت اپنی زندگی سے بیزار اور موت کا منتظر تھا۔

میں نے نوجوان اور اُس کے باپ کا نام دریافت کیا۔ واقعی وہ سچ کہتا تھا۔ بے شک میں نے اُس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا:۔ بھائی سنو! مجھ پر بھی تمہارا حق ہے۔ اور ضرور ہے تم نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا ہے اور اس کا یہی تقاضا ہے کہ تمہارے دشمن کا پتہ لگاؤں بلکہ سامنے لاکر کھڑا کردوں۔

وہی نوجوان:۔ صرف حلیہ بتادو اور یہ کہ کہاں ہے

ابراہیم:۔ تمہارے باپ کا قاتل میں ہی ہوں۔ مجھ سے بدلہ لو۔ اور میرا خاتمہ کردو۔

نوجوان (مسکرا کر اور یقین نہ کرکے) رات دن کی روپوشی اور اہل وعیال سے علیحدگی نے بہت غمگین اور جان سے بیزار کردیا ہے اسی وجہ سے تم زندگی سے موت کو زیادہ عزیز سمجھ رہے ہو۔

ابراہیم:۔ نہیں خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں تمہارے والد کو فلاں دن فلاں سبب سے میں نے ہی قتل کیا تھا۔

نوجوان سمجھ گیا کہ ابراہیم سچ کہہ رہا ہے۔ اُس کے چہرہ کا رنگ بدلا۔ دونوں آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ دیر تک خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اگر تم ہی میرے باپ کے قاتل ہو تو خیر ایک دن خدا کے سامنے میرے والد مرحوم تمہاری گردن پکڑیں گے۔ اور اس عادل حاکم کے سامنے اپنے خون کا بدلہ لیں گے۔ میں بدعہدی اور بے وفائی نہیں کرسکتا میں نے امان دی ہے۔ اسے توڑ کر ذلیل نہیں کرسکتا۔ مگر اب بھلائی اس میں ہے کہ تم میرے گھر سے چلے جاؤ۔ لو یہ ہزار اشرفیاں اور زادِ راہ۔ اشرفیاں حق مہمانی کی دیتا ہوں۔ اب میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔

ابراہیم کو بڑی غیرت آئی۔ اور اس کی شرافت کا دل پر بہت اثر ہوا۔ روپیہ لینے سے تو صاف انکار کردیا۔ لیکن جان بچا کر وہاں سے چلدئے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ امیرالمومنین اس سے بڑھ کر اپنے عہد کا پابند اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ اور نہ اس واقعہ سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا کوئی اور واقعہ میں نے دیکھا نہ سُنا۔ اللہ اللہ

حکمت کے مفید چٹکلے

۱۔ دوپہر کو کھانا کھا کر کم از کم آدھ گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ آرام کرو۔ یا لیٹ ہی رہو۔ اس سے کھانا خوب ہضم ہوگا اور ہاتھ پاؤں کاہلی سے محفوظ رہیں گے۔

۲۔ شب کو کھا کر کم از کم پانچ سو قدم اور زیادہ سے زیادہ ہزار قدم چہل قدمی کرنے سے نیند خوب آئیگی اور روح تازہ رہے گی۔

۳۔ کھانا کھانے کے بعد فوراً پیشاب کرنے سے انسان درد جگر سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ جس شے کے چبانے میں جتنی تکلیف ہوتی اتنی ہی تکلیف اُس کو ہضم کرنے میں ہوگی۔

۵۔ بھوک سے زیادہ نہ کھاؤ تندرستی خراب ہوجائیگی۔

۶۔ مبدءِ فیاض نے جن پھولوں کو رنگ عنایت فرمایا ہے اکثر بو کم ہوتی ہے اور جن پھولوں کو رنگ نہیں دیا ان کو اکثر خوشبو مرحمت کی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے چاہے کھانے کا مزہ لو یا زندگی کا۔

۷۔ غصہ کی حالت میں کھانا کھانے سے بدہضمی کا اندیشہ ہے

۸۔ قبل ہضم کھانا نہ کھاؤ بلکہ بعد ہضم کے کچھ عرصہ تک معدہ کو آرام دو کہ معدہ خالی رہ کر حرارت اپنے میں پیدا کرے۔ ورنہ ہضم خراب ہوجائے گا۔

۹۔ بھوک نہ لگنا مرض کا پیش خیمہ ہے

۱۰۔ کھانا کھانے ،کثرت کرنے۔ چنے کھانے کے بعد پانی نہ پیو

۱۱۔ دمہ کے بیمار کو رات کو غذا نہ دو

۱۲۔ غم وغصہ اور فکر کرنے سے ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے۔

۱۳۔ بیماری سے صحت پا کر پیٹ بھر کھانا نہ کھاؤ

۱۴۔ کم وبیش غذا کھانے سے صحت بگڑ جاتی ہے۔

۱۵۔ بے قاعدہ، جلدی اور بے وقت غذا کھانی مضر ہے۔

۱۶۔ رنگ دار مٹھائی کھانی مضر ہے۔

۱۷۔ دہی اور مولی ایک وقت کھانے سے درد قولنج کا خوف ہے۔

۱۸۔ دودھ اور مچھلی ایک وقت میں نہ کھاؤ کہ جذام کا خوف ہے

۱۹۔ کچی غذا اور کھٹائی کھانے سے قولنج کا خوف ہے۔

۲۰۔ شہد اور گھی ہموزن ملا کر کھانے سے زہر پیدا ہوتا ہے۔

۲۱۔ خربوزہ کھانے کے بعد پانی پینے سے ہیضہ کا خوف ہے۔

۲۲۔ گرم مصالحہ یا تیز مصالحہ زیادہ کھانے سے معدہ خراب ہوتا ہے۔

۲۳۔ صبح ناشتہ سے پہلے باسی پانی پینا قبض کو رفع کرتا ہے۔

۲۴۔ رات کو سوتے وقت آدھا گلاس گرم پانی پینا قبض کو دور کرتا ہے۔

۲۵۔ ہیضہ میں خوراک دینی زہر ہے۔

۲۶۔ زیادہ ترشی کھانا بڑھاپا جلد لاتا ہے۔

۲۷۔ سب بیماریوں کی جڑ ہاضمہ کی خرابی ہے اور قبض۔

۲۸۔ سرکہ اور چاول ایک وقت نہ کھاؤ۔

دینیات کی تیسری ریڈر

مکتبہ جامعہ نے مسلمان بچوں کے لئے سلسلہ دینیات تیار کرایا ہے۔ یہ سلسلہ ہندوستان کے متعدد علما کی نظر سے گزر چکا ہے اور سب نے بہت پسند کیا ہے اور بچوں کے مفید بتایا ہے۔ ضروری اصلاح و ترمیم کے بعد پورا سلسلہ انشاء اللہ بہت جلد شائع ہو جائے گا۔ فی الحال ہم اس سلسلہ کی تیسری ریڈر کا کچھ حصہ درج ذیل کرتے ہیں۔ "مدیر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بڑی قدرت والا ہے۔ اسی نے سارے جہان کو بنایا۔ زمین کو بنایا اور آسمان کو بنایا۔ ستارے بنائے اور سورج اور چاند۔ سمندر بنائے اور دریا اور پہاڑ۔ اسی نے کل جانداروں اور انسانوں کو پیدا کیا۔ وہی پانی برساتا ہے اور زمین سے روزی نکالتا ہے۔ ہر چیز اس کے قابو میں ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی ہے اور اسی کے ہاتھ میں موت۔ وہی ساری دنیا کو سنبھالے ہوئے ہے۔

وہ بڑا مہربان ہے۔ اس نے ہم کو آنکھیں دیں کہ دیکھیں۔ کان دئے کہ سنیں۔ دل دیا کہ سوچیں۔ وہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہماری کل باتوں کو جانتا ہے، اور ہر کام کی خبر رکھتا ہے۔ ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہم کو دیکھتا ہے۔ ہماری پکار سنتا ہے اور ہماری مدد کرتا ہے۔

وہی اکیلا ہمارا معبود ہے۔ کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور ہم اکیلے اسی کے بندے ہیں، کسی دوسرے کے بندے نہیں۔

آدم

اللہ نے فرشتوں کو سنایا کہ زمین کا ایک بادشاہ بنانے والا ہوں انھوں نے کہا وہ تو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیرے فرماں بردار بندے ہیں۔ ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

اللہ نے جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر اس نے آدم کو ہر چیز کے نام سکھائے اور فرشتوں سے کہا کہ اگر تم زمین کی بادشاہت چاہتے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ وہ نہیں بتا سکے۔ اللہ نے آدم سے پوچھا۔ اس نے ہر چیز کے نام بتا دئے۔ تب فرشتوں سے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ زمین اور آسمان کی ساری باتوں کو میں جانتا ہوں۔

ابلیس

اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ میں مٹی سے آدم کا پتلا بناتا ہوں جب اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدے میں گر جانا۔ جس وقت آدم میں جان ڈالی گئی اس وقت سارے فرشتے سجدے میں گر گئے۔ مگر ابلیس نے جو بڑا شیطان تھا سجدہ نہیں کیا اور گھمنڈ میں آکر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ میں آگ سے بنا ہوں اور وہ مٹی سے میں اس کو سجدہ نہیں کرونگا۔ اللہ نے فرمایا "تو بڑا بنتا ہے اور میرے حکم کو نہیں مانتا یہاں سے نکل جا تو ہمیشہ کے لئے ملعون ہوا۔"

شیطان نے کہا کہ مجھے قیامت تک زندہ رہنے دے۔ میں ابن آدم کی نسل کو جسکو تو نے مجھسے بڑھکر رکھا ہے گمراہ کر کے جڑ سے مٹا ڈالونگا۔

اللہ نے فرمایا جا! تجھ کو قیامت تک کی مہلت ہے جو کچھ ہو سکے کر اور انکو سیدھی راہ سے بھٹکا۔ جو تیرے کہنے پر آ جائیں گے ان سب کو تیرے ساتھ دوزخ میں ڈالدونگا۔ جو میرے سچے بندے ہیں ان پر کبھی تیرا جادو نہ چلیگا۔"

ہیرے کی قیمت

جان بُل جنوبی افریقہ کی ایک دوکان میں کچھ تمبا کو خرید رہا تھا کہ ایک حبشی دوکان کے اندر داخل ہوا۔ اور میز پر ایک بڑے اخروٹ کے برابر ایک چمک دار پتھر رکھ کر بولا۔ "کیا تم اس کو خرید و گے؟" دکاندار کے نوکر نے کہا۔ "کیا لوگے؟" حبشی بولا "دو سو اشرفی"۔ نوکر نے اس پتھر کو غور سے دیکھا اور خیال کیا کہ ہیرا ہے۔ لیکن دو سو اشرفی دینے کی جرأت نہ کر سکا بولا "ایک گھنٹہ کے بعد جب مالک دکان میں ہوگا تو آنا"۔ حبشی "نہیں" کہہ کے چلتا بنا۔ جان بُل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کو پیچھے سے جا ملا۔ بولا "میں اس پتھر کو خرید دوں گا۔ میرے پاس ابھی صرف ایک سو اشرفی موجود ہے۔ مگر میرے ساتھ بمقام ڈیلیڈ کلوف کو آؤ۔ میں تمہیں باقی اشرفیاں بھی دیدوں گا۔ چنانچہ دونوں روانہ ہوئے۔ اور پہلو بہ پہلو چلتے گئے۔ دو دن تک وہ جنگل میں سفر کرتے رہے۔ جان بل کھانے کے واسطے جنگلی جانوروں کا شکار کرتا رہا۔ ایک دن دوپہر کو جب جان بُل اپنی بندوق ایک ہرن کو مارنے کے لئے اُٹھا رہا تھا۔ حبشی نے جلدی سے کہا "نہیں! نہیں!! نہیں!!!" جان بُل نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ دانت بج رہے تھے۔ اور سارا بدن کانپ رہا تھا۔ قبل اس کے کہ جان بل اس کا سبب پوچھے۔ اُس نے جنگل کے ہرن کے نزدیک اشارہ کیا۔ جان بُل نے اُس کے اشارہ کی طرف نظر کی۔ ایک جانور اس کی نظر پڑا جو معلوم ہوتا تھا کہ ایک لمبا سا کتا ہے۔ جو درخت بہ درخت سرکتا پھرتا ہے۔ اس جانور نے جنگل کے کنارے پہنچ کر پھیلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک بڑے قد کا ہو گیا۔ لو! وہ ایک زبردست شیر نکل آیا اور گرجتا ہوا ہرن کے پاس جا پہنچا اور اپنے غضب ناک پنجے سے اس کے سر پر ایک ایسا تھپڑ مارا۔ کہ وہ گر گیا۔ شیر جنگل کی طرف نظر کر کے زور سے گرجا۔ جان بل ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اور حبشی دریا میں گھس گیا۔ شیر نے ہرن کو مار کر اُسے کھانا شروع کیا۔ کئی قسم کے جنگلی جانور ارد گرد آ جمع ہوئے۔ مگر جب تک شیر نے اپنا کھانا نہ کھا لیا۔ کوئی جانور اُس کے نزدیک نہ آیا۔ شیر کھانا کھا کر جنگل کی طرف چلا گیا۔ حبشی دریا سے نکل آیا اور جان بل کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ جان بل نے حبشی سے پوچھا "کون سب کا بادشاہ ہے۔ شیر یا آدمی؟" حبشی نے اس معمولی سوال سے حیران ہو کر جواب دیا "شیر سب کا بادشاہ ہے"۔ شیر نے ان کی باتیں دور سے سنیں اور ان کی طرف آیا۔ جان بل نے بندوق اُٹھائی اور اس کی طرف گولی ماری۔ شیر غصہ میں بھولا ہوا گرجتا ہوا آیا۔ جب وہ جان بل سے تقریباً پانچ گز دور تھا تو جان بل نے اُس کے سینے میں گولی ماری۔ اُس نے دیکھا کہ شیر ہوا میں اُس کے اوپر ہے۔ حبشی چیخ مار کر دریا میں گھس گیا۔

حبشی جب کنارے آیا دیکھا کہ شیر اُس کے سامنے مرا ہوا پڑا ہے۔ اُس کی چاروں ٹانگیں ہوا میں اُٹھی ہوئی تھیں۔ اور جان بل اُس کے اوپر اور ارد گرد ناچ رہا تھا۔ حبشی نے تعریف کا نعرہ بلند کیا اور بولا "شیر کسی کا بادشاہ نہیں ہے اور نہ آدمی مگر بندوق" جان بل کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اور بولا "تم اپنے ہیرے کے عوض یہ گھوڑا اور بندوق لے لو"۔ حبشی نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر جھک کر شیر کی کھال اُتارنے لگا جب وہ یہ کام کر چکا۔ تو بولا "میں یہ چمڑا اپنے گاؤں کو لے جاؤں گا۔ اور سب میری تعریف کریں گے۔ سب گاؤں میں دھوم دھام مچ جائیگی۔ لوگ کہیں گے کہ میں بڑا شکاری ہوں۔ شیر کو مار کر اُس کی کھال پہنتا ہوں۔ اور میں بڑا آدمی بن جاؤں گا" جان بل بولا "نہیں! یہ چمڑا میرا ہے۔ اگر تم اس کو اپنے گاؤں میں لے جاؤ گے تو لوگ تمہارے سامنے اپنے سر جھکائیں گے اور تم بادشاہ بن جاؤ گے۔" حبشی بولا "میں تمہیں یہ ہیرا دیدوں گا۔ سو اشرفی بھی واپس کر دوں گا۔ اگر یہ چمڑا گھوڑا اور بندوق دیدو گے"۔ جان بل نے خیال کیا "یہ سودا کچھ بُرا نہیں۔ ہیرا مل گیا تو میں سیکڑوں گھوڑے اور بندوق خرید سکتا ہوں"۔ چنانچہ اُس نے حبشی سے سودا کر لیا۔

حبشی اور جان بل دونوں اپنی اپنی راہ پر چلدیئے۔ لیکن اس تاریخ سے جان بُل کی عزت افریقہ کے جنگلوں میں جاتی رہی۔ اب جان بُل کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ حبشی ہی جنگل کا بادشاہ تھا۔

جمیس گارفیلڈ

جمیس گارفیلڈ صدر جمہوریہ امریکہ کی حیرت انگیز ترقی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ واقعات و حوادث کا دلیری سے مقابلہ اور اپنے کام میں انتہائی محنت، ہر شخص کو ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہنچا سکتی ہے۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ ڈکنس اور سرسید جیسے بڑے لوگوں کی طرح اس کی ترقی کا بڑا سبب اس کی ماں ہی ہوئی، لیکن اس نے اپنی کوشش اور جانفشانی سے جو عزت اور مرتبہ حاصل کیا، وہ ہمارے نوجوانوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔

۱۸۳۱ء میں امریکہ کے شہر اوہیو میں جمیس پیدا ہوا۔ اس کو اپنی ابتدائی زندگی میں بڑی بڑی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جب وہ صرف اٹھارہ مہینے اور اُس کا بھائی تھامس گیارہ سال کا تھا، اُن کے باپ کا انتقال ہوگیا۔

یہ دو بہن اور دو بھائی تھے اور آمدنی کا کچھ ذریعہ نہ تھا۔ زمین کا ایک قطعہ فروخت کرکے کچھ دن بسر کئے اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کسی کے پاس بھی کپڑے جوتے اور ٹوپی صحیح و سالم نہ تھے لیکن مسز گارفیلڈ کو اس سامان سے زیادہ اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر تھی جمیس پانچ سال کا بھی نہ تھا کہ اس نے پڑھنا سیکھ لیا۔ جو سوالات اپنے اُستادوں سے کرتا اس قدر تعجب خیز ہوتے کہ ہر شخص کو اسکی ذہانت کی تعریف کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

تھامس کے مچاگن چلے جانے کے باعث جمیس کو آٹھ برس کی عمر میں ترکاری بونا، لکڑیاں کاٹنا اور اسی قسم کی سخت محنت و مشقت کرنا پڑی۔ اس کے بعد جمیس نے بڑھئی کا کام کیا اور کچھ عرصہ میں اس میں خوب مہارت پیدا کرلی اور اسی وجہ سے اس کو جلد مختلف کام مل گئے جن سے آخر میں اس کی آمدنی تقریباً ڈیڑھ روپیہ روزانہ ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنے چچا کے ساتھ جھیل ایری میں چلا گیا وہاں بھی یہی کام کرتا رہا لیکن اُسے وہاں کا نظارہ اتنا دلکش اور زندگی اتنی پُرلطف معلوم ہوئی کہ وہ جہاز کی نوکری کے لئے بے قرار ہوگیا۔ ایک جہاز پر بُری طرح سے دھتکارے جانے کے بعد وہ دوسرے جہاز پر گیا جس کا کپتان اس کا ہم جماعت اور دوست رہ چکا تھا۔ اس نے جمیس کی ذہانت و لیاقت کی بنا پر یہی رائے دی کہ وہ آئندہ تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ کرے۔

اپنی آئندہ تعلیم جاری رکھنے کے لئے جمیس مع اپنے دو چچازاد بھائیوں ولیم اور ہنری کے گیوگا ہائی اسکول شہر چیسٹر کو گئے اور مفلسی کی وجہ سے اپنا اسباب اپنے سروں پر لادے ہوئے وہاں پہنچے۔ وہاں کی زندگی بھی بے حد تکلیف دہ تھی، معمولی سا گھر خود کمانا اور سخت محنت، اسی طرح وہاں جمیس نے تین سال بسر کردئے۔ لیکن اسکول کی زندگی کے تمام فوائد حاصل کئے اور اس عرصہ میں اس نے مقرر کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کرلی

جمیس گارفیلڈ کی بلند ہمتی اور علم کے شوق نے اس کو صرف اسکول کی تعلیم پر اکتفا نہ کرنے دیا بلکہ مجبور کیا کہ وہ کالج میں جاکر اپنی محنت اور ذہانت کا پھل پائے۔ وہ ۱۸۵۱ء میں ہیرام کالج میں گیا جہاں اسکی مفلسی نے اُسے اس کی تعلیم کے معاوضہ میں بہتروں کا داروغہ اور گھنٹی بجانے والا چپراسی بننے پر مجبور کیا۔ لیکن یہ کام بھی اُس نے اسی عمدگی اور پابندی سے کیا اور ایک سال بعد وہ انگریزی اور قدیم زبانوں کا "معلم" بنادیا گیا۔ اس کے بعد وہ ولیمس کالج میں جسکے صدر مشہور و معروف عالم ڈاکٹر ہاپکنس تھا، گیا۔ یہاں اُس کی بے حد قدر و منزلت کی گئی۔

اس زمانہ میں رسم غلامی کے خلاف عام لوگوں میں جوش پیدا ہورہا تھا جس سے گارفیلڈ اسکول ہی میں متاثر ہوچکا تھا۔ کالج میں پہنچ کر جب اس تحریک کے مشہور مخالف چارلس سمنر پر حملہ ہوا تو جمیس کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوگیا۔ اس نے وہاں کے عام جلسہ میں وہ پُر اثر اور زبردست تقریر کی جو اس کی بہترین تقاریر میں سے خیال کی جاتی ہے۔ وہ ۱۸۵۶ء میں گریجویٹ ہوا اور ڈاکٹر ہاپکنس نے فن تقریر کا وہ گرانقدر اعزاز جسے شاید دو چار لوگوں ہی نے حاصل کیا ہوگا، اس کو عنایت کیا۔ ہیرام کی درس گاہ کے بعد (جہاں وہ "قدیم زبانوں اور ادب کا معلم" تھا) وہ ایک زبردست ولائق مقرر ہونے کے باعث سیاست میں حصہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ امریکہ کی خانہ جنگی میں اعلیٰ ترین خدمات کا سہرا بھی اسی کے سر رہا یعنی وہ لفٹننٹ کرنل، بریگیڈ جنرل اور آخر میں میجر جنرل

بنا دیا گیا۔ وہ جس طرح شہراو ہو کی کونسل کا سب سے کم عمر ممبر تھا۔ اسی طرح
فوج میں بھی سب سے کم عمر بریگیڈیئر جنرل تھا۔ جس کی حیرت انگیز قابلیت
اور سیاسی خدمات بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ
وہ صدر جمہوریہ امریکہ بنا دیا گیا اور اس طرح اسے ملک کی قابل قدر
خدمات کا موقع ملا۔

یقیناً ملک امریکہ کی بد قسمتی تھی کہ جس جیسا قابل فخر صدر زیادہ
عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ کیونکہ دوسرے ہی سال جب کہ وہ کسی ضرورت
سے باہر جا رہا تھا۔ اُسے بڑی بے دردی سے زخمی کیا گیا۔ تمام ملک میں
رنج والم کی لہر دوڑ گئی اور تار کے ذریعہ یہ افسوس ناک خبر ہر گوشۂ
ملک میں پہنچا دی گئی۔ چند روز بعد اسی تکلیف میں یہ عالی دماغ مقرر انتقال کر گیا

مکار عورت

شاگرد نے جواب دیا "میں اس دوا کو جانتا ہوں جس سے مجھے صحت
حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس دوا کا ملنا مشکل ہے"۔ عورت نے دریافت
کیا کہ وہ دوا کیا ہے؟ شاگرد نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن جب عورت کی
گریہ وزاری حد سے گزر گئی تو اس نے کہا کہ اگر مجھے کوئی ایسے شخص کا بھیجا
جو آج ہی مرا ہو، لا کر دے تو میں اُسے کھا کر اچھا ہو سکتا ہوں"۔ اس پر
عورت نے کہا کہ میں پھر کہتی ہوں کہ تمہارا علاج کرنے میں کوئی کسر اُٹھا
نہ رکھوں گی خواہ تمہاری دوا میری جان ہی میں کیوں نہ ہو" وہ عورت
وہاں سے نکلی اور اس کوٹھری میں گئی جہاں ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔
وہاں سے اس نے ایک چھرا لیا اور اس کرہ میں گئی جہاں اس کا شوہر
مردہ بنا پڑا تھا۔ جس وقت وہ وہاں پہنچی تو اس کے دل پر رعب اور خوف
طاری ہونے لگا۔ لیکن وہ ہمت کر کے چارپائی تک پہنچی اور چھرا اُٹھایا کہ
اپنے شوہر کی گردن الگ کر دے۔ مگر کیا دیکھتی ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں
کھلی ہیں۔ اس منظر کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور چھرا ہاتھ سے
گر گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو نوکر اور شاگرد کھڑے ہنس رہے ہیں۔ عورت تمام
واقعات کو سمجھ گئی۔ حکیم نے بستر سے اُٹھ کر کہا "کیا اپنے شوہر کو دفن کرنے
کے بعد اس کی قبر کا سکھانا اس سے بہتر نہیں ہے کہ اُس کے سر کو مرنے سے
پہلے اُس کے تن سے جدا کیا جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اُنکی بیوی

حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی سے
کہا۔ "تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو جو کچھ مال و دولت، زیور، زر و
جواہر تمہارے پاس ہے۔ مسلمانوں کے بیت المال (قومی خزانہ) میں
داخل کر دو۔ اپنے پاس نہ رکھو۔ یہ سارا مال مسلمانوں کا ہے۔ ہمارا
تمہارا نہیں ہے۔ میں، تم اور یہ مال تینوں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔

فاطمہ شاہزادی تھیں، ان کے مرحوم باپ عبدالملک خلیفہ
تھے۔ مگر خدا نے دولت کے علاوہ اُن کو بہت خوبیاں دی تھیں۔ اور
بڑی نیک بی بی تھیں۔ انھوں نے اسی وقت نہایت خوشی سے سارا
مال خزانہ میں پہنچا دیا۔ اور پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔

جب حضرت عمر نے وفات پائی فاطمہ کے بھائی یزید بن عبدالملک
بادشاہ ہوئے انہوں نے اپنی بہن کی تسلی کرنا چاہی اور کہا۔ افسوس
عمر نے تم پر بڑا ظلم کیا۔ تمہارا ذاتی مال چھین کر خزانہ میں بھجوا دیا۔ اچھا اب
میں سب خزانہ سے نکلوا کر تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

فاطمہ نے جواب دیا۔ نہیں خدا کی قسم اب ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا
جن کی زندگی میں میں نے فرماں برداری کی اُن کے مرنے پر بھی مرضی
کے خلاف نہ کروں گی۔ یہ مال و دولت میرے کس کام کا ہے۔ اُن
کی مرضی میرے لئے سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔ یزید
نے اس جواب کی پرواہ نہ کی، اور خزانہ سے ان کا سارا مال و اسباب
نکلوا کر بھجوایا۔ مگر انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر یزید نے
عزیزوں میں بٹوا دیا۔ فاطمہ نے ایک حبہ بھی نہ لیا اور اپنی زندگی
خدا کی عبادت میں گزار دی۔

شریف اور ایماندار آدمی کی نظر میں دولت کوئی چیز نہیں
ہے۔

احسان

(افسانہ)

جمال نے ابھی ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا چند روز شیر مادر کے ساتھ مفلسی کا مزہ چکھتے ہوئے گذری تھی کہ وہ بھی مرگِ ناگہانی سے پیام اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ اب عزیزوں میں سے صرف ایک چچا کی ہستی تھی اُنہیں نے جمال کی کفالت اپنے ذمہ لی اور ہر طرح جمال کو اچھی تعلیم و تربیت دینے کی کوشش کی۔ لڑکپن تک تو جمال کچھ اپنے چچا کے خوف سے مدرسہ بھی جایا کرتا تھا لیکن اس کو صحبت اچھی نہ ملی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمال کبھی مدرسہ میں ہے اور کبھی اُستاد کو دھوکا دے کر چند آوارہ گرد لڑکوں کے ساتھ۔

غرض لڑکپن کو جوانی کی آمد نے خدا حافظ کہا چونکہ وہ اوائل عمری سے .... لغوتیوں میں رنگتا چلا آ رہا تھا، اس لئے اب اُس سے ایسی ایسی حرکتیں بلکہ جرائم سرزد ہونے لگے کہ جن کا نتیجہ بجز بربادی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر میاں جمال کب اتنے دوربیں اور عاقبت اندیش واقع ہوئے تھے کہ اچھی اور بری بات میں امتیاز کر سکتے۔

موسم سرما کی آمد کی دھوم مچی ہوئی ہے لوگ گرم اور اونی کپڑے تیار کر رہے ہیں مگر برخلاف اس کے جمال کے پاس لے دے کے صرف ایک جوڑا کپڑوں کا رہ گیا ہے جو مہینوں سے اُس کی تن پوشی کئے ہوئے ہیں۔ اب جمال چونکہ گھر سے نکال دیا گیا ہے اس لئے کبھی کبھی فاقہ کی بھی نوبت آ جاتی ہے۔ قوت لایموت کے حاصل کرنے کے لئے یہ رویہ اختیار کیا ہے کہ شہر میں جہاں کہیں کسی تقریب کے سلسلہ میں دعوت ہوتی پتہ لگا لیتا اور دعوتیوں کے ساتھ پہنچ کر خود بھی زہر مار کر لیتا ہے، ناکامی کی صورت میں مانگ کھانے میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتا۔ آخر متواتر فاقوں اور سردی کی شدت سے مجبور ہو کر وہ بڑی پریشانی محسوس کرنے لگا اور خیال کیا اچھا ہو کہ چچا سے گھر چل کر معافی مانگ لی جائے اس سے اتنا تو ہوگا کہ دو وقت کھانے کا سہارا ہو جائے گا غرض اسی دھن میں اُلجھا ہوا وہ گھر جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھیں بند کر لیں۔

جمال (پریشان ہو کر) "ابے کون ہے؟ چھوڑ دے ورنہ بُرا حال کر دوں گا" ساتھ ہی دو تین آدمیوں کے پیروں کی آہٹ اُس کے کان میں پہنچی۔

جمال:- ہاں اب پہچان لیا۔ منو، بدریا، صدریا ہیں اور آنکھیں بند کرنے والا .... نجیر (نظیر) ہے۔ بس چھوڑ دو مذاق نہ کرو۔

جمال نے سب کو پہچان لیا اور دوست بھی ہنستے ہوئے اُس کے سامنے آ گئے۔

بدریا (بدرالدین) کہو جمال آج کل کہاں رہتے ہو کیا خفا ہو گئے؟ یا کہیں سے کچھ ہاتھ لگ گیا ہے جس نے لنگوٹی یاروں کو فراموش کرنے پر مجبور کر دیا۔

منو (منور خاں)
صدریا (صدرالدین) } (تینوں ہم زبان ہو کر) یہی بات ہے جو جمال نے کنارہ کشی کر لی ہے۔
نجیر (نظیر)

جمال:- تم سب بے وقوف ہو اگر کچھ ہاتھ لگ جاتا تو یہ حالت کیوں ہوتی مزے نہ اُڑاتا؟ تمہاری ہی تلاش میں نکلا تھا (اس کے بعد پانچوں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے مشورہ کرتے ہیں)

جمال درخت کے نیچے اپنے چاروں احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے سرگرم تدبیر ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں ساہوکار بہت نقد اسامی ہے۔ کوئی یوں گویا ہوتا ہے کہ رہزنی زیادہ بہتر ہے غرض ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بعد ازاں جمال نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ اپنے شہر سے شمال جانب مرگھٹ میں سے جو سڑک گئی ہے" لوگ کہتے ہیں کہ اُس پر شیطان بھوت کا دورہ ہوتا ہے، آمد و رفت بالکل بند رہتی ہے۔ لیکن اس پر بھی بعض نڈر تاجر جو کچھ تجارتی سامان مواضعات میں لے جا کر فروخت کرتے ہیں۔ چاہے دن ہو یا رات اُسی سڑک پر سے واپس بھی ہوتے ہیں۔ بس آج رات کو چل کر مرگھٹ کے قریب بیٹھ رہیں اور جو کوئی تاجر گذرے ڈرا کر لوٹ لیں۔ سب نے جمال کے خیال کی تائید کی اور ایک طرف کو ہو گئے ہو گئے۔"

رات کے گیارہ بجنے والے ہیں جمال نے ایک بانس کے سرے پر چار پانچ فیٹ بلند لکڑی آڑی باندھ کر اپنے ساتھ لے لی ہے اور چہرے کو ایسا بگاڑا ہے کہ شیطان بھی دیکھے تو لرز جائے۔ مرگھٹ کے قریب پہنچ کر جمال نے چاروں کو ایک چھوٹی سی جھاڑی میں چھپے رہنے کا حکم دیا اپنے کپڑے نکال کر بانس میں لگا دئے اور بڑی اُمیدوں سے اُس خوش کن وقت کا انتظار ہونے لگا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ اُدھر سے دو تاجر بیلوں پر بیٹھے آتے ہوئے نظر آئے۔ یہ بے چارے قسمت کے مارے تھکے ماندے چلے آرہے تھے کہ اُن میں سے ایک کی نظر اس فرضی شیطان پر پڑی اور کانپ کر اپنے ساتھی سے آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ اکبر! اکبر! ابے کیا سو گیا؟ (اکبر جو بیل پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھتا چلا آرہا تھا چونک کر بولا۔ کیا ہوا کیوں چیختے ہو؟ کیا کچھ ڈر معلوم ہو رہا ہے۔ آخر مارواڑی ہو نہ؟

ماتا دین:۔ تم جو مسلمان ہونے کے دعوے دار ہو وہ دیکھو سامنے کیا ہے۔

اکبر:۔ (غور سے دیکھ کر ڈرتے ہوئے مگر نہ ظاہر کرتے ہوئے) ہاں ہاں یہ شیطان ہے۔ ڈرو نہیں میں ابھی اسے مٹا دیتا ہوں یہ کہہ کر کئی مرتبہ آیۃ الکرسی بڑی اسورہ اخلاص پڑھ کر دم کیا اور ہزاروں مرتبہ "چل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" کہا مگر یہ شیطان بجائے اس کے کہ غائب ہوتا اور سامنے ہوتا گیا۔

ماتا دین:۔ رام کی سوگند اب تو جانے اور تیرا عمل میں تو چلا۔ یہ کہہ کر فوراً بیل پر سے کود پڑا اور راہِ فرار اختیار کی۔ اکبر نے جب دیکھا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے اس نے بھی ساتھی کا ساتھ دیا غرض سامان تجارت چھوڑ کر دونوں بھاگ گئے۔ اب میدان خالی صاف تھا۔ چاروں خوشی خوشی وہاں پہنچے اور تمام سامان لے کر آپس میں تقسیم کر لیا۔

جمال دن بدن سنگین جرائم کرتا رہا اور ایک بار گرفتار بھی ہوا اور دو ماہ قید سخت بھگتی۔ جیل سے واپسی پر بھی وہ کچھ نہ سنبھلا چند دنوں کے بعد فاقہ کشی اور اپنے دوستوں اور شہریوں کی بے اتفاقی سے مجبور ہو کر نکل گیا۔ افتاں و خیزاں بارہ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک موضع پر پہنچا۔ اس موضع میں تقریباً تمام ہندو پُرانے خیال کے اہل ہنود بستے تھے اور چھوت چھات کے مسئلہ کو مذہبی جزو لاینفک سمجھتے تھے تو بھلا جمال کو وہاں زندگی بسر کرنے کی کیا اُمید ہو سکتی تھی اور نقاہت کے سبب نہ وہ اس قابل رہ گیا تھا کہ اور چند میل چل کر کسی دوسری آبادی میں قیام پذیر ہوتا۔ ایک دروازہ پر آواز دی کہ مائی کچھ ہو تو دلوا دو۔ تھوڑی دیر میں مکان سے ایک شخص نکلا ایک پیسہ ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ تم اس بستی کے نہیں معلوم ہوتے کہاں سے آئے ہو۔

جمال:۔ میں ایک غریب آدمی ہوں مصیبت یہاں لے آئی ہے۔

رام داس:۔ ملازم رہو گے۔

جمال:۔ جی مہاراج ضرور رہوں گا۔

وہ شخص گھر میں چلا گیا اور اپنی بیوی سے مشورہ کر کے باہر آیا اور کہا کہ میں تمہیں ملازم رکھتا ہوں مگر صرف کھانا اور کپڑا دیا کروں گا روپیہ بھی دیتا مگر کام زیادہ نہیں ہے۔

اس کا کام صرف یہ تھا کہ اپنے آقا کی گائے جنگل میں چرانے لے جایا کرے اور اُس کی نگہبانی کیا کرے۔

جمال کو تو ملازمت مل گئی اور اُس کے کھانے پینے کا بندوبست ہو گیا مگر گاؤں کی ساری آبادی رام داس کے خلاف ہو گئی۔ سب نے اُس سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ وہ برادری باہر کر دیا گیا۔ اب گاؤں کے کنوے سے لوگ اُسے پانی بھی نہیں بھرنے دیتے تھے۔

جمال کو خیال ہونے لگا کہ یہ سب کچھ اُسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر وہ رام داس کا گھر چھوڑ کر کہیں چلا جائے تو ممکن ہے اس کو کچھ پریشانی ہو لیکن رام داس تو اس مصیبت سے چھٹکارا پا جائے گا۔

جتنی گاؤں والوں کی سختی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جمال کے دل میں رام داس کی محبت بھی بڑھتی گئی۔ رام داس نے بھی جمال کے ساتھ چھوت چھات کا دستور برتنے میں کمی کر دی۔ کچھ اس لئے کہ سب گاؤں والوں نے اس کا کام کرنا چھوڑ دیا تھا وہ مجبور تھا کہ کچھ نہ کچھ کام جمال سے لے اور کچھ اس لئے کہ اُسے واقعی جمال سے محبت ہو چلی تھی۔

ایک مرتبہ رام داس بیمار پڑا۔ گاؤں کے وید نے اُس کے گھر آنے سے انکار کر دیا۔ ایک دو دن بغیر دوا کے ہوگئے لیکن جب بیماری اور بھی بڑھنے لگی تو جمال نے اپنے آقا سے کہا "اس طرح بغیر دوا کے پڑے رہنے سے بیماری اور بھی بڑھ جائے گی۔ چلیے میں آپ کو اپنے وطن لے چلوں"۔

آقا۔ "لیکن یہاں سے بارہ میل کی مسافت طے کیونکر ہوگی گاؤں والے اپنی سواری بھی نہ دیں گے"۔

جمال۔ "نہیں۔ سواری کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا نے مجھے طاقت دی ہے۔ میں اپنے کندھوں پر بٹھا کر آپ کو لیجاؤنگا۔

جمال کا آقا بڑے اصرار کے بعد اس پر راضی ہوا۔ دوسرے دن صبح تڑکے دونوں شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ شہر پہنچ کر جمال اپنے آقا کو اُن حکیم صاحب کے پاس لے گیا جو اُس کے چچا اور باپ کے خاندانی حکیم تھے۔ اتفاق کی بات جمال کا چچا ان دنوں سخت علیل تھا اور روزانہ اُس کی ڈولی حکیم صاحب کے یہاں آتی تھی۔ آج جمال رام داس کو لئے حکیم صاحب کے مطب میں داخل ہو رہا تھا کہ اُس کے چچا کی ڈولی باہر نکلی۔ جمال اچھے کپڑے پہنے تھا اور تندرست تھا اُس کے چہرے پر جفاکشی اور استقلال کے آثار پیدا ہوگئے تھے اور اُس کی آنکھیں نیکی کے نور سے چمک رہی تھیں۔ جمال نے اپنے چچا کو پہچان لیا اور سلام کیا۔ اُس کے چچا نے بھی اپنی ڈولی رکوائی اور جمال کا حال پوچھا۔ جمال نے تو کچھ زیادہ نہ کہا لیکن رام داس نے سب قصہ سنایا۔ اور جمال کی بڑی تعریفیں کیں۔ چچا چپ چاپ سب کہانی سنتا رہا۔ جب رام داس خاموش ہوگیا تو اُس نے روتے ہوئے جمال کو اپنے سینے سے لگایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اُس نے کہاروں سے کہا میری ڈولی پھر حکیم صاحب کے مطب میں لے چلو۔ حکیم صاحب بھی جمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُس کے سُدھر جانے پر جمال کے چچا کو مبارکباد دی۔ اور رام داس کی نبض بڑی توجہ سے دیکھ کر نسخہ لکھا۔ جمال کے چچا نے رام داس سے کہا "جب تک آپ بیمار ہیں میرے ہاں قیام کیجئے گاؤں سے آنے جانے میں تکلیف ہوگی" رام داس راضی ہوگیا۔ شام کو جمال گاؤں سے اپنی مالکہ کو بھی لے آیا۔ جمال کے چچا نے سب کی رہایش وغیرہ کا بڑا اچھا انتظام کر دیا۔ جمال نے بھی اپنے چچا کی اور اپنے آقا کی خوب خدمت کی۔ چند دن میں دونوں مریض اچھے ہوگئے۔ اب رام داس نے اپنے گاؤں واپس جانے کی اجازت چاہی تو جمال کے چچا نے کہا "جمال اب آپ کا لڑکا ہے اسے آپ اپنے ہی ساتھ لے جائیے اور اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی اکلوتی بچی کی شادی بھی جمال سے کر دوں میری لڑکی اور جمال دونوں عمر بھر آپ کی خدمت کریں گے اور آپ کے احسان کو عمر بھر نہ بھولیں گے"۔

رام داس نے کچھ نہ کہا۔ لیکن اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

اب شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دور دور سے مہمان آنا شروع ہوئے اور سب عزیزوں کی زبان پر جمال کی تعریفیں اور رام داس کے شکریہ کے الفاظ تھے۔

شادی کے بعد رام داس اُس کی بیوی، جمال اور اس کی دُلہن سب بہت سے ساز و سامان کے ساتھ گاؤں کو روانہ ہوئے۔

گاؤں میں رام داس اور جمال کی اس طرح واپسی کی خبر مشہور ہوگئی۔ سب اس خاندان کو خوش و خرم اور مالامال دیکھ کر خوب جلے۔ لیکن اِن لوگوں کے دل میں کسی قسم کا خیال نہ آیا۔ یہ سب اپنی خوشی میں خوش تھے اور خدا کے شکر گذار کہ اُس نے یہ احسان کیا۔

(اچھی بی)

بی بی نے خفا ہو کر اچھو کو مارا، یہی ہے نہ بخشن بوا!

آخر اس میں اس قدر ڈرنے کی کیا بات ہے۔ اچھی بی نیک بخت لڑکوں کو مارتی نہیں بلکہ پیار کرتی ہیں۔ پھر بھلا ڈر کی کونسی بات بس اس کی کوشش کرو کہ ضد، بڑوں سے گستاخی اور کام میں سستی نہ ہونے پائے جس سے اچھی بی بھی خوش رہیں گی اور اوروں کے بھی پیارے رہو گے۔

اس سے لڑکوں کو کچھ تسکین ہوئی لیکن اچھی بی کا خوف کوئی معمولی خوف نہ تھا جو ان باتوں سے دور ہو جاتا۔ رات کو کئی مرتبہ بانو سوتے سوتے چیخ اٹھی۔

میری سائیکل

ایک سائیکل میں نے اپنے آرام کے واسطے منگوائی تھی لیکن دوستوں نے مجھے آرام نہ پہنچنے دیا یعنی میری سائیکل کبھی میرے پاس نہیں رہنے پائی ابھی اِن کے پاس تھی تو ابھی ان کے پاس۔ ادھر سے یہ آئے کہ مجھکو ایک ضروری کام ہے ۱۰ منٹ کے لئے سائیکل دیجئے، اُدھر وہ صاحب ہیں کہ ۱۵ منٹ کے وعدے پر سائیکل لے جانے پر آمادہ ہیں۔ بچاری سائیکل دو منٹ بھی دیوار سے لگ کر آرام کرنے نہیں پاتی۔ یاران طریقت دن میں پچاس بار سائیکل کی خواستگاری میں میری مدح سرائی فرماتے ہیں۔ میں بھی کبھی خوش ہو کر دے دیتا ہوں، اور کبھی اُن کی چاپلوسی سے رنجیدہ خاطر ہو جاتا ہوں۔ مگر مروت کے مارے آخرکار دے ہی دینا پڑتی ہے۔

بہرکیف اگر میں افسانہ کی صورت میں اپنی سائیکل کی حالت ناظرین کے سامنے پیش کروں تو بلا مبالغہ ایک پُر درد اور سبق آموز اخلاقی افسانہ مرتب ہو جائے، کیونکہ اُس میں سائیکل کی بربادی سے میری اقتصادی حالت کی تباہی، اپنی پریشان اور بے اطمینان زندگی دوستوں سے خواہ مخواہ کی لڑائی، سب کی جیتی جاگتی تصویر رہے گی مگر افسوس ہے کہ مجھے افسانہ نگاری بالکل نہیں آتی۔ لکھوں تو کیوں کر لکھوں، اور اپنا مافی الضمیر ادا کروں تو کیوں کر ادا کروں۔

لیجئے میں ابھی اتنا ہی لکھنے پایا تھا کہ ایک صاحب سائیکل کے طالب بن کر میرے پاس آ پہنچے، یہ صاحب میرے عزیز بھی ہیں اور دوست بھی، ان کا تعارف ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہو جائے گا، ذرا کھلے الفاظ میں ان کو سائیکل مانگنے دیجئے، مگر ہاں ان کا نام معلوم کر لیجئے، یہ صاحب دوستوں کے طبقے میں "ہوشیار" کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کا اصلی نام عبدالقادر ہے۔

ہوشیار:۔ چچا جان! ذرا پندرہ منٹ کے لئے اپنی سائیکل عنایت فرمائیے، قسم خدا کی نہایت ضروری کام ہے۔

میں:۔ (نہایت سخت لہجہ میں) تم کو تو دن میں لاکھوں بار ضروری ہی کام رہتا ہے۔

ہوشیار:۔ رسول پاک کی قسم، آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ ماہ سے بالکل بے کار ہوں آج ایک ڈپٹی صاحب نے بلایا ہے۔ اب ایسی صورت میں آپ ہی خیال کیجئے میرا جانا کس قدر ضروری ہے۔

میں:۔ جانا ضروری ہے تو جائیے آپ کو روکتا کون ہے!!

ہوشیار:۔ نہیں واللہ دیدیجئے، دیکھیے سوا آٹھ بج چکے ہیں اور مجھ کو ۹ بجے اُن کے پاس پہنچ جانا چاہیئے۔

میں:۔ تو بس فوراً جائیے!

ہوشیار:۔ نہیں چچا! آپ ہی سوچئے کہ مراد پور یہاں سے چار میل کے فاصلہ پر ہے، ایک گھنٹہ میں کیونکر پہنچ سکونگا۔

میں (مروت سے مجبور ہو کر) لے جاؤ! مگر دیکھو کل عاقل بھی ۱۰ بجے دن کو گھنٹہ بھر کے لئے سائیکل لے گئے تھے، مگر ۱۲ بجے شب کو سینما سے واپس آئے۔ اور مجھے ابھی سائیکل اُن کے گھر سے لانا پڑی دو تین پُرزے بھی غائب ہیں۔

ہوشیار:۔ واللہ میں نہایت حفاظت سے لے جاؤں گا اور ایک گھنٹہ بعد حاضر خدمت کر دونگا۔

میں:۔ لیجاؤ نہ بھائی لے جاؤ، مگر یہ چار پیسے بھی لیتے جاؤ سلوشن لیتے آؤ گے؟

ہوشیار:۔ پیسے رہنے دیجئے میں اپنے پیسوں سے لیتا آؤں گا

میں:۔ نہیں پیسے لے لو ورنہ تم بھول جاؤ گے۔

ہوشیار:۔ اچھا لائیے!

ساڑھے آٹھ بجے دن کو ہوشیار صاحب سائیکل لے کر روانہ ہوئے تھے ساڑھے نو بجے دن کو واپس دینے کا وعدہ تھا مگر اس وقت ۹ بج رہے ہیں، اور وہ اب تک میری سائیکل واپس نہیں لائے۔ جب سونے کے لئے لیٹا تو کان میں آواز آئی "چچا جان"!

میں:۔ ہاں واہ خوب آپ ۹ بجے دن کو سائیکل واپس لائے ہیں"۔ ہوشیار نے دبی ہوئی آواز سے کہا: "چچا معاف کیجئے قسم خدا کی سخت مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اور کیا کہوں آپ کا سلوشن بھی نہ خرید سکا۔ اپ کے پیسے کہیں گم گئے"۔

نتیجہ انعامی معمّا مورخہ ۱۵ جون

۱۵ جون ۳۲ء کے پیام تعلیم میں کسان کے کھیت کا جو معمّا شائع ہوا تھا اس کا حل بہت سے بھائی بہنوں نے بھیجا ہے۔ اب معموں میں اس قدر دلچسپی پیدا ہوگئی ہے کہ پیام تعلیم کی تاریخ اشاعت کے تیسرے ہی روز جواب آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس معمے کے اتنے صحیح جواب آئے کہ سب کے نام اس مختصر جگہ میں درج کرنا دشوار ہوگا۔ اس لئے صرف انعام پانے والوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خ۔ خاتون صدیقی۔ کلکتہ
۲۔ محمد مہدی - فرخ آباد
۳۔ سید الفت حسین - آرہ

پیام تعلیم کی اشاعت کے دوسرے روز انعام پانے والوں کو ان کے انعام پہنچ جائیں گے۔

انعامی اعلان

پیام تعلیم کے معموں کا حل بھیجنے والے بھائی بہنوں کو چاہئے کہ اپنا نام اور پتہ صاف صاف لکھ دیا کریں۔ پچھلے پرچوں میں جن بھائیوں نے انعام پایا ہے ان میں سے بعض کے انعام پتہ صاف نہ ہونے کی وجہ سے اب تک نہیں بھیجے جا سکے ہیں۔ بعض نے تو صرف اپنا نام ہی لکھا ہے اور پتہ بالکل درج نہیں کیا ہے۔ اگر وہ بھائی جنہیں اب تک کچھ نہیں پہنچا دفتر کو اطلاع دیدیں تو دفتر انہیں ان کا انعام فوراً بھیجدے گا۔

منیجر

انعامی معمّا

دائیں سے بائیں

۱۔ شب
۲۔ بچھانے کی چیز
۴۔ ملائم
۶۔ شمار کر
۸۔ اُمید
۹۔ شکستہ
۱۰۔ ٹھہر
۱۱۔ ہم
۱۳۔ ترکستان کا ایک شہر
۱۴۔ زمین کا تین چوتھائی
۱۵۔ حملہ

اوپر سے نیچے

۱۔ رنگ
۲۔ سانس
۳۔ نااُمیدی
۵۔ رحمدل
۷۔ کھانے کی چیز
۸۔ بڑھئی کا ایک اوزار
۱۰۔ بھید
۱۲۔ سانپ

۱۔ تمام حل ۱۴، جولائی تک اڈیٹر پیام تعلیم کے پاس پہنچ جائیں۔
۲۔ انعام میں سال بھر کیلئے پیام تعلیم یا عہ کی کتابیں دی جائیں گی
۳۔ ہر حل کے ہمراہ ۲ پیسے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔
۴۔ ایک سے زیادہ صحیح حل موصول ہوا تو فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔

قیمت سالانہ ۶؍ | پیام تعلیم | قیمت فی پرچہ ۲؍

نمبر ۶ | ۲۱؍ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء | جلد ۱۲

فہرست مضامین

سر اسحاق نیوٹن

سر اسحاق نیوٹن ۱۶۴۲ء میں کرسمس کے دن لنکا شائر کے ایک چھوٹے سے گاؤں وولس تھروپ میں پیدا ہوئے۔ غالبًا دنیا میں کسی شخص کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ یہ معمولی خاندان کا بچہ ایسے اہم اور ایسے دشوار ترین مسائل کو حل کر سکے گا جو ابتدائے عالم سے اس وقت تک عقدہ ہائے لاینحل تھے۔

اسحاق کے والد کا اس کے زمانۂ طفلی ہی میں انتقال ہو گیا اور چونکہ اسکی ماں نے ایک پادری سے اپنی شادی کر لی تھی اس لئے وہ اپنی نیک دل اور شفیق نانی کے زیرِ تربیت رہا اور انھوں نے ہی اُس کو اسکول میں داخل کیا۔ بچپن میں اگرچہ اسحاق نیوٹن میں ایک زبردست عالم بن جانے کے آثار نہ پائے جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ چھوٹے چھوٹے اوزاروں سے خوب صورت کھلونے بنایا کرتا تھا جنہیں دیکھ کر اس کے ہمسایے متعجب اور نانی خوش ہوتی تھی اور اس کی یہ پیشین گوئی تھی کہ اس لڑکے کا مستقبل بہت درخشاں نظر آتا ہے۔ ان چیزوں کے بنانے سے بعض لوگ اس میں اعلیٰ معمار یا انجینئر ہونے کی صلاحیت پاتے اور کچھ لوگوں کو وہ ایک قابل سائنسداں نظر آتا کیونکہ اُس میں گھنٹوں کے بنانے کی قدرتی صلاحیت موجود تھی۔ اُس نے ایک حیرت انگیز گھنٹہ ایجاد کیا تھا جو پانی ڈالنے سے چلتا تھا۔ علاوہ بریں اس کی جدت پسند طبیعت نے شمسیہ ڈائل بھی ایجاد کیا اور اس طرح پانی کا گھنٹہ سایہ میں اور سورج کا گھنٹہ روشنی میں وقت بتا سکتا تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ڈائل وولس تھروپ میں نیوٹن کے مکان پر آج بھی اُسی طرح اوقاتِ شمسی بتاتا ہے اور اپنے موجد کی عظمت و وقعت کا بین ثبوت ہے،

فطرت نے نیوٹن کو ذہنِ رسا اور جودتِ طبع عطا کرنے میں کمال فیاضی سے کام لیا تھا۔ اُسے ہمیشہ نئی نئی چیزوں کی دریافت کا شوق تھا اور اس میں قوتِ احساس ایسی تھی کہ ہوا میں چل کر یا حسبت کر کے ہلکی ہوا، بادِ صرصر اور طوفان کی رفتار معلوم کر لیتا تھا۔ اس کے مکان کے نزدیک ایک پن چکی تھی جس کی تمام مشنری کو نہایت غور اور توجہ سے سمجھنے کے بعد اُس نے خود ایک چھوٹی سی پن چکی بنائی جو ہر لحاظ سے مکمل اور ساخت میں اتنی عمدہ تھی کہ سانس لینے سے بھی بآسانی چل سکتی تھی۔ اس کے ساتھیوں کو اپنے دوست کی ایجاد پسند طبیعت پر ناز تھا اور انھیں یقین تھا کہ تمام دنیا میں اس عمر کے لڑکے سے ایسی دلچسپ اور عجیب چیزوں کی ایجاد ناممکن ہے۔ لیکن اس کے ایک دوست نے کہا کہ اس پن چکی میں کوئی کام کرنے والا نہیں بنایا گیا جو یقینًا ایک بڑا نقص تھا۔ یہ ممکن تھا کہ نیوٹن ایک کپڑے یا لکڑی کا آدمی بنا کر اس کمی کو پورا کر دیتا لیکن یہ مسئلہ اُسی وقت حل ہو گیا کیونکہ اُس نے ایک چوہے دان میں ایک چوہا مقید دیکھا اور اس کی نظرِ انتخاب اس پر پڑی۔ چنانچہ چوہے کو اس گرانقدر عہدے سے سرفراز فرمایا گیا لیکن باوجود اس ذمہ دار عہدے کے وہ امانت میں خیانت کرنے سے باز نہ آتے تھے۔

نیوٹن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی اس کو معلومات کا شوق بڑھتا گیا۔ رات کے وقت ستاروں کو دیکھ کر اُس کے دل میں ان کے وجود اور فاصلہ سے واقفیت کا اشتیاق پیدا ہو جاتا لیکن بے حد غور و خوص اور مطالعہ کے باوجود اس کی محقق طبیعت کبھی مطمئن نہ ہوتی تھی۔ نیوٹن جب چودھویں سال میں تھا اس وقت اس کا سوتیلا باپ مر گیا اور اس کی ماں نے ہر چند کوشش کی کہ تعلیم ترک کر کے اپنے گاؤں میں زراعت شروع کر دے۔ لیکن اس کی طبیعت تعلیم کی طرف اس قدر راغب تھی کہ مجبورًا وہ اسکول میں داخل کرا دیا گیا اور اس کے بعد کیمبرج یونیورسٹی میں۔

اس کی زندگی کے اس مجمل خاکہ میں اس زبردست سائنس داں کی تمام ایجادات کا بیان ممکن نہیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے شعاعوں کا اثر و ماہیت دریافت کی، اس سے پہلے کبھی کسی کا ذہن اس اہم مسئلہ کی طرف منتقل نہ ہوا تھا۔ غالبًا بیشتر اشخاص کو سیب کے گرنے اور اس کے ذریعہ مسئلہ کششِ اجسام کے انکشاف کا واقعہ معلوم ہوگا۔ جب اس کے دماغ میں اس مسئلہ کی دریافت کا خیال پیدا ہوا تو

اُس نے تاروں اور سیاروں کا حال بھی معلوم کرلیا۔ اس قصہ کی طرح یہ واقعہ بھی بہت مشہور ہے کہ اس کے کتے ڈائمنڈ کے سبب سے اس کے اہم کاغذات اور بیس سال کی محنت وکاوش محض خاک کا ایک ڈھیر ہوکر رہ گئی تھی۔

نیوٹن کی زیادتی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عزت وشہرت میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ وہ انگلستان کی پارلیمنٹ کا ممبر بنا اور بعد کو "سر" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا، لیکن اُسے ظاہری اعزاز اور اپنی قابلیت پر ذرا بھی فخر نہ تھا بلکہ اُس کا مقولہ ہے کہ "خدا کی بے انتہا قدرت کے سمندر میں بے شمار موتی بھرے پڑے ہیں، میں تو ابھی کنارے پر بیٹھا ہوا بچوں کی طرح سیپیاں اور گھونگھے جمع کر رہا ہوں"۔

۱۷۲۷ء کو پچاسی سال کی عمر میں سر اسحاق نیوٹن نے انتقال کیا لیکن اس کے حیرت انگیز دماغ اور ایجاد پسند طبیعت نے ایسے ایسے مسائل حل کر دئے جن پر تمام یورپ بلکہ عالم سائنس کو ناز ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس کا مرتبہ دنیا کے علماء اور سائنس دانوں میں بے حد بلند اور اس کی ایجادات ایسی غیر فانی ہیں جن کے باعث اُس کا نام صفحات تاریخ پر زرّیں و درخشاں حروف سے لکھا جائیگا۔

خلیفہ منصور اور ایک زمیندار

خلیفہ منصور کے زمانہ میں ایک تحصیل دار نے کسی بات پر خفا ہوکر ایک زمیندار کی جائداد ضبط کرلی، اور بہت ظلم کیا۔ زمیندار فریاد کرتا ہوا منصور کے پاس پہنچا۔ دعا دے کر عرض کی، حضور میں اپنی ایک حاجت لے کر آیا ہوں اجازت ہو تو بیان کروں؟

منصور نے کہا، نہیں اپنی حاجت سے پہلے کوئی مثال بیان کرو

زمیندار نے دعا دیکر کہا، حضور والا! چھوٹے بچے کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھاگ کر اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ماں کے سوا کسی کا اپنا مددگار نہیں جانتا۔ پھر جب ذرا ہوش سنبھال کر سمجھ دار ہوجاتا ہے۔ اور اسے کوئی دکھ درد پہنچتا ہے تو اپنے باپ سے اپنی حاجت بیان کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے باپ ماں سے بڑھ کر قوی مددگار ہے جوان ہونے کے بعد اگر مصیبت پڑتی ہے تو اپنے حاکم اور سردار کے پاس جاکر شکایت کرتا ہے اور مدد چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حاکم باپ سے زیادہ قوی ہے اور زیادہ عقل ہوتی ہے تو بادشاہ سے انصاف کا طالب ہوتا ہے۔ بادشاہ بھی اگر انصاف سے کام نہیں لیتا تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اللہ بادشاہ سے زیادہ قوی اور انصاف والا ہے، میں بھی ایک مصیبت کا مارا ہوں، میرے لئے آپ سے زیادہ قوی اور انصاف کرنے والا میری فریاد سننے والا خدائے پاک ہے۔ آپ اگر انصاف کریں اور میرا حق دلادیں تو بہتر، ورنہ میں خدا کی عدالت میں اپیل کرونگا۔

جیسا یہ بے لاگ اور حق بات کہنے والا، ایسا ہی منصور بھی حق پسند اور حق شناس تھا۔ اس نے کہا "اچھا اب تم اپنی حاجت بیان کرو ہم سنیں گے اور انصاف سے کام لیں گے"۔

زمیندار نے اپنا سارا قصہ اور تحصیلدار کی زیادتی کا حال بیان کردیا۔ منصور نے اسی وقت اپنے حکم سے جائداد واپس دلوادی۔ اور اس کی پریشانی دور کی۔

تم نے دیکھا اگلے زمانہ کے لوگ کس قدر حق گو، اور حق پسند تھے۔ زمیندار نے کس طرح صاف صاف کہہ سنایا۔ اور منصور نے کیونکر انصاف کیا۔

کیتلی کا کھیل

میں نے ایک دن کیتلی میں کچھ نمک پانی کے ساتھ ملا کر چولھے پر چڑھا دیا۔ اور کتب بینی میں مشغول ہو گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب پانی کا خیال آیا تو دوڑا ہوا آیا۔ میری حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے کیتلی میں پانی نہ پایا۔ پانی کے بجائے کچھ چھوٹے چھوٹے سفید ٹکڑے کیتلی کے چہار طرف لگے ہوئے تھے۔ چکھنے پر نمک کا مزا ملا۔ خیر میں نے کیتلی کو چولھے پر سے اتارا۔ اور سخت سوچ میں پڑ گیا۔ میرے بھائی محمد قاسم اور نذیر احمد میرے پاس آئے۔ میں نے اپنے بھائی محمد قاسم سے دریافت کیا کہ آیا اس نے پانی تو نہیں پھینکا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر میں نے اُس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ ہنسنے لگا اور کہا "کیا آپ نے اپنی دہ سالہ تعلیم صرف تین سال کے قلیل عرصہ میں بھلا دی" میں نے کہا "کیوں! کیا مجھ سے مذاق کرتے ہو" نذیر احمد نے برجستہ جواب دیا "نہیں بھائی! اصل بات یہ ہے کہ پانی حرارت کی زیادتی کی وجہ سے جل گیا۔ دیکھو جو نمک آپ نے ڈالا تھا موجود ہے" خیر مجھے بھی ابتدائی جماعت کی تعلیم یاد آگئی۔

جس طرح ایک بڑے برتن میں کچھ نمک پانی میں حل کر دیا جائے۔ تو نمک کے تمام ذرات ہزاروں بلکہ لاکھوں حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اور پانی کا ہر قطرہ نمکین ہو جاتا ہے۔ یہ نمکین ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ پانی میں نمک ملی ہوئی ہے۔ اگر آپ بجائے نمک کے پانی میں نیلا رنگ ملائیں تو رنگ کے ذرات پانی میں حل ہو جائیں گے۔ اور پانی بالکل نیلی رنگت کا ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ پانی میں رنگ کے بہت سے ذرات ہیں۔ آپ نے کبھی گنے یعنی نیشکر کی رس بھی پی ہوگی۔ یا آم کے موسم میں بے حساب آم بھی کھائے ہوں گے۔ پھر کبھی آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ یہ میٹھے پھیکے کیوں ہوتے ہیں بات یہ ہے کہ اس گنے اور آم میں شکر کے ذرات ہوتے ہیں۔ جو اس قدر باریک ہیں کہ ہماری یہ کمزور آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ پانی میں ایک مقررہ مقدار کی شکر ڈالو۔ پانی جل جائے تو آپ اسی قدر شکر پائیں گے نہ زیادہ نہ کم۔ سبب صرف یہ ہے کہ پانی منجمد شے کو چھوڑ کر بخارات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پانی کو نمک ملانے سے پہلے تول لیں۔ نمک علیحدہ تول لیں۔ بعد ازاں نمک کو پانی میں حل کریں پھر گرم کریں۔ اس کے بخارات کو ضائع ہونے نہ دیں۔ بلکہ کسی بوتل میں احتیاط سے نکال لیں۔ نہ تو پانی کی کمی ہوگی اور نہ ہی نمک مقدار سے کم ہوگا۔ اور لطف یہ کہ پانی بھی نمکین نہ ہوگی۔

جب پانی کو گرم کیا جاتا ہے اور حرارت کی زیادتی سے پانی جل جاتا ہے۔ تو پانی کیا ہو جاتا ہے؟

یہ بخارات کی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ حرارت پانی کو بخارات کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اور یہی بخارات ہوا پر چلے جاتے ہیں جب یہ بہت زیادہ ہوتے ہیں تو ہم اس کو ابر یا بادل کی صورت میں دیکھتے ہیں ہوا بادل کو ٹھنڈے مقام پر لے جاتی ہے۔ اور بخارات کو پانی کے قطرات کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اور اس طرح یہ پانی بارش کی صورت میں زمین پر پھر آجاتا ہے۔ اکثر، پتھر، خس و خاشاک سب کچھ سمندر میں بہہ کر چلے جاتے ہیں۔ اور بارش کے قطرات بن کر کسانوں کے دلوں کو مسرت اور خوشی سے معمور کر دیتے ہیں۔ اب میں سمجھا کہ کیتلی میں سے پانی کہاں گیا اور کیا ہوا۔ لیکن اسی بات نے یہ بھی حل کر دیا کہ بخارات کس طرح بنتے ہیں اور بارش کس طرح ہوتی ہے۔

برٹش میوزیم

انگلستان میں ایک عجائب خانہ ہے جسے برٹش میوزیم کہتے ہیں، اس کا نام تم نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ عجائب خانہ دنیا میں سب سے بڑا ہے۔ اس عجائب خانہ کی بنیاد ایک عجیب و غریب طریقہ سے رکھی گئی۔

بہت زمانہ ہوا کہ اس جگہ جہاں اب عجائب خانہ ہے ایک دولت مند آدمی کا محل تھا۔ اس محل کا نام تھا مانٹگو ہاؤس۔ یہ محل اور اس کے متعلقہ باغ سات ایکڑ زمین میں تھے۔ یہ محل نہایت عالیشان اور خوبصورت تھا لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس کی حالت خراب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ بہت زیادہ مرمت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور مرمت کے لئے لارڈ ہیلیفکس کے پاس جو اس کے مالک تھے کافی روپیہ پیسہ نہ تھا۔ اتفاق سے اس زمانہ میں حکومت ایک عجائب خانہ قائم کرنے کے لئے عمارت کی تلاش میں تھی۔ لارڈ موصوف نے اس موقع کو غنیمت جانا اور حکومت کے ہاتھ اس محل کو بیچنا چاہا۔

اب سوال یہ ہے کہ حکومت کیوں ایک عجائب خانہ قائم کرنا چاہتی تھی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک ڈاکٹر جس کا نام سرہنس سلون تھا کئی سال تک نادر کتابیں، قلمی نسخے، اور دوسری قیمتی چیزیں خریدتا اور جمع کرتا رہا۔ اس کا یہ شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن یہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ یہ ڈاکٹر آئرلینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ چھوٹی ہی عمر میں اس کو چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے ۲۵۰۰۰۰ شلنگ یعنی ساڑھے بارہ ہزار پونڈ ان تمام چیزوں پر صرف کئے تھے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے تھے کہ اپنے ملک کی کوئی خدمت کریں لہذا جب وہ مرنے لگے تو یہ وصیت کی اگر حکومت ان کے ورثا کو پانچ ہزار پونڈ دیدے تو وہ اپنی تمام اشیا جن پر ان کی شب و روز کی محنت اور کہیں زیادہ دام خرچ ہوئے ہیں حکومت کو دیدیں گے۔

خوش قسمتی سے حکومت اس کے لئے تیار ہوگئی اور ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ دو اور کتب خانے بھی خریدے گی۔ ان کتب خانوں میں بھی نایاب قلمی نسخے تھے۔

لیکن پھر یہ سوال اٹھا کہ ان تمام چیزوں کو کہاں رکھا جائے۔ حکومت نے ایک عمارت کا نام تجویز کیا جہاں اب دارالعوام ہے۔ لیکن لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ مانٹگو ہاؤس سے بہتر جگہ ملنی ناممکن ہے۔ مگر حکومت کے پاس اس وقت اتنا روپیہ نہیں تھا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں ایک قانون بنایا گیا کہ ایک لاٹری ڈالی جائے تاکہ ۲۵۰۰۰۰ شلنگ جمع ہو جائیں۔ جب اتنی رقم جمع ہوگئی تو یہ محل خریدا گیا۔ اس سے کچھ رقم ڈاکٹر کے ورثا کو دی گئی اور کچھ کتب خانوں کے خریدنے میں صرف ہوئی۔

۱۵ر جنوری ۱۷۵۹ء کو اس قدیم مانٹگو ہاؤس میں برٹش میوزیم کا افتتاح کیا گیا۔ مگر میوزیم کے لئے اس عمارت میں بڑی ترمیم کی ضرورت تھی ۱۸۲۳ء میں نئی عمارت بننا شروع ہوئی عمارت بنانے کا کام سر رابرٹ سمرک کے سپرد ہوا جو بہت مشہور انجنیر تھا۔ یہ شخص ۱۷۸۱ء میں پیدا ہوا تھا اور یونان و اٹلی میں رہ کر فن انجنیری سے پوری طرح واقفیت حاصل کرلی تھی۔ چھبیس سال کی عمر میں اس نے کئی محل اور تھیٹر بنائے تھے یہ ایسا آدمی تھا کہ ایک ہی وقت میں بہت سی عمارتوں کے نقشے بھی بناتا اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تعمیر بھی شروع کر دیتا۔ چنانچہ جب اس نے عجائب خانے کی عمارت بنانی شروع کی تو اس کے ساتھ ہی بڑا ڈاکخانہ اور دوسری عمارتوں کے نقشے بھی تیار کئے۔ بڑا ڈاک خانہ بنواتے وقت اسے ۱۳۱ مکانات گرانا پڑے جن میں کوئی ایک ہزار آدمی رہتے تھے جب یہ عمارت مکمل ہوئی تو اس وقت یہ دنیا میں سب سے بڑا ڈاکخانہ تھا۔ اور اب تو اس کی عمارت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔

عجائب خانہ کی عمارت میں سمرک ۱۸۴۷ء تک لگا رہا۔ اس کے بعد اس کے بھائی نے یہ کام اپنے ہاتھوں میں لیا اور ختم کیا۔ اس عمارت پر کل خرچ ۲ لاکھ پونڈ ہوا تھا۔

عجائب خانہ کی عمارت نہایت شاندار ہے اور دنیا کی عجیب و غریب چیزیں یہاں موجود ہیں۔ کتابیں، اخبارات، رسالے، ہر قسم کے قلمی نسخے قدیم اور جدید سکے۔ ہر قسم کے مجسمے، ان لوگوں کی ممیاں جو حضرت مسیح سے ہزاروں سال پہلے دنیا میں تھے۔

حمد

مولانا الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں قصبہ پانی پت میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں وہیں انتقال فرمایا۔ غالب کے نامور شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری کی بنیاد جدید مغربی طرز پر قائم کی اور اُس طرز کے مسلم الثبوت شاعر ہوئے۔ مولانا حالی نے اپنے اشعار کے ذریعہ مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔ انہوں نے بچوں کیلئے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جو بڑی آسان اور صاف زبان میں ہیں۔

مدیر

اے سب سے اول اور آخر		جہاں تہاں حاضر اور ناظر
اے سمجھے بوجھے بن سوجھے!		جانے پہچانے بن بوجھے!
سب سے انوکھے سب سے نرالے!		آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے
اے اندھوں کی آنکھ کے تارے!		اے لنگڑے لولوں کے سہارے!
ناؤ جہاں کی کھینے والے!		دکھ میں تسلی دینے والے!
جوت ہے تیری جل اور تھل میں		باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل میں ہے تیرا بسیرا		تو پاس اور گھر دور ہے تیرا
تو ہے ٹھکانا مسکینوں کا		تو ہے سہارا غمگینوں کا
تو ہے اکیلوں کا رکھوالا		تو ہے اندھیرے گھر کا اجالا
بے آسوں کی آس ہے تو ہی		جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی
تو ہی ڈبوئے تو ہی ترائے		تو ہی بیڑے پار لگائے
تو ہی مرض دے، تو ہی دوا دے		تو ہی دوا داروں میں شفا دے
تو ہی دلوں میں آگ لگائے		تو ہی دلوں کی لگی بجھائے
عقل سے کوئی پا نہیں سکتا		بھید ترے حکموں میں ہیں کیا کیا
ایک کو تو نے شاد کیا ہے		ایک کے دل کو داغ دیا ہے
اُس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا		اِس سے نہ تو بیزار کچھ ایسا
ہر دم تیری آن نئی ہے		جب دیکھو تب شان نئی ہے
اے دین اور دنیا کے مالک!		راجا اور پرجا کے مالک!
بے پر اور پردار کے والی		اے سارے سنسار کے والی
پورب، پچھم، دکھن، اُتر		بخشش تیری عام ہے گھر گھر
چیونٹا، کیڑا، مچھر، بھنگا،		کچھوا، مینڈک، سیپ اور گھونگا
سارے پنچھی اور پکھیرو		مور، پپیہا، سارس، پیرو
بھیڑ اور بکری، شیر اور چیتے		تیرے جلائے ہیں سب جیتے
خاک سے تو نے بیج اُگائے		پھر پودے پروان چڑھائے
لکڑی میں پھل تو نے لگائے		اور کوڑے پر پھول کھلائے
ہیرا بخشا کان کو تو نے،		مشک دیا حیوان کو تو نے
جگنو کو بجلی کی چمک دی،		ذرے کو کندن کی دمک دی
دین سے تیرے اے مرے مولا		سب ہیں نہال ادنیٰ اور اعلیٰ
گھونٹ ایک ایسا مجھ کو پلا دے		تیرے سوا جو سب کو بھلا دے
آئے کسی کا دھیان نہ جی میں		کوئی رہے ارمان نہ جی میں
فکر ہو اچھی کی نہ بُری کی		تیرے سوا دُھن ہو نہ کسی کی
کوئی جگہ اس دل میں نہ پائے		یاد کوئی بھولے سے نہ آئے
سینہ یہ تجھ سے بھرا ہو سارا		بہت سمائے اس میں نہ پیارا
دل میں لگن بس ایسی لگا دے		سارے غم اپنے غم میں کھپا دے
غیر کے رشتے توڑ دے سارے		دل کے پھپھولے پھوڑ دے سارے
جب مجھے تنہا کیا ہے پیدا		تو مجھے بندہ کر نہ کسی کا
تو ہی ہو دل میں تو ہی زباں پر		مار کے جاؤں لات جہاں پر

پاؤں تجھے اک اک کو گنوا کر
خاک میں جاؤں سب کو ملا کر

دنیا کے بچے

سید بشیر حسین صاحب زیدی بی اے (کینٹب) بار ایٹ لا منسٹر رام پور اسٹیٹ مبارک باد کے قابل ہیں کہ اپنے کثیر مشاغل کے باوجود انہیں بچوں سے باتیں کرنے، اُن کو کہانیاں سنانے اور اُن میں مل کر ہنسنے اور کھیلنے کی اب بھی فرصت ہے۔ ہم زیدی صاحب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اپنے لمبے سفر کی بڑی ہی مزیدار کہانیاں ہمیں سنانا شروع کر دی ہیں۔ اگرچہ خواہش تو ہماری یہی تھی کہ خندا ماموں سے کہہ سُن کر پیام بھائیوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا ہوتا۔ مگر خیر انہوں نے سفر شروع کر دیا ہے۔ اب اس شکوہ کا موقع نہیں۔ — مدیر

سردی کا موسم تھا اور رات کا وقت۔ میں کمرے کی کھڑکی کھولے ہوئے باہر کے کھلے میدان کی سیر کر رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کا کہیں نشان تک نہ تھا۔ ہوا بھی بالکل بند تھی۔ بڑے سارے گول مٹول چاند کی روشنی تمام باغ میں پھیلی ہوئی تھی اور کھڑکی میں سے ہو کر میرے اوپر پڑ رہی تھی۔ اس وقت کے سماں نے میرے دل کو کچھ ایسا لبھایا کہ بیٹھے ہی بیٹھے گنگنانے لگا

خندہ ماموں دور کے　　بڑے پکا دیں بور کے
آپ کھائیں تھالی میں　　ہمیں کھلائیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ۔　　خندہ ماموں گئے روٹھ

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر روٹھا ہوتا تو یہاں آتا ہی کیوں؟" میرے پیچھے سے آواز آئی۔

مُڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب جنکی داڑھی لانبی اور سفید ہے ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہے۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے دعا دی میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "آپ کون ہیں" بولے "میں وہی ہوں جسے تم ابھی یاد کر رہے تھے" میں نے کہا "آپ خندہ ماموں ہیں کیا" تمانے جواب دیا: "بیٹا میں رہتا تو چاند ہی میں ہوں اور وہیں سے آ بھی رہا ہوں۔ تمہیں اختیار ہے جس نام سے جی چاہے پکارو"۔ اس پر میں نے کہا آپ اس وقت کیسے تشریف لائے؟ وہ بولے "تمہیں معلوم ہے کہ چاند ایک نہایت غیر آباد دنیا ہے۔ وہاں یا میں رہتا ہوں یا میری بوڑھی اماں۔ وہ تمام دن بیٹھی چرخہ کاتتی رہتی ہیں اور میں چاند کی کھڑکیوں میں سے زمین کی سیر کرتا ہوں، آج دل جو گھبرایا تو ادھر چلا آیا"۔

میں نے پوچھا "کیا آپ دنیا دیکھنا چاہتے ہیں" خندہ ماموں نے جواب دیا "نہیں۔ میں نہ بگھیاں دیکھنا چاہتا ہوں نہ ریل گاڑیاں۔ نہ میں جہازوں میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کروں اور نہ ہوائی جہازوں میں اُڑوں یہ سب چیزیں تو چاند کی کھڑکی میں سے بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن بچے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ میں ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور ان کی آواز ایسی ہلکی ہوتی ہے کہ وہاں تک جاتی نہیں" میں نے پوچھا "آپ نے انہیں کبھی دیکھا تو ہے نہیں اور نہ ان کی کبھی آواز سنی۔ پھر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں بچے ہیں؟" بولے۔ "اتنی بات تو میں کیا میرا کتا بھی جانتا ہے کہ دنیا میں بہت بچے ہیں۔ اور یہ تو اس خیال سے ہی خوش ہے کہ کوئی بچہ ملے جو اس کی کمر پر ہاتھ پھیرے اور دم پکڑ کر خوب گھسیٹے"۔ میں نے کہا "میرا بھی بچوں میں کھیلنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اب جو آپ فرمائیں وہ کریں۔ اور ہاں یہ تو بتلائیے۔ آپ سفید بچے دیکھیں گے یا کسی اور رنگ کے؟"

خندہ ماموں:- "مجھے تو خبر نہیں کہ بچے کتنی طرح کے ہوتے ہیں"۔

یہ سُن کر میں اپنے دل میں ہنسا اور کہنے لگا کہ ان بڑے میاں کو دنیا کی کچھ خبر ہی نہیں ہے پھر میں نے زور سے کہا۔

"جناب! بچے سفید بھی ہوتے ہیں۔ زرد بھی۔ لال بھی ہیں اور کالے بھی جدھر آپ کی رائے ہو پہلے ادھر ہی چلیں"۔

خندہ ماموں:- "بیٹا ہم تو کچھ جانتے نہیں جس طرف تم لے چلو گے چلے چلیں گے"۔

میں "اچھا آیئے تو پہلے سفید بچوں کے پاس چلیں۔ ان سے

ملنے کے لئے ہمیں سیدھے شمال کی طرف جانا چاہیئے۔"

اس پر حنیدہ ماموں راضی ہوگئے۔ میں نے کہا

"جناب وہاں تک جائیں گے کس طرح؟ وہ جگہ تو اتنی دور ہے کہ وہاں پہنچتے پہنچتے بہت دن لگ جائیں گے۔ ریل وہاں جاتی نہیں اور پیدل میں اپنے موٹاپے کی وجہ سے چل نہیں سکتا۔"

حنیدہ ماموں:۔ "یہ بھی کوئی مشکل بات ہے تم میری کمر پر چڑھ جاؤ اور راستہ بتاتے رہو۔ پھر دیکھو وہاں تم کتنی جلد پہنچتے ہو۔"

میں تو حنیدہ ماموں کی کمر پر بیٹھ گیا اور کتا میری پیٹھ پر۔ لالٹین انہوں نے ہاتھ میں لے لی اور اس سے پہلے کہ کوئی ایک۔ دو۔ تین۔ کہہ سکے ہم ہواہیں ایسی تیزی سے جارہے تھے کہ نہ دنیا کی کوئی ریل اتنی تیز چل سکتی تھی اور نہ ہوائی جہاز اُڑ سکتا ہے۔

میں راستہ بتلاتا تھا اور حنیدہ ماموں ٹمٹماتی ہوئی لالٹین ہاتھ میں لئے ہوا کی طرح چلے جارہے تھے۔ کتا یہ تماشہ دیکھ کر خوب اچھل کود رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ میری کمر پر سے پھسل کر نیچے نہ جا پڑے۔ اب ہمیں چلتے چلتے کچھ دیر ہوگئی تھی اور میں جس وقت روزانہ اپنے بستر میں خراٹے لیا کرتا تھا۔ آج اس وقت قطب شمالی میں پہنچ گیا تھا۔

برف کے بچے

حنیدہ ماموں:۔ "ہماری کمزور نگاہ کو اس جگہ کوئی بچہ دکھائی نہیں دیتا۔ سوائے برف کے اور یہاں رکھا ہی کیا ہے۔ لیکن مجھے یہ جگہ بہت پسند ہے۔ کیونکہ میرے وطن چاند کی طرح یہاں بھی سردی ہے اور سبزہ کا کہیں نام نہیں"۔

نعیم:۔ "بچے یہاں کہاں؟ آپ تو اتنی تیزی سے اُڑے چلے آئے کہ راستہ میں جہاں شمال کے بچے رہتے ہیں رُکے ہی نہیں۔ تھوڑا سا پیچھے چلئے۔ تو آپ کو چھوٹے چھوٹے زرد رنگ کے ایسے لوگ ملیں گے جن کو دیکھ کر ہنسی آئے۔ اور جنہیں ہم اپنی زبان میں اسکیمو کہتے ہیں"۔

ہم تھوڑی دور واپس گئے تو ہم کو بہت سے گول گول مکان دکھائی دئے۔ جیسے کسی نے بڑے بڑے پیالے اُلٹ کر رکھ دئے ہوں۔ وہ پتھر اور گھاس کے بنے ہوئے تھے۔ اور بعض برف کے ٹکڑوں کے۔

میں نے کہا "لیجئے حضرت پہنچ گئے۔

حنیدا ماموں:۔ "یہاں مکان تو کوئی ہے ہی نہیں"

میں:۔ (ہنس کر) "یہ گول گول چیزیں جو آپ دیکھ رہے ہیں مکان نہیں تو اور کیا ہیں!"

حنیدا ماموں۔ (تعجب سے) "کیا یہ لوگ ہمیشہ اسی طرح کے مکانوں میں رہتے ہیں؟"

میں:۔ "جی نہیں۔ صرف سردی کے موسم میں ایسے مکانات بنا لیتے ہیں۔ آئیے اندر چلیں"۔

اندر جانے کے لئے برف کی ایک گلی سی دروازہ تک بنی ہوئی تھی۔ یہ اتنی تنگ تھی کہ اس میں کھڑے ہو کر نہیں چل سکتے تھے ہم دونوں پیٹ کے بل لیٹ گئے۔ اور کیڑوں کی طرح آگے رینگنے لگے۔ آگے آگے میں۔ میرے پیچھے ماموں حنیدا اور ان کے پیچھے کتا۔ حنیدا ماموں اتنے موٹے تھے کہ بیچ ہی میں پھنس گئے۔ اور شور مچانے لگے "میں مرا۔ میں پھنس گیا" گھر میں کسی کے چلنے پھرنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

میں نے کہا "دو پردیسی۔ جس میں ایک اتنا موٹا ہے کہ راستہ میں سے نکل نہیں سکتا"۔ اسی آواز نے جواب دیا "ٹھہرو میں آکر مدد کرتا ہوں"

ایک ناٹا سا آدمی آیا۔ اس نے مجھے تو جانے دیا اور حنیدہ ماموں کو پکڑ کر بہت زور سے کھینچا۔ خدا خدا کر کے ہم دونوں مکان کے اندر پہنچے چھت اتنی نیچی تھی کہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اس لئے برف کی کھڑکی کے نیچے ایک بنچ پر بیٹھ گئے

حنیدا ماموں بولے "آپ کے بچے بھی ہیں۔ ذرا انہیں بلائیے نا"۔

اسکیمو نے جواب دیا "خدا کی مہربانی سے پانچ ہیں۔ مگر اس وقت سو رہے ہیں"

حنیدا ماموں:۔ "ذرا ان میں سے ایک کو جگا کر مجھ سے ملا دیجئے میں اتنی دور صرف ان سے ہی ملنے آیا ہوں"

اسکیمو ایک ننھے کو اٹھا لایا۔ اس کا چہرہ گول اور بھورے رنگ کا تھا۔ ناک چپٹی اور گلے گجوریوں کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ حنیدہ

ماموں نے اسے پیار کیا تو ننھا مسکرا دیا۔ مگر اس کی مسکراہٹ کچھ بھلی نہ معلوم ہوئی۔

حیدہ ماموں نے کہا "اس کا رنگ تو سانولا ہے"۔

میں :- "اتنا سانولا تو نہیں جتنا خیال آپ کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کا منہ کبھی نہیں دُھلتا۔ اور صابون کا تو یہ لوگ نام بھی نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ ان کی رنگت رفتہ رفتہ ایسی ہوجاتی ہے"۔

حیدہ ماموں :- "صابن کا استعمال تو ہم بھی نہیں کرتے۔ مگر ہم اتنے گندے نہیں ہوتے"۔ اتنی دیر میں دو تین بچے اور اُٹھ بیٹھے اور ہمارے پاس آگئے۔ ان کے بال کالے گھنے اور موٹے تھے جیسے گھوڑے کی دم۔ میں نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے کہا ۔ "اس کے بال بہت بڑھ گئے ہیں شاید کاٹے نہیں"۔

اسکیمو :- "ہم اپنے یا بچوں کے بال کاٹتے نہیں۔ کیونکہ اگر ایک دفعہ چھوٹے کرا دئے جائیں تو پھر ہمیشہ اتنے ہی رکھنے پڑیں گے۔ اور چھوٹے بال ایک تو ہمیں پسند نہیں دوسرے اگر ہم اپنے بال چھوٹے کرائیں تو کتے کی دم بھی کٹوا کر چھوٹی کرانی پڑے گی۔ یہ بات بھی ہمیں اچھی نہیں معلوم ہوتی"۔

میں :- "اچھا اگر تمہیں بچوں کے بال کاٹنے ہوں تو کاہے سے کاٹوگے؟"

اسکیمو :- "ہمارے یہاں ناکے کی قسم کا ایک جانور ہوتا ہے جسے شارک کہتے ہیں۔ اس کے جبڑے کی ہڈی سے کاٹتے ہیں"۔

جب ننھا رونے لگا تو ماں نے اسے ایک ہنگوڑے میں لٹا دیا ہنگوڑہ کیا تھا ملائم پروں کا ایک تھیلا تھا جس میں پڑتے ہی گرماہٹ پاکر ننھے کو جلدی سے نیند آگئی۔ باقی بچے ہمیں اپنے اپنے کھلونے دکھانے لگے اور بہت رات گئے تک نہیں سونے دیا۔ پہلے سب سے چھوٹا لڑکا اپنے کھلونے لایا۔ جبڑے کے ٹکڑے سے تھے۔ ہمیں تو اس میں کوئی کھیل کی چیز دکھائی نہ دی۔ لیکن بچہ بہت خوش تھا۔

میں نے پوچھا "بھیا یہ کاہے کے لئے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "یہ باگیں ہیں۔ امی نے بنائی ہیں۔ میں ان سے کتے ہانکتا ہوں"۔

میں "امی نے کوئی اور چیز بھی تمہارے لئے بنائی ہے"۔

بچہ :- "انہوں نے میرے لئے ایک کوڑا بھی بنایا ہے۔ ذرا باہر چلو تو دکھاؤں کہ جب میرا کوڑا سڑ سڑ مارتا ہے تو کتے کیسے دوڑتے ہیں"۔

حیدا ماموں کہنے لگے "اب تھوڑی دیر آرام کرلیں"۔ میں نے کہا "بہتر" اس کے بعد اسکیمو تو بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ دیوار کے قریب ایک بنچ رکھی تھی۔ ہم اس پر پڑ کر سوگئے۔ اسکیمو نے ہمارے اوپر سمور کی چادریں ڈال دیں لیکن ہم نے ان کو تھوڑی ہی دیر میں اُتار دیا کیونکہ مکان کے اندر یونہی کافی گرمی تھی۔ یہ لوگ اندھیرے میں رہنا پسند نہیں کرتے اس لئے ایک چراغ تمام رات جلتا رہا۔

ہمارے اُٹھتے ہی ناشتہ تیار تھا۔ میں نے مشکل سے کچھ کھایا کیونکہ ناشتہ میں مچھلی کا کچا گوشت اور سیل اور وھیل کی چربی تھی۔ میں نے ایسی چیزیں بھلا کب کھائی تھیں۔ اس لئے کھانا کیا تھا مصیبت بھرنی تھی ارادہ کیا کہ سیل کی کھال ہی کھاؤں۔ مگر اس پر بال اسی طرح لگے ہوئے تھے۔ جب اسے کھانا شروع کیا تو بال حلق میں اٹک گئے اور مجبوراً چھوڑنا پڑا۔ حیدا ماموں تھے کہ سب کا سب چٹ کرگئے۔ وہ ایسے ندیدہ پن سے کھا رہے تھے کہ مجھے شرم معلوم ہوتی تھی۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد ہم لوگ باہر میدان میں گئے۔ وہاں بہت سے کتے کھڑے تھے جن میں سے بعض کی صورت تو بہت ہی ڈراؤنی تھیں مگر انہوں نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔ اور تھوڑی دیر میں برف کے اوپر کھیل تماشہ ہونے لگا۔ ان لوگوں کی ایک طرح کی گاڑی ہوتی ہے جس کے پہیے وغیرہ کچھ نہیں ہوتے بلکہ نیچے ایک سپاٹ تختہ لگا ہوتا ہے۔ یہ گاڑی برف کے اوپر کھینچنے سے پھسلتی چلی جاتی ہے۔ اس گاڑی کو سلیج کہتے ہیں اسکیمو بچوں نے اپنے کتے سلیج میں جوت کر ہمیں سوار کرایا۔ اور مکان کے چاروں طرف خوب چکر لگوائے۔ جو کتا حیدا ماموں کے ساتھ تھا وہ بھونکتا اور دم ہلاتا رہا۔ لیکن اسکیموؤں کے کتے ذرا بھی نہیں بولے۔ اور نہ وہ کھیلے کودے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو ہمارا وہاں ہونا پسند نہیں۔ ہم نئی جگہ سے تھے۔ شاید یہی

وجہ ہوا اس کے بعد ایک چھوٹے سے بچے نے جس کی عمر کوئی چھ سال کی ہوگی۔ ہمیں اپنی کشتی دکھائی۔ اور اس میں بیٹھ کر سواری لینے کو کہا میں تو ڈرا کہ کہیں الٹ نہ جائے مگر حیندا ماموں اپنی ڈھٹائی میں آکر بیٹھ ہی تو گئے۔ یہ کشتی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ اور سب طرف سے بند تھی۔ اندر جانے کے لئے اوپر کی طرف ایک چھوٹا سا سوراخ چھوڑ دیا تھا۔ حیندا ماموں نے بیٹھ کر پائدان پر ایک ہی پاؤں مارا تھا کہ غڑپ سے پانی کے اندر۔ وہ نیچے اور کشتی اوپر۔ لگے ڈبکیاں کھانے۔ ایک چھوٹا سا اسکیمو تیر کی طرح گیا اور ان کو باہر نکال لایا۔ تمام کپڑے بھیگ گئے تھے۔ مکان کے اندر جاکر سکھانے لگے اور کہا کہ آئندہ ایسا کام کرنے سے کان پکڑا۔

تھوڑی دیر میں ایک لڑکے نے آکر کہا کہ اندر بیٹھے کیا کرتے ہو باہر چلو۔ اور ڈھیلوں سے چڑیوں کا شکار کرو۔ جب ہمارا دل سیل کا گوشت اور وھیل کی چربی کھاتے کھاتے اُکتا جاتا ہے تو ہم تو پرندوں کا شکار اسی طرح کرتے ہیں۔ ہم نے کہا "ڈھیلے تو یہاں ہیں نہیں" وہ بولا "خیر جانے دو میں اپنی تیر کمان لاتا ہوں۔ تم اس سے شکار کر سکتے ہو۔ تھوڑا لطف ہی رہے گا" بچے نے ایک چھوٹا سا تیر کمان میں جوڑ کر چلایا اور ایک چڑیا گرا دی۔ ہم نے بہت کوشش کی مگر ایک بھی چڑیا نہ گری۔ میرا تیر تو خیر برف میں جا لگا۔ لیکن حیندا ماموں نے تو اپنے کتے ہی کو مار دیا ہوتا اس لئے تیر کمان ہم نے الگ رکھ دی۔

ہم برف کی پہاڑیوں پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے اُترے۔ اور چمڑے کی گیند سے جس میں ہوا کی جگہ ریت بھری ہوئی تھی۔ فٹ بال کھیلنے لگے۔ جب خوب کھیل چکے اور تھک گئے تو گھر آئے اور پہلے کی طرح گلی میں گھسٹتے ہوئے اندر پہنچے۔ وہاں حیندا ماموں نے اسکیموؤں کی ماں سے پوچھا کہ تمہارے بچے کبھی مدرسہ بھی جاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں آس پاس کوئی مدرسہ نہیں شہروں میں ہیں۔ اور وہاں کے بچے جاتے ہیں۔ مدرسہ میں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے اور یہاں بچے کتوں کو ہانکنا اور سیل پکڑنا سیکھتے ہیں۔

ماموں حیندا نے پوچھا کہ انہیں حساب بھی کرایا جاتا ہے یا نہیں

ماں نے جواب دیا کہ صرف گنتی بتلائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ بچے مکان ہی پر سیکھ لیتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں۔ اس طرف بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو گنتی بتا رہا ہے۔

ہم ادھر چلے گئے۔ چھوٹا۔ ایک۔ دو۔ تین.... کہتا جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر گنتا تھا۔ جب اس نے دس تک یاد کر لیا تو گیارہ۔ بارہ تیرہ..... پاؤں کی انگلیوں پر گنتا تھا۔

لڑکیاں۔ سینا۔ پکانا اور کھال کے کپڑے بنانا سیکھتی ہیں اپنے چھوٹے بھائیوں کو کہانیاں بھی سناتی ہیں۔ اتفاق سے اس وقت ایک لڑکی کہانی سنا رہی تھی شروع اس نے بھی اسی طرح کیا جس طرح ہم تم کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے......." حیندا ماموں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے اپنی ساری عمر میں کوئی کہانی نہ سنی تھی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی سیل پکڑنے گیا۔ دور تک چلتے چلتے اور دیر تک انتظار کرتے کرتے آخر وہ تھک کر زمین پر پڑ گیا تھوڑی دیر میں اسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر ہوا میں اُٹھتا جاتا ہے اتنے میں وہ سو گیا آنکھ کھلی تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک مکان کے سامنے جس میں ماموں حیندا رہتے ہیں کھڑا ہے۔

"میں!" حیندا ماموں بولے۔ لیکن میں نے انہیں یہ کہہ کر چپ کر دیا کہ جناب اگر آپ بول پڑے تو یہ لڑکی کہانی بند کر دے گی۔

مکان میں ایک بڑا دروازہ تھا اور دروازہ کے سامنے ایک بھونڈا سا کتا کھڑا تھا۔ جو آدمی کو دیکھ کر بھونکنے لگا۔ کتا اسکیمو کو اندر نہ جانے دیتا مگر حیندا ماموں نے آکر اسے گھرک دیا۔ چپکا کر دیا۔ اور اسکیمو کو اندر لے گئے۔ حیندا ماموں بولے "بھلا یہ بھی کوئی کہانی ہے"۔ میں نے کہا حضرت تھوڑی دیر صبر کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کون ہیں اور سارا مزہ کرکرا ہو جائے"۔

جب بے چارہ اسکیمو مکان کے اندر پہنچ گیا تو ماموں حیندہ نے اسے جگایا۔ اس نے کہا "ہائیں۔ میں کہاں ہوں؟"۔ ماموں حیندہ نے کہا "چاند کے اندر" اسکیمو نے کہا "میں تو اپنے گھر جاتا ہوں" ماموں

چندا بولے "بہت اچھا، مگر جس راستہ سے آئے ہو اس راستے سے نہیں جا سکتے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں گرین لینڈ جانے کا راستہ بتا دوں"۔

ماموں چندا ایک سفید دروازے میں سے ہو کر دوسرے کمرے میں اسے لے گئے۔ اس کمرے کے فرش میں ایک سوراخ تھا جس میں سے زمین پر کے سارے گھر دکھائی دیتے تھے۔ اسی کمرے میں اسکیمو نے کھانا کھایا۔ جو چربی کے مقابلہ میں آدھا بھی مزے دار نہ تھا۔ چندا ماموں نے کہا کہ جاڑوں میں جو برف گرتی ہے وہ میں اسی کمرے میں بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک لانبی سی نلکی ہاتھ میں اٹھائی اور اس میں پھونک ماری۔ پھونک کا مارنا تھا کہ زمین پر سفید سفید چمکدار برف کی بوچھار ہو گئی جب اس سے فرصت ہوئی تو چندا ماموں نے کہا "یہ جانے کا راستہ ہے مگر ڈرو مت۔ ڈرے اور مرے" انھوں نے اسکیمو کو فرش کے سوراخ میں دھکیل دیا۔ اتنے میں اسکیمو کو پھر نیند آگئی۔ آنکھ جو کھلی تو سنا کہ دادی اسے گھر بلا رہی ہے

ماموں چندا بولے۔ "اچھی کہانی ہے۔ جس کے سر نہ پیر۔ میں نے تو کسی اسکیمو کو بلایا نہیں۔ نہ میرے مکان کے فرش میں سوراخ ہے اور نہ میں نلکیوں میں سے برف برساتا ہوں"۔

میں نے کہا۔ "اس میں بگڑنے اور ناراض ہونے کی کونسی بات ہے آخر کہانی ہی تو ہے"۔

چندا ماموں "واہ جی واہ۔ مجھے ایسی کہانیاں پسند نہیں۔ میرے گول گول اور چاندی جیسے سفید گھر میں سوراخ ہی بتا دیا۔ اور وہاں نلکیاں کہاں رکھی ہیں"۔

میں۔ "اگر آپ سچ مچ خفا ہو گئے تو یہاں سے چلیے۔

چندا ماموں "۔ چلو نہ اب تو یہاں سے طبیعت بھی اکتا گئی" یہ کہا اور بات کی بات میں روانہ ہو گئے۔

دنیا کے بسنے والے مصنفہ سید بشیر حسین صاحب زیدی حبشیوں امریکہ کے پرانے باشندوں، افریقہ کے بونوں اور جاپان اور سوئٹزرلینڈ کے لوگوں کے حالات بڑی آسان اور پیاری زبان میں۔ کتاب میں تقریباً پچاس تصویریں ہیں قیمت ۶ر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی۔

جلال الدین محمد اکبر

جلال الدین محمد اکبر تیرہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اکبر ایسی حالت میں پیدا ہوا تھا جب ہمایوں دشمن سے ہار کر مارا مارا پھرتا تھا مگر یہ بچہ بڑا خوش نصیب ہوا اور اس کو مغل بادشاہوں میں بڑی نیک نامی اور عزت حاصل ہوئی۔

اکبر کی عمر کا ابتدائی حصہ پریشانیوں میں گزرا اور وہ کابل میں اپنے چچا کے ہاں رہا اس لئے پڑھ لکھ نہ سکا لیکن اس کو کتابیں سننے اور پڑھے لکھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کا بڑا شوق تھا۔ ہر نئی بات معلوم کرتا اور دوسری زبانوں کی مشہور کتابوں کا ترجمہ کراتا تھا اور بہت سے عالم اسی کام کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔

اکبر بڑا بہادر تھا۔ ہر قسم کا شکار کھیلتا تھا۔ نشانہ بازی تلوار چلانا شہسواری تیراکی وغیرہ میں بڑا استاد تھا۔ وہ دوسرے کی بہادری کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

ہیمو بقال نے جب بادشاہ کے خلاف لڑائی شروع کی اور ایک بڑی فوج لے کر آیا تو اکبر نے بڑی ہمت اور بہادری سے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر میں ہیمو کو شکست ہوئی۔ اس سے پہلے اکبر کے بڑے بڑے افسر پریشان ہو گئے تھے اور کابل واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے مگر بیرم خاں نے جو اس کا خاص آدمی تھا منع کیا اور کہا کہ اب ہم واپس نہیں جا سکتے۔ اکبر نے پہلے بیرم خاں کی رائے مان لی اور کہا ضرور ہم یہیں رہیں گے اور دشمن سے مقابلہ کر کے سلطنت قائم کریں گے۔ ہیمو جب ہار گیا اور زخمی ہو کر گرفتار ہوا تو اکبر کے سامنے لایا گیا۔ بیرم خاں نے اکبر سے کہا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیجئے مگر اکبر نے کہا کہ قیدی کو قتل کرنا مجھے پسند نہیں میں ایسے آدمی پر جو مجبور ہو ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا۔ تب بیرم خاں نے اسے ختم کر دیا۔

اکبر ہر نئی چیز کو غور سے دیکھتا تھا اور نئی بات پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہاتھی پکڑنے کی بھی ایک نئی ترکیب ایجاد کی۔ گیند

کھیلنے کا اُس کو بڑا شوق تھا۔ چاہتا تھا کہ رات کو بھی گیند کھیلے۔ اس
لئے لکڑی کی گیند پر ایسی دوا ملی گئی جو ایک مرتبہ جلا دینے کے بعد نہ بجھتی
تھی اور برابر روشن رہتی تھی۔ اسی گیند سے رات کو اکبر گیند کھیلتے تھے۔
یہ دیکھنے کے لئے کہ بچہ کی اصلی زبان کیا ہے؟ اور اس کا مذہب
کیا ہوگا اُس نے ایک عمارت شہر سے باہر بنوائی اور اس میں سب
نوکر عورتیں اور مرد گونگے رکھے۔ کوئی بیس بچے وہاں رکھے جب بچے
بڑے ہوئے تو اُن کو خود دیکھا سب گونگے تھے۔ اس لئے اس مکان
کا نام گنگ محل رکھا۔

پنجاب میں راوی دریا کے کنارے ایک جہاز بنوایا جس کو
سینکڑوں لوہاروں اور بڑھیوں نے بہت دنوں میں تیار کیا تھا۔ یہ
جہاز تیار ہوکر راوی میں چلایا گیا اور بندرگاہ تک پہنچایا گیا۔ ایک مرتبہ
آگرہ کے قریب ایک لڑائی میں دو کھتری جوڑواں بھائی لڑے اور بڑا
بھائی مارا گیا۔ جب اُس کی لاش گھر پہنچی تو دونوں بھائیوں کی بیویاں
ستی ہونے لگیں اس لئے کہ دونوں بھائیوں کی صورت بالکل ایک سی
تھی ہر ایک کہتی کہ یہ میرا شوہر ہے۔ جب مقدمہ اکبر کے پاس پہنچا تو بڑے
بھائی کی بیوی نے کہا کہ مرے شوہر کا دس برس کا ایک لڑکا مر گیا ہے
اُس کے سینہ پر داغ ہوگا۔ فوراً سینہ چروایا گیا تو دیکھا کہ سینہ پر داغ موجود
تھا۔

ایک آدمی بادشاہ کے پاس لایا گیا جس کے کان نہ تھے مگر سنتا تھا
ایک مرتبہ اکبر نربدا دریا کو ہاتھی پر سوار ہوکر پار کر رہا تھا کہ دیکھا کہ
ہاتھی کی زنجیر سونے کی ہوگئی۔ کئی مرتبہ پھر ہاتھی دریا میں آئے گئے۔ مگر
پھر کچھ نہ ہوا۔

چیتے پالنے کا بھی شوق تھا۔ چیتے کمخواب و مخمل کی جھولیں اوڑھے
گردن میں سونے کی زنجیریں پہنے بیلوں کے تانگے پر سوار چلتے تھے۔ ہاتھی
پالنے اور مست ہاتھیوں کو لڑانے کا بڑا شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک مست ہاتھی
بگڑ کر ہاتھی خانہ سے نکل گیا اور بازاروں میں پھرنے لگا۔ شہر میں غل مچ
گیا۔ اکبر نے بھی سنا فوراً ایک کوٹھے کے چھجے پر جا کھڑا ہوا جب ہاتھی نیچے
سے گذرا فوراً کود کر اُس کی گردن پر سوار ہوگیا اور اس کو قابو میں کرلیا
اکبر بڑا ذہین اور دور اندیش تھا۔ معمولی سے معمولی بات کا
خیال رکھتا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے ملتا تھا اور اس کے ساتھ
ویسا ہی ہو جاتا تھا۔ مشکل سے تین گھنٹہ ایک وقت میں سوتا تھا۔ محنت
اور کام سے نہ کبھی تھکتا اور نہ اُکتاتا۔ سلطنت کے کاروبار میں وہ کسی شخص
یا قوم یا مذہب کا خیال نہیں کرتا تھا۔ ہر شخص کو ایک نگاہ سے دیکھتا تھا
ہندو بھی اسی طرح آزاد تھے جس طرح کہ اُس کے ہم مذہب مسلمان۔ انصاف
کرنے میں وہ کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔

تمام سلطنت مختلف صوبوں میں تقسیم تھی اور ہر جگہ صوبہ دار اور ناظم
(کلکٹر) وغیرہ مقرر تھے۔ قاضی عدالت میں مقدمے فیصل کرتے تھے۔ فوج
کا علیحدہ انتظام تھا۔ تمام سلطنت کی پیمائش ہوئی تھی اور زمین کی قسمیں
مقرر کی گئی تھیں اور اسی کے مطابق مالگذاری مقرر کی جاتی تھی۔ اکبر کے
زمانہ میں ہر طرح کا امن تھا۔ رعایا بہت مالدار اور خوش تھی۔ بادشاہ عالموں
اور کاریگروں وغیرہ کی قدر کرتا تھا اس لئے رعایا میں بھی علم اور صنعت
وحرفت کا شوق تھا۔ اکبر کی قدردانی کے قصے سن کر دوسرے ملکوں سے
لوگ ہندوستان آتے تھے اور اپنے ساتھ دوسرے ملکوں کے علم و
فن لاتے تھے جن کی بادشاہ بڑی قدر کرتا تھا۔

عمارت بنانے کا ڈھنگ بھی اکبر نے نیا ایجاد کیا تھا۔ اس طرز میں
بھی اُس کی طبیعت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اور ہندوؤں
کے طرز تعمیر کو اُس نے ملا دیا تھا اور ان دونوں کو ملا کر ایک بہت خوبصورت
ڈھنگ پیدا کیا تھا۔ فتح پور سیکری وغیرہ میں یہ طرز صاف نظر آتا ہے۔

اتفاق

رمضانی مکانات کرایہ پر دیتا ہے اس کے کرایہ داروں میں سے ایک کرایہ دار مسٹر کلیم ہیں۔ یہ ایک اخبار چھاپنے والے ہیں۔ ان کا کام رات کو رہتا ہے اور یہ صرف دن میں گھر رہتے ہیں۔ رمضانی نے سوچا رات بھر مکان خالی رہتا ہے کیوں نہ ایک اور کرایہ دار تلاش کر لئے جائیں جنہیں دن بھر مصروفیت رہا کرے اور صرف رات کو مکان پر آجایا کریں"۔

اس لئے اس نے مسٹر کلیم کا مکان ایک دوسرے کو کرایہ پر دے دیا۔ اور اُن سے کہا۔ چونکہ مکان کے ساتھ سب سامان بھی دے رہا ہوں اس لئے کرایہ دگنا لونگا"۔ یہ صاحب راضی ہوگئے۔ ان صاحب کا نام ہے مسٹر کریم۔ یہ صاحب ٹوپی بنانے والے ہیں آپ دن میں گھر نہیں رہتے رات کو دکان سے تشریف لاتے ہیں۔ اس لئے کلیم اور کریم دونوں صاحبوں میں سے کسی کو یہ نہیں معلوم کہ اس مکان میں کوئی دوسرا بھی رہتا ہے۔ رمضانی بھی بہت خوش ہے کہ ایک مکان اور دو کرایہ دار مل گئے

صبح کے وقت کریم صاحب کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں ایک ہاتھ میں برش ہے دوسرے میں آئینہ۔ آئینہ میں دیکھتے جاتے ہیں اور برش کرتے جاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اب سے میں اپنے بال نہیں کٹواؤں گا میں نے کم بخت حجام سے کہا تھا کہ صرف بال کی نوکیں کاٹ دے اس نے تو پورے صاف کر دئے۔

(باہر سے ایک آواز آتی ہے)

کریم :- کون ہے جی! رمضانی !! اندر آجاؤ (رمضانی آتا ہے)

رمضانی :- کریم میاں سلام۔ کیسے رات کو تو اچھی طرح سوئے۔

کریم :- رات بھر تو کروٹیں بدلتا رہا آپ کا تکیہ بھی ماشاراللہ ہے چار، چار تولہ ادھر اُدھر روئی بھر دی ہے۔ بیچ میں کچھ نہیں۔ دیکھو جی شام کو میرے لئے ایک دوسرا بستر لیتے آنا۔

رمضانی :- اچھا صاحب۔ لیتا آؤں گا۔

کریم :- اچھا یہ تو کہو شام کو میں جب واپس آتا ہوں تو میں کمرہ میں دھواں دیکھتا ہوں۔ یہ کیا بات ہے؟

رمضانی :- یہ دھواں برآمدے والے کمرے میں سے آتا ہے۔ وہ صاحب کھڑکی میں بیٹھ کر گھنٹوں حقہ پیا کرتے ہیں۔

کریم :- یہ وہی صاحب ہیں جو مجھکو جب اوپر آتا ہوں تو نیچے جاتے اور نیچے سے آتا ہوں تو اُترتے ہوئے ملتے ہیں ان سے کہہ دینا اتنا حقہ نہ پیا کریں۔ اچھا میرا کوئلہ اور شکر تیل سب جلدی جلدی ختم ہو رہا ہے۔

رمضانی :- تو کیا میں چرا لیتا ہوں۔

کریم :- اچھا اب وقت کیا ہوگا (گھڑی دیکھ کر) سات بج گئے ہیں (دکان کے مالک صاحب بھی قسمت سے ایسے ملے ہیں کہ ایک پانچ منٹ کی دیر ہوتی ہے تو حاضری میں سُرخ روشنائی کا چھاپہ مار دیتے ہیں)

اچھا اب میں جاتا ہوں (تیزی سے نیچے اُترتا ہے)

مسٹر کلیم :- (زینہ سے اوپر آتے ہوئے) آپ دیکھ کر نہیں چلتے میرے چوٹ لگ گئی۔

مسٹر کریم (باہر سے) یہ آپ ہی کی غلطی ہے۔ اپنی جانب سے نہیں چلتے۔

کلیم (اندر داخل ہوتا ہے) رمضانی رمضانی یہ کون صاحب ہیں جو روز مجھے ملتے ہیں ان سے کہدو کہ آنکھیں کھول کر چلا کریں۔

رمضانی :- یہ برآمدے والے کمرے میں رہتے ہیں۔

(رمضانی چلا جاتا ہے)

کلیم :- اچھا اب مجھے اپنے ناشتہ کی فکر کرنی چاہیے دیا سلائی کی ڈبی کہاں ہے۔ وہ میز پر رکھی ہے (اُٹھا لیتا ہے)

اس میں تو صرف ایک ہی دیا سلائی رہ گئی ہے۔ رمضانی میری دیا سلائیاں لے لیتا ہے۔ اچھا وہ برتن کہاں ہے۔ اس میں تو مچھلی کی بو آرہی ہے۔ رمضانی میرا برتن بھی تو استعمال کرتا ہے۔ خیر

دیکھا جائے گا (آگ جلا کر اُس پر برتن رکھ دیتا ہے) اور اپنی جیب سے
کباب نکالتا ہے اور اس میں ڈال دیتا ہے) اب مجھے غسل کر لینا چاہئے
(غسل خانہ میں جاتا ہے اور کمرہ بند کرکے نہانے لگتا ہے)

(کریم صاحب اتفاقیہ واپس آتے ہیں)

کریم :- اتفاقات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ میں جب دکان پر پہنچا اور
چاہتا تھا کہ حاضری کے رجسٹر میں دستخط کروں کہ یاد آگیا حساب کے کاغذ
تکیہ کے نیچے بھول آیا ہوں۔ فوراً واپس آنا پڑا۔ لیجئے آج کی بھی حاضری
گئی۔ اب اگر اتنی تاخیر کے بعد میں حاضری بھر دوں تو دوکان کے اور
ملازم تو سارا دن ادھر اُدھر پھرتے رہیں گے اور پھر بھی یہی چاہیں گے
کہ کوئی اُنہیں حاضر بھر دے۔

یہ کہہ کر وہ تکیہ کے نیچے سے حساب کے کاغذ نکال لیتا ہے
اور واپس جانا چاہتا ہے کہ سامنے باورچی خانہ میں آگ روشن
دیکھتا ہے۔ غصہ میں کہتا ہے "یہ آگ کس نے جلائی ہے۔ یہ سب
رمضانی کی حرکتیں ہیں"۔

یہ کہہ کر وہ باورچی خانہ میں داخل ہوتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے
ایک برتن میں کباب گرم ہو رہے ہیں۔ اب تو اُس کے طیش کی کوئی
انتہا نہ رہی۔ برتن اُٹھا کر اس زور سے غسل خانہ کے دروازہ پر مارا
کہ ایک شیشہ بھی ٹوٹ گیا۔ کلیم نہا کر کپڑے بدل چکا تھا اور تولیہ سے
سر خشک کر رہا تھا۔ شیشہ کے ٹکڑے اُس کے ہاتھ اور سر میں لگے۔ وہ
بھی غصہ میں بھرا باہر نکل آیا۔ اور اُن ہی صاحب کو جن سے اوپر
آتے ہوئے ابھی ایک جھڑپ ہو چکی تھی صحن میں کھڑا پایا۔ دونوں ایک
دوسرے کو دیکھ کر بڑی زور زور سے چلانے لگے۔

کلیم :- تمہیں اس مکان میں آنے کی اجازت کس نے دی؟

کریم :- تمہیں اس غسلخانہ میں نہانے کو کس نے کہا؟

کلیم :- تم فوراً اس مکان سے نیچے اُتر جاؤ۔ ورنہ ....

کریم :- رمضانی! رمضانی!!

کلیم :- میں تم سے کیا کہتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ .... ورنہ
بس فوراً جاؤ۔

کریم :- میں تم سے کیا کہتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ۔

کلیم :- تم ہو کون؟

کریم :- تم کون ہو؟

کلیم :- میں۔ میں مکان کا مالک ہوں۔

کریم :- یہ تم سے کس نے کہا۔ میں اس کا مالک ہوں۔

کلیم :- اور یہ سب سامان کس کا ہے؟

کریم :- رمضانی کا۔

کلیم :- رمضانی! رمضانی!! جلدی آؤ۔

(رمضانی آتا ہے۔ دونوں اُسے دیکھ کر)

دونوں :- یہ مکان کس کا ہے؟

رمضانی :- دنیا میں کوئی چیز کسی کی نہیں، ہم سب خدا کے
ہیں۔ ہماری چیزیں بھی اُسی کی ہیں۔

کلیم :- یہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس وقت اس مکان میں رہتا
کون ہے؟ میں یا یہ؟

رمضانی (دونوں کی طرف اشارہ کرکے) آپ بھی اور آپ بھی

دونوں - ایں!!

رمضانی - جی ہاں غصہ نہ کیجئے۔ قصور میرا ہے۔ میں بتائے دیتا
ہوں۔

یہ کہہ کر رمضانی نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ اور خود ہاتھ جوڑ
کر کھڑا ہو گیا۔

کریم خاموشی سے زینہ کی طرف گیا اور چپ چاپ سیڑھیوں
پر سے اُترنے لگا۔ کلیم نے بھی رمضانی کی طرف سے منہ پھیر لیا اور
اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام کو کریم اپنی دوکان سے ذرا جلد آگیا۔ کلیم ابھی مکان
میں موجود تھا لیکن اُس نے کریم سے کچھ نہ کہا۔ دونوں اسی طرح اب بھی
اس مکان میں رہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب ایک کے آنے کے بعد
دوسرا جاتا ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی رمضانی کو کرایہ نہیں
دیتا۔

بے قصور عورتیں

پرانے زمانہ کا قصہ ہے ، ہے تو جھوٹ مگر بڑا ہی دلچسپ ہے ۔ راجہ چندرسین کی راجدھانی میں چار عورتیں ساتھ ساتھ رہتی تھیں ۔ یہ چاروں بڑی بے وقوف تھیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے گھر سے نکال دی گئی تھیں ۔ ایک دن جب وہ اپنا کام کر چکیں تو سب اکٹھا ہو کر اپنی چھت پر آ بیٹھیں ۔ ایک نے کہا وہ دن بھی کیا مزہ کا تھا جب ہم چاروں اتفاقیہ ایک دوسرے سے ایک بازار میں ملے تھے ۔ مجھے تو اب تک اپنے خاوند کی بے وقوفی پر غصہ آتا ہے ۔ اس نے خواہ مخواہ مجھ غریب کو اپنے گھر سے نکال دیا ۔ اپنی بھی بدنامی کی اور مجھے بھی رسوا کیا ۔ دوسری نے کہا " سچ ہے آجکل کے شوہر بڑے بے وقوف ہوتے ہیں ۔ میرے ساتھ بھی یہی قصہ ہوا ۔ تیسری اور چوتھی نے یک زبان ہو کر کہا " اچھا ہم سب اپنی اپنی آپ بیتی سنائیں ۔ ذرا وقت ہی کٹے گا " چنانچہ سب سے پہلے پہلی نے اپنا قصہ یوں شروع کیا ۔

ایک دن کا ذکر ہے میرے خاوند نے مجھ سے کہا " میرا جی آج حلوا کھانے کو چاہتا ہے ۔ تھوڑا سا تیار کر دو " میں نے کہا حلوا تیار کرنا بڑا مشکل ہے ۔ آج تو میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ۔ پھر کسی دن دیکھا جائے گا " دو چار دن کے بعد ایک مرتبہ میں گھر میں اکیلی تھی ۔ دل گھبرایا تو خیال آیا لاؤ آج خاوند کا کہنا ہی کر ڈالوں ۔ مدت سے بیچارے کا جی حلوا کھانے کو چاہتا ہے ۔ لاؤ ۔ بنا ہی ڈالوں " چنانچہ میں نے حلوا بنانا شروع کیا ۔ اور اس خیال سے کہ سب پڑوسیوں کو بھی تھوڑا تھوڑا تقسیم کروں بہت سا بنانا چاہا ۔ کنواں ہمارے گھر میں ہی تھا ۔ اسی میں پہلے چار پیسے گھی کے ڈال دئے ۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر دو بوری سوجی ڈال دی ۔ اور ہلانا شروع کیا ۔ ہلانے کے لئے ہمارے گھر میں پہلے ہی سے ایک لمبا سا بانس پڑا تھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد دو بوری شکر ڈال کر ہلانا بدستور جاری رکھا ۔ میں یہی کر رہی تھی کہ میرا خاوند آگیا ۔ پوچھا " کیا کر رہی ہو " میں نے کہا " تمہارے لئے حلوا تیار کر رہی ہوں ۔ پڑوسیوں کو تقسیم کرنے کے خیال سے ذرا زیادہ بنایا ہے ۔ گھر میں کوئی بڑا برتن نہ تھا اس لئے کنوئے میں ڈال کر پکا رہی ہوں " ۔ خاوند نے مجھے بڑے غصہ سے دیکھا اور کنوئے کے پاس سے گھی کا ایک خالی ٹین اٹھا کر میرے سر پر زور سے مارا ۔ میں نے لاکھ منت سماجت کی لیکن اسے رحم نہ آیا اور گھر سے باہر نکال دیا ۔ بہنو ! تم ہی بتاؤ میرا اس میں کیا قصور تھا ۔

دوسری نے کہا " خیر تمہارا تو کچھ قصور تھا ۔ میں تو بالکل بے وجہ نکالی گئی " ۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا قصہ یوں شروع کیا : ۔

میرے خاوند کی پنساری کی دوکان ہے ۔ دوکان کا بہت سا سامان جو وہاں کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے گھر ہی میں رہتا ہے ۔ ایک دن میرے خاوند نے مجھ سے کہا " میں دوکان چلا جاؤں تو تم اس رسوئی کے کمرے میں سفیدی کر دینا ۔ قلعی بوری میں رکھی ہوئی ہے " ۔ جب وہ دوکان چلا گیا تو میں نے ایک بڑا سا ٹب لے کر ایک من کیسر اس میں ڈال دیا ۔ کمرے میں خوشبو کا بھی خیال تھا اس واسطے کستوری کی ایک بوری ڈال دی اور لگی کمرے میں سفیدی کرنے ۔ سورج غروب ہونے پر میرا خاوند جب گھر پر آیا تو بجائے خوش ہونے کے میرا سر پکڑ کر اس ٹب میں ڈبو دیا اور زور سے لات مار کر گھر سے باہر نکال دیا ۔

تیسری نے کہا " قصور بھی کیا اور اب یہ بھی کہتی ہو کہ بے گناہ ہوں ۔ کستوری جیسی قیمتی چیز کو پانی کی طرح بہا دیا " یہ کہہ کر اس نے اپنا قصہ اس طرح شروع کیا ۔

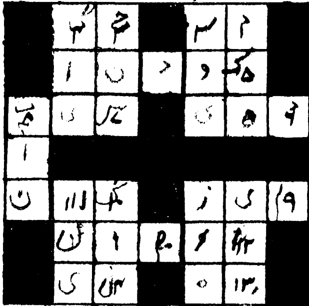
ایک دن میرے خاوند نے مجھ سے کہا " میں پردیس جانا چاہتا ہوں ۔ چھ ماہ کے بعد واپس آؤں گا ۔ سامان تیار کر دو ۔ اس نے یہ بھی کہا کہ دیکھو اب نہ معلوم ملاقات ہوتی ہے یا نہیں ۔ دریائے راوی کو پار کر کے جانا ہوگا " میں بہت رنجیدہ ہوئی ۔ لیکن حکم کی تعمیل کی اور سامان تیار کر دیا ۔ چھ ماہ تک تو خیر میں نے کسی نہ کسی طرح انتظار کیا چھ ماہ گذر جانے کے بعد مجھے بڑی پریشانی ہوئی ۔ آخر دل میں سوچا میں خود ہی کیوں نہ اس کی تلاش میں نکلوں ۔ لیکن باہر جاتے ہوئے مجھے ڈر معلوم ہوا ۔ اور راستے میں دریائے راوی آتا ہے ۔ مگر بغیر دریا پار کئے خاوند تک پہنچنا ممکن نہیں ۔ اس لئے بہتر ہے کہ گھر میں ہی ایک بڑا سا دریا بنا لوں اور اسے پار کر کے خاوند کے پاس پہنچ جاؤں ۔ یہ سوچ کر میں نے بہت سے مزدور منگوائے ۔ ہمارا گھر بہت بڑا تھا ۔ مزدوروں

سے میں نے کہا۔ "گھر کی صرف کوٹھری رہنے دو۔ باقی سب مکان گرادو۔ کئی ہفتہ کے بعد جب وہ سب گھر گرا چلے تو میں نے بھی مزدوروں کی تعداد اور بڑھادی۔ اور اُن سے کہا اب اس کوٹھری سے باہر کے کھیت تک ایک بہت گہرا اور خوب چوڑا دریا بنا دو۔ مزدوروں نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ روپیہ میرے پاس بہت تھا۔ اس لئے مزدور بھی بہت خوش رہے۔ جب دریا تیار ہوگیا تو میں نے اُس میں پانی بھروا دیا۔ اور بہت سے تختے ملا کر ایک کشتی تیار کر لی۔ اور اُس پر بیٹھ کر چلی خاوند کی تلاش کرنے۔ میں ابھی راستہ ہی میں تھی کہ دور سے خاوند آتا ہوا دکھائی دیا میں کشتی سے اُتر کر جلدی سے کنارے پر آگئی۔ خاوند کے قریب آنے پر سب قصہ اُسے سُنایا۔ وہ بجائے خوش ہونے کے اُلٹا مجھ پر خفا ہوا اور سب گاؤں والوں کے سامنے گھر سے باہر نکال دیا۔ اب بہنو! تم ہی بتاؤ۔ میرا کیا قصور تھا۔

چوتھی بگڑ کر بولی۔ "واہ! سب گھر بار کھدوا کر پھینک دیا اور پھر بھی اپنے کو بے قصور ہی سمجھتی ہو۔ ظلم تو مجھ پر ہوا ہے۔ سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔" یہ کہہ کر چوتھی نے اپنا قصہ شروع کیا۔

میرا خاوند کسان ہے۔ وہ صبح تڑکے ہی اپنے کھیت پر چلا جاتا تھا اور میں ۱۲ بجے تک کھانا تیار کر کے اپنی بکری کے گلے میں باندھ کر دروازہ کے باہر نکال دیتی تھی جو سیدھی کھیت پر جا کر دم لیتی تھی ایک مرتبہ میلہ کے دن میں نے روزانہ کی طرح کھانا تیار کیا اور اس خیال سے کہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں کہ ہم غریبی کی زندگی بسر کرتے ہیں اپنے اچھے اچھے کپڑے بھی بکری کو پہنا کر خوب سجایا اور سونے چاندی کے زیور سے بھی اچھی طرح آراستہ کر دیا۔ اس کے بعد چینی کے برتنوں میں بہت سا کھانا رکھ کر بکری کے گلے میں باندھ دیا۔ میں بہت خوش تھی کہ آج میرا خاوند بہت خوش ہوگا اور میری تعریف کرے گا۔ لیکن جب شام ہونے کو آئی اور وہ بھوکا پیاسا گھر لوٹا تو مجھے بہت تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ "مجھے آج کھانا کیوں نہیں بھیجا۔" میں نے جواب دیا۔ "واہ میں نے تو خود بکری کو دروازہ کے باہر کیا تھا ضرور پہنچی ہوگی۔" اس نے پھر انکار کیا۔ تب میں نے سارا قصہ بیان کیا جس کو سُن کر وہ آگ بگولا ہوگیا اور مجھے مار کر نکال دیا۔ مجھے تو اپنی کوئی خطا نظر نہیں آتی۔ تم ہی بتاؤ میرا کیا قصور تھا۔

انعامی معمّا



دائیں سے بائیں

۱۔ دروازہ
۳۔ دنیا
۵۔ اُچھلنا پھاندنا
۶۔ دو دو ہو کر
۷۔ موتی کا گھر
۹۔ کُرسی کا جوڑ
۱۰۔ شوکت
۱۲۔ آرزو
۱۳۔ رستہ
۱۴۔ نصف لیڈر

اوپر سے نیچے

۱۔ تکلیف
۲۔ کپاس
۳۔ قسم
۴۔ ایک جانور
۶۔ قیمت
۸۔ لکھنؤ کا تحفہ
۱۰۔ اوڑھنے کی چیز
۱۱۔ برچھی کی نوک

۱۔ تمام حل ۱۵ اگست تک اڈیٹر پیام تعلیم کے پاس پہنچ جائیں۔
۲۔ انعام میں سال بھر کے لئے پیام تعلیم یا ۱۲؎ کی کتابیں دی جائیں گی۔
۳۔ ہر حل کے ہمراہ ۲ کا ٹکٹ آنا ضروری ہیں
۴۔ ایک سے زیادہ حل موصول ہوئے تو فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔

پیام تعلیم

قیمت سالانہ ۸؍

قیمت فی پرچہ ۲؍

جلد ۱۲ | ۷؍ اگست ۱۹۳۲ عیسوی | نمبر ۲

فہرست مضامین

سیرت محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

انشاء اللہ ۲۹ ؍ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء کو شائع ہوگی

مولانا محمد علیؒ کے ہزارہا معتقدوں اور ان کی سیرت کے ہزارہا مشتاقوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی۔ کہ ان کی سیرت نگاری کا کام ایک مختصر پیمانہ پر ختم ہوچکا ہے۔ اور اب مولانا عبدالماجد صاحب مدیر "سچ" کی نظر ثانی کے بعد واپس آگیا ہے۔ اور طباعت کا کام شروع ہونے والا ہے۔ بانی جامعہ کی یہ سیرت انشاء اللہ تعالیٰ یوم تاسیس جامعہ (۲۹ ؍ اکتوبر) کو شائع ہوجائیگی۔

قیمت غالباً تین روپے ہوگی۔

خریداری کی تمام درخواستیں اسی وقت مندرجہ ذیل پتہ پر بھیج دی جائیں۔

مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(اڈیٹر:۔ سید انصاری ۔ بی ۔ اے (جامعہ) طابع و ناشر:۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی۔ (مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی)

دنیا کے بچے

(گذشتہ سے پیوستہ)

لال ہندی بچے

جب ہم اُڑے جا رہے تھے تو چندہ ماموں نے کہا " وہ کیا ہے ؟ " میں نے کہا " ایک پرندہ ہے " بولے " یہ تو کچھ لئے جا رہا ہے " میں نے جو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک عقاب کسی بچے کو اُڑا لئے چلا جا رہا ہے۔ دل میں خیال کیا کہ آگے چل کر کہیں اس کو کھا لے گا۔ لیکن جب ہم ذرا نزدیک پہونچے تو دیکھا کہ لڑکا ذرا بھی سہما ہوا نہیں ہے۔ وہ لال ہندی بچہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا " کہاں جا رہے ہو " بولا " گھر کو " میں نے کہا " کیا ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں ؟ " بولا " بڑی خوشی سے " تھوڑی دیر بعد ہم زمین پر اُترے۔ وہاں بہت آدمی جمع تھے۔ کبھی ہمیں اور کبھی اس لڑکے کو دیکھنے لگے ۔

ان آدمیوں کا بدن بھورا بھورا ' لال لال سا تھا۔ بال بھی لمبے لمبے سیدھے اور کالے تھے۔ جوتے گھٹنوں تک کے تھے۔ بیچ میں کہیں جوڑ نہیں مگر تھے بہت ملائم۔ لمبے لمبے پائپ پی رہے تھے چندہ ماموں نے کہا " بھائی یہ تو بتاؤ ' عقاب نے اس بچہ کو کھایا کیوں نہیں ؟ " یہ بات میں نے اس بچہ کے باپ سے پوچھی اور اس نے یہ قصہ سنایا :-

ایک روز یہ لڑکا اپنی تیر کمان لے کر شکار کو نکلا۔ راستہ میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک عقاب کے بچہ کا پر ٹوٹا پڑا ہے۔ لڑکے نے اسے اٹھا لیا۔ بچہ بھی چپ چاپ رہا۔ چونچ وغیرہ کچھ نہیں ماری۔ اسے اپنے گھر لایا۔ پر ٹھیک کیا۔ اس کے رہنے کے لئے گھاس اور پتیوں کا ایک گھونسلہ سا بنا دیا۔ جب اس کا پر بالکل اچھا ہو گیا تو لڑکے نے بچہ کو اسی پہاڑی پر جہاں سے لایا تھا ' لے جا کر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد بہت دنوں تک دونوں نہیں ملے۔ اسی روز جس روز کہ ہم اسکیموؤں کے یہاں سے آ رہے تھے وہی لڑکا اپنی کشتی لے کر دریا پر مچھلی پکڑنے گیا۔ کشتی درخت کی چھال کی بنی ہوئی تھی۔ اور کانٹے ہڈی کے۔ دریا زوروں پر تھا۔ اور لڑکے کو مزہ میں کچھ خبر نہ ہوئی۔ اتنے میں اس نے دُور سے پانی گرنے کی آواز سنی۔ وہ ڈرا۔ جانتا تھا کہ آگے جھال ہے۔ جہاں وہ تو مر ہی جائے گا۔ اور کشتی کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے ۔

جب جھال کے پاس پہونچا تو ٹھیک اسی وقت ایک عقاب اڑتا ہوا آیا۔ اتفاق سے یہ اس کا وہی پُرانا دوست تھا جس کا پر اس نے ٹھیک کیا تھا۔ لڑکے نے کشتی میں کھڑے ہو کر عقاب کی ٹانگ پکڑ لی۔ عقاب اڑ گیا۔ اور اس کے گھر کا راستہ لیا۔ اسی رستہ میں ہم ان دونوں سے ملے تھے ۔

یہ قصہ سن کر میں نے چندہ ماموں سے پوچھا کہ یہ کہانی کیسی ہے ؟ بولے " اس کہانی سے تو بہت اچھی ہے جو ہم نے گرین لینڈ میں سنی تھی "

قصہ ختم ہونے کے بعد ایک ہندی نے پوچھا " آپ یہاں کس غرض سے تشریف لائے ہیں ؟ "

میں نے کہا " ہم تو دنیا کے بچے دیکھتے پھرتے ہیں۔ آپ کے بچے کدھر ہیں ؟ ذرا ان سے بھی ملتے " ۔

باپ نے جواب دیا " اس وقت تو وہ سب کام کاج میں لگے ہوئے ہیں۔ لڑکے یا تو شکار کھیلنے گئے ہوں گے ' یا کشتیاں بنا رہے ہونگے۔ رہی لڑکیاں۔ کچھ تو چمڑے کے کپڑے بنا رہی ہوں گی اور کچھ گایوں کی دیکھ بھال کر رہی ہوں گی ' باقی ٹوکریاں اور چٹائیاں بنا رہی ہیں۔ اس کے بعد کھانا پکائیں گی۔ اس وقت تو سوائے ننھوں کے کوئی خالی نہ ہوگا۔ ایک تو اس پینگ میں ہے " جدھر اس نے اشارہ کیا تھا ادھر دیکھا مگر جھولا کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ شخص ہنس کر کہنے لگا " تم تو زمین پر دیکھ رہے ہو ' درخت پر دیکھو وہ کیا لٹک رہا ہے " ۔

ہم درخت کے پاس گئے اور ننھے کو آگے پیچھے جھولتے ہوئے دیکھا چندہ ماموں پاس گھس کر اس کا سر ادھر اُدھر ہلانے لگے۔ ننھے نے کھل کھلا کر ان کی آنکھ میں انگلی گھبو دی۔ بڑے میاں جو پیچھے ہٹ کر بھاگے تو اپنی لالٹین گرا دی اور کتے کو کچل دیا۔ کتے نے اتنے زور سے شور مچایا کہ ہمیں اور کچھ نہ سنائی دیا۔ جب ذرا چپکا ہوا تو معلوم ہوا کہ ننھا۔ غو۔ غو۔ غو۔ غو۔ کر رہا ہے۔ چندہ ماموں پوچھنے لگے کہ یہ کیا

کہتا ہے؟ میں نے کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا"۔

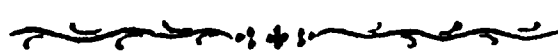
ایک بڑی بی ہماری ساری باتیں دیکھ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "اماں ہم پردیسی ہیں۔ یہاں کی بولی نہیں سمجھتے ہیں۔ ذرا بتلائیے تو کہ یہ ننھا غو۔غو۔ کیا کرتا ہے؟"

بڑی بی نے کہا "بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سب بتادوں گی"۔ ہم بیٹھ گئے۔ اونہوں نے کہا "سنو۔ بہت دن ہوئے پہاڑوں کے پاس کسی گاؤں میں ایک ہندی سردار رہتا تھا۔ اس نے بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں اور سینکڑوں آدمی قتل کئے تھے۔ تمام جتھے میں اس آدمی کے برابر کوئی بہادر نہ تھا۔ وہ نہ تو برفانی دیووں سے ڈرتا جو عورتوں اور بچوں کو اٹھا لے جایا کرتے تھے۔ اور نہ اس کے دل میں چڑیلوں کا ہی خوف تھا جو غاروں یا چٹانوں میں سوراخ بنا کر رہا کرتی تھیں۔ دیووں اور چڑیلوں تک سے لڑا۔ اور سب کو ملک سے نکال دیا۔ سب آدمی سردار سے محبت کرتے تھے۔ وہ اتنا نیک اور بہادر تھا کہ ہر چھوٹا بڑا یہ سمجھتا کہ اس جیسا آدمی اور کہیں نہ ہوگا۔ لیکن جب وہ دیووں کو نکال چکا تو شیخی خورا ہوگیا۔ اور اپنے آپ کو دنیا میں سب سے بڑا آدمی سمجھنے لگا۔ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں ہر آدمی کو ہرا سکتا ہوں۔ اسی گاؤں میں ایک بوڑھی عورت بھی رہتی تھی جو بہت عقلمند تھی۔ جب اس نے سردار کی باتیں سنیں تو اوس کی بے وقوفی پر ہنسی۔ اور کہا "اس میں شک نہیں کہ ہمارا سردار بہت بڑا آدمی ہے، لیکن گاؤں میں ایک اور بھی ہے جو سردار سے بھی بڑا ہے"۔ لوگوں نے یہ بات سردار سے کہدی۔ وہ بڑھیا کے پاس اس کے مکان پر ملنے آیا۔ اور کہنے لگا "بڑی اماں۔ وہ آدمی کون ہے جو مجھ سے بڑا ہے؟" بڑھیا نے جواب دیا "وہ ننھا ہے" سردار نے پوچھا کہاں ہے؟ بڑھیا نے گھر کے اندر ایک طرف کو اشارہ کرکے کہا کہ وہاں ہے +

وہاں جاکر سردار کیا دیکھتا ہے کہ ایک لال ہندی بچہ فرش پر بیٹھا ہوا ہاتھ میں مصری کی ڈلی لئے آپ ہی آپ باتیں کر رہا ہے اور بہت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ سردار کے بیوی بچے تو تھے نہیں جو جانتا کہ بچے کیسے ہوتے ہیں۔ تمام شیخی خوروں کی طرح یہ سمجھتا تھا کہ سب کچھ جانتا ہے۔ اُسے یقین تھا کہ جس طرح وہ کہے گا ننھا اسی طرح کرے گا۔ اس لئے لاڈ میں کہا "ننھے۔ ننھے۔ آؤ۔ یہاں آؤ" بچے نے سنا ہی نہیں۔ اور مصری کی ڈلی چوستا رہا۔ سردار کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی گاؤں کے سب آدمی مرد ہوں یا عورت، بڈھے ہوں یا بچے۔ اس کا کہنا مانتے تھے۔ وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بچہ میرا کہنا کیوں نہیں مانتا۔ اب کی مرتبہ پھر اس نے پیار سے کہا "ننھے منے یہاں آؤ" بچہ پھر پہلے کی طرح مصری کی ڈلی چوستا رہا۔ اس پر سردار کو بہت غصہ آیا۔ زندگی بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کسی آدمی کو وہ ایک کام کے لئے کہے اور وہ نہ کرے، بہت ناراض ہوکر زور سے چلا کر کہا "ننھے میرے پاس آ۔"

بچہ منہ پھاڑ کر رونے اور چلانے لگا۔ سردار نے ایسا شور کبھی نہیں سنا تھا۔ دیووں نے بھی ایسی آوازیں نہیں نکالی تھیں۔ سردار پریشان تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بچہ اس کا کہنا کیوں نہیں مانتا سردار کے پاس ایک تھیلہ تھا جس میں کچھ ایسی چیزیں تھیں جو چڑیلوں سے لڑتے وقت کام آتی تھیں۔ اس نے تھیلہ نکال کر بچے کے سامنے ہلایا اور اپنے آپ ناچنے لگا۔ اس پر بچہ رونا دھونا بھول کر سردار کے اچھلنے کودنے پر ہنسنے لگا۔ لیکن مصری کی ڈلی کو چوسنا نہیں چھوڑا سردار ناچتے ناچتے تھک گیا۔ برا حال۔ چہرے پر سے پسینہ بہتا ہوا گردن اور کلّوں پر لال رنگ کے بہ جانے سے دھبے پڑ گئے اور تمام پر جو بالوں میں لگے ہوئے تھے گر گئے۔ آخر پریشان ہوکر بیٹھ گیا۔ بڑی بی نے کہا "اب بھی مانوگے یا نہیں کہ ننھا تم سے بڑا ہے۔ سب سے بہادر ہے اور گھر کا بادشاہ ہے۔ ہمیشہ اپنی خوشی کا کام کرتا ہے۔ ہر شخص اس سے محبت کرتا ہے اور اس کا کہنا مانتا ہے"۔

سردار نے کہا "بے شک تم سچ کہتی ہو"۔ جب وہ جانے لگا۔ تو ننھے نے اپنی غو۔غو۔ شروع کی۔ اب آئندہ جب کبھی تم کسی بچہ کو غو۔غو کہتے سنو تو اس کا مطلب سمجھ جاؤ۔ یہ وہ لفظ ہیں جو ننھے نے سردار کو ہرا کر بھگانے کے لئے کہے تھے +



بابر

ہندوستان کے پچھم میں ترکستان کے ملک میں سمرقند ایک چھوٹی سی سلطنت تھی۔ باپ کے مرنے پر بابر جو بارہ سال کا لڑکا تھا تخت پر بیٹھا۔ سلطنت کے کام کو سنبھالنا آسان نہ تھا اس لئے کہ اس کے بھائی اور چچا چاروں طرف اس کے دشمن ہو رہے تھے۔ لیکن بابر بڑا بہادر، ہمت والا اور نڈر تھا۔ دنیا کی کوئی مصیبت اسے پریشان نہ کرتی تھی۔ وہ بلا خوف سب دشمنوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ ان لڑائیوں میں اسے بڑی بڑی تکلیفیں جھیلنا پڑتیں۔ مگر وہ کبھی نہ گھبراتا اور ہمیشہ خوش رہتا اور دوسرے لوگوں کو بھی تسلی اور ہمت دلاتا رہتا۔ اکثر وہ اپنے ملک سے بھی نکال دیا گیا اور ادھر ادھر پہاڑوں میں اپنی جان بچاتا پھرا۔ کبھی پھر اس نے فوج جمع کر کے اپنا ملک لے لیا بلکہ دوسروں کے ملک پر بھی حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ مگر یہ حالت بھی باقی نہ رہی۔ غرض کبھی ایک جگہ جم کر اطمینان سے زندگی بسر نہ ہوئی۔ اس حالت میں بھی وہ بڑے بڑے خیالی پلاؤ پکایا کرتا تھا۔ کبھی ایران کو فتح کرنے کا ارادہ کرتا کبھی ہندوستان پر حملہ کرنے کو سوچتا۔ خاموش اور ناامید ہو کر اس سے نہ بیٹھا جاتا۔ برابر کوئی نہ کوئی بڑا کام اس کے سامنے ہوتا۔ اور اسی کی فکر میں دن رات وہ لگا رہتا +

بابر کو اپنا ملک واپس لینے کی جب کوئی آس نہ رہی تو اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ پانچ مرتبہ اوس نے ہندوستان پر حملے کئے اور آخر میں فتح کر لیا +

بابر کے پاس صرف بارہ ہزار فوج تھی۔ سلطان ابراہیم لودی جو اس زمانہ میں دہلی میں حکومت کر رہا تھا شمالی ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اور اس کے علاوہ ہندوؤں کی بڑی قوت اس کے ساتھ تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود بابر نے اپنی چھوٹی سی فوج سے سلطان ابراہیم کے بڑے لشکر کا (جس میں ایک لاکھ سپاہیوں سے کم نہ تھے) بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ بابر کی ہوشیاری اور فوج کے انتظام کی خوبی تھی، کہ جس نے اتنی بڑی فوج کو بدحواس کر دیا۔ اور شام تک سلطان ابراہیم مع پندرہ ہزار سپاہیوں کے کام آگیا اور باقی فوج جان بچا کر بھاگ گئی۔ یہ فتح کوئی معمولی فتح نہ تھی۔ اس سے ہندوستان میں سلطنت قایم کرنے کا راستہ کھل گیا۔ اور تمام ملک میں بابر کی بہادری اور ہمت کا سکہ بیٹھ گیا +

پانی پت کی اس لڑائی کے بعد بابر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا اور بےشمار دولت بڑی فیاضی سے اپنی فوج میں تقسیم کی۔ لیکن مئی کا مہینہ شروع ہو گیا تھا یہاں کی سخت گرمی ان سرد ملک کے رہنے والوں کو بےچین کئے دیتی تھی۔ بالآخر گرمی سے پریشان ہو کر سب لوگوں نے واپسی کی ٹھان لی۔ بابر صرف اتنی سی بات کے لئے ایسی بڑی سلطنت کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے سب افسروں کو جمع کیا اور ایک بڑی پُرجوش تقریر کی۔ جس میں انہیں غیرت دلائی اور کہا کہ یہ کیسی کم ہمتی کی بات ہے کہ اب جبکہ سب مصیبتیں جھیل چکے ہو اور ان کا پھل ملنے کو ہے۔ اس وقت تم کابل کی سرد ہوا یاد کرتے ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بابر کے ساتھیوں کی ہمت بندھ گئی۔ وہ اور زیادہ جوش سے دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے +

اودے پور کے مشہور و بہادر راجہ رانا سنگا ایک بہت بڑی اور زبردست فوج لے کر آگرہ کے قریب سیکری کے میدان میں بابر سے لڑنے آئے۔ رانا کی بہادری کے قصے تمام ملک میں مشہور تھے۔ سینکڑوں لڑائیوں کو رانا نے جیتا تھا۔ اور ان کا رعب تمام ملک پر چھایا ہوا تھا۔ اس فوج کا اس قدر اثر ہوا کہ خود بابر کی فوج گھبرا اٹھی اور رانا کے مقابلہ سے ڈرنے لگی۔ لیکن بابر نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا۔ بابر خود جانتا تھا کہ اگر فتح نہ ہوئی تو صرف وہی نہیں بلکہ اس کی ساری فوج ہلاک ہو جائے گی۔ اسی لئے اس نے دعا مانگی اور شراب پینے کی عادت چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ شراب کے سارے برتن توڑ ڈالے اور پھر تمام عمر شراب نہ پی اور اپنے عہد پر قایم رہا +

اس کے بعد دو چار اور لڑائیاں ہوئیں جن میں بابر کو فتح ہوئی۔ اب دہلی اور آگرہ کے صوبے بابر کی زیر حکومت تھے۔ ہمایوں سنبھل میں بیمار ہوا اور آگرہ لایا گیا۔ آگرہ پہونچ کر اس کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ بابر اپنے پیارے بیٹے ہمایوں کے بستر کے چاروں طرف گھوما

اور اس نے دعا کی کہ وہ اچھا ہو جائے اور اس کے بدلے بابر کو موت آ جائے۔ یہ ایسے سچے دل سے اور ایسے مصیبت کے وقت دعا نکلی کہ فوراً قبول ہوئی۔ ہمایوں کی حالت سنبھلتی گئی اور بابر فوراً بیمار پڑ گیا تھوڑے ہی دنوں میں بابر کا آگرہ میں انتقال ہوا اور اس کی نعش کابل بھیجی گئی۔ جہاں ایک باغ میں اس کی وصیت کے مطابق دفن ہوئی +

بابر صرف بہادر، عالی ہمت اور قابل جنرل ہی نہ تھا بلکہ شاعر اور ادیب بھی ایسا ہی تھا۔ فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں پوری مہارت تھی۔ اور اس کی تحریر ایک بہت ہی دلچسپ اور نرالے ڈھنگ کی تھی۔ گانے کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات بڑے اچھے اور دلچسپ انداز میں لکھے ہیں +

عُنقا

عنقا کا لفظ سنتے ہی، بجائے اس جانور کی شکل وصورت کے فوراً ہمارے ذہن میں اس کے اصطلاحی معنے نایاب، ناپید، وغیرہ آ جاتے ہیں۔ گویا عنقا نام ہے کسی فرضی چیز اور خیالی وجود کا +

عام طور پر ایشیائی شعراء نے بھی عنقا، ہُما، اور راج ہنس کو فرضی جانور تصور کر کے ان کو مختلف صورتوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ عنقا کا نایاب ہونا، ہُما کا ایسا مبارک ہونا کہ جس کے سر پر اس کا سایہ پڑ جائے وزیر بادشاہ بنا دے۔ اور راج ہنس کی خوب صورتی اور خصوصاً زندہ دلی کا یہ ثبوت کہ مرنے کے وقت طرح طرح کے سُروں سے گانا اور چہچہانا۔ یہ سب ایسے مشہور افسانے ہیں جن کو نہ صرف شعراء بلکہ بڑے بڑے مصنفین نے اپنی تحریروں میں بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ مشہور عالم سینکا، نیک آدمی کو عنقا بتاتا ہے۔ جرو نیل ملک وقوم سے محبت کرنے والے کو ہُما سے تعبیر کرتا ہے۔ سُقراط کا قول ہے۔ "اچھے آدمی کو راج ہنس کی تقلید کرنا چاہئے۔ جو محض عقل اور عالم روحانی کی حقیقت سے یہ بات معلوم کر کے کہ موت کتنے سکون اور آرام کی چیز ہے، خوشی کا اظہار کرتا، اور گاتا ہوا مرتا ہے" +

دیگر مورخین کے علاوہ قدیم تاریخ مصر کے مشہور مورخ ہیروڈوٹس نے مصر کی تاریخ میں عنقا کا بے حد عجیب اور دلچسپ قصہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عنقا عجیب قسم کا جانور ہے۔ اور تمام دنیا میں وہ محض ایک ہی ہوتا ہے۔ وہ ملک عرب میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی عمر تقریباً پانچ سو، یا چھ سو برس تک ہوتی ہے۔ اس کا قد عقاب کے برابر ہوتا ہے اور اس کا سر نہایت چمکدار وخوب صورت پروں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس کی گردن پر سنہرے بال ہوتے ہیں اور جسم کا بقیہ حصہ ارغوانی رنگ کا، دم سفید وسرخ ملی ہوئی اور آنکھیں ستاروں کے مانند تیز چمکتی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب وہ بڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے مرنے کا وقت نزدیک آتا ہے تو وہ لکڑیوں خوشبودار چیزوں سے اپنا گھونسلا، جس کو مرقد کہنا چاہئے، بناتا ہے۔ اور اس کے اندر بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح مر جاتا ہے +

اس کی ہڈیوں اور چربی سے ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے اور یہ کیڑا دوسرا عنقا بن جاتا ہے۔ یہ دوسرا عنقا پہلے مردہ عنقا کو، جس سے یہ پیدا ہوا ہے، اس طرح دفن کرتا ہے کہ مختلف قسم کی خوشبودار چیزیں جمع کر کے انڈے کی صورت میں ایک گولی بناتا ہے اور جب خوب اندازہ کر لیتا ہے کہ وہ اس سے اڑ سکے گی تو پھر اس میں چھید کر کے پہلے عنقا کا جو کچھ بچا ہوا ہو اس میں رکھ کر اس کے سوراخ کو خوشبودار چیزوں سے بہت احتیاط سے بند کر دیتا ہے اور پھر اس جسد خاکی، لیکن عزیز چیز کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر مصری شہر ہلیپولس میں لے جاتا ہے۔ اور جہاں آفتاب کی پرستش کے لئے چیزیں جلائی جاتی ہیں اس جگہ لے جا کر دفن کر دیتا ہے +

عنقا کے اس افسانہ کے بارے میں مورخین سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ بیشتر تو اس کے وجود کے قائل ہی نہیں۔ اور اسے محض وہمی اور فرضی چیز بتاتے ہیں۔ مثلاً مشہور مورخین ڈولٹس اور ٹیسٹس اس قصہ کی چند باتوں کو ضرور صحیح سمجھتے ہیں، لیکن مورخ پلینی اس کے شروع ہی میں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ محض جھوٹا ہے جو لوگوں نے اپنی تفریح کے لئے خود تراش لیا ہے۔ بہرحال خواہ عنقا محض وہمی چیز، فرضی افسانہ اور خیالی وجود ہو، یا حقیقت، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ قصہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت پر لطف اور دلچسپ ہے +

کشمیر کا مشہور بند شائک

پیام بھائیوں نے اخباروں میں یہ خبر ضرور پڑھی ہوگی کہ کشمیر کا مشہور بند شائک ٹوٹ گیا ہے۔ جس سے سخت طغیانی کا خطرہ ہے۔ لیکن بعد کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیلاب اتنا زبردست نہیں ہے۔ اور خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمارے بھائی شاید یہ بھی جانتے ہوں گے کہ آج سے چار سال پہلے یعنی ۱۹۲۹ء میں اس بند کے ٹوٹنے سے زبردست اور خوفناک سیلاب آیا تھا۔ جس سے کئی آدمی ڈوب گئے تھے اور کئی گاؤں کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔ آج ہم اس بند کا مختصر سا حال لکھتے ہیں۔

دریائے شائک دریائے سندھ کا ایک زبردست معاون ہے۔ یہ دریا کوہ کراکرم اور اس کی وادیوں میں سے ہوتا ہوا تقریباً ایک سو دس میل جنوب مشرق کی سمت بہتا ہے۔ پھر شمال مغرب کی طرف مڑ کر لداخ کے دارالخلافہ لیہ سے ایک سو تیس میل نیچے سکاردو کے پاس دریائے سندھ سے آملتا ہے۔

کوہ کراکرم میں ایک تنگ گھاٹی ہے جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک برف کا ایک بہت بڑا تودہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ تودہ بالکل ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ دریائے شائک بھی اسی گھاٹی سے گذرتا ہے لیکن برف کی اس عظیم الشان دیوار کی وجہ سے اس کا پانی رک جاتا ہے۔ صرف تھوڑا سا پانی اس میں سے نکلتا ہے۔ پانی کے رکنے کی وجہ سے ایک بہت بڑی جھیل بن گئی ہے۔ جس کو جھیل گارشن کہتے ہیں۔ برف کے پگھلنے کی وجہ سے اس میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور جب پانی کا بہت زور ہو تو بند ٹوٹ جاتا ہے اور سینکڑوں من پانی دریائے شائک میں پھیل جاتا ہے۔ چونکہ شائک دریائے سندھ کا معاون ہے اس لئے کشمیر اور وادی سندھ میں بھی طوفان آجاتا ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ دیکھنے سے بہت سی باتوں کا پتہ چل جائے گا۔

سیلاب کی زیادتی ——— اور کمی کا انحصار پانی کے زور پر ہے



اگر پانی کا زور کم ہوگا تو سیلاب زیادہ نقصان نہیں پہونچا سکے گا۔ لیکن اگر زور زیادہ ہو تو خوفناک طغیانی کا خطرہ ہوتا ہے۔ پانی کے بہاؤ کو دیکھنے کے لئے جابجا حفاظتی چوکیاں قایم ہیں۔ تاکہ سیلاب کا ذرا سا بھی خطرہ دیکھیں تو دوسرے شہروں اور حکومت کو اس کی اطلاع دے دی جائے تاکہ لوگ اپنی حفاظت کا انتظام کرلیں۔ اس کے علاوہ آگ کے ذریعہ قریب کے دیہاتیوں کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

۱۹۲۹ء کے سیلاب کی وجہ سے سخت نقصان ہوا تھا ضلع میانوالی میں گیارہ ہزار مکان، چار ہزار مویشی، سترہ ہزار من غلہ، اور کئی ہزار ایکڑ کھیت سیلاب کی نذر ہوگئے تھے۔ چونکہ گاؤں اکثر دریا کے قریب ہوتے ہیں اس لئے نقصان بے چارے غریبوں کا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اسی سیلاب میں گاؤں کے گاؤں کو ہوائی جہازوں کے ذریعہ خالی کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے اٹھائیس لاکھ روپیہ ان لوگوں کو دیا گیا تھا۔ جو سیلاب میں بالکل تباہ ہوگئے تھے۔

شائک بند کا حال بہت سے لوگوں نے لکھا ہے جن میں میجر میسن۔ مسٹر گن۔ مسٹر ٹاڈ۔ اور مسٹر گریگری بہت مشہور ہیں۔ مسٹر گریگری تو ۱۹۲۹ء میں شائک بند ٹوٹنے کے وقت اس سے چند میل کے فاصلہ پر تھے۔ انہوں نے شائک بند ٹوٹنے کا ذکر اسطرح کیا ہے۔ ۱۵ راگست ۱۹۲۹ء کو صبح پانچ بجے کے قریب خاں صاحب افاق گل خاں نے اپنے کیمپ میں جو بند سے انیس میل کے فاصلہ پر تھا ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنی جیسے کہ بم پھٹا ہو۔ گیارہ بجے تک اسی طرح کی ہلکی ہلکی آوازیں آتی رہیں۔ اور گیارہ بجے پھر ایک زور کی آواز آئی۔ سب لوگوں نے فوراً سمجھ لیا کہ بند ٹوٹ گیا ہے آخری آواز کے ساتھ ہی جھیل کا سارا پانی وادیٔ شائک میں پھیل گیا۔ اور چند ہی منٹ میں ہندوستان کے دوسرے شہروں میں یہ خبر پھیل گئی۔ کہ ایک خوفناک طوفان آگیا ہے۔

اسی طرح ۱۸۴۱ء میں ننگا پربت کا ایک حصہ دریا میں گر گیا تھا۔ جس سے قدرتی بند بن گیا اور سارا پانی اسطرف جمع ہونے لگا۔ کئی ماہ تک پانی میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ بند ٹوٹ گیا اور نہایت ہی خوفناک سیلاب نے گاؤں اور آدمیوں کو آلیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سیلاب میں ایک پوری کی پوری سکھ فوج ڈوب گئی تھی۔

یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۲۹ء میں مسٹر گیگری نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ چار سال بعد یعنی ۱۹۳۲ء میں شاٹک بند ٹوٹنے کی وجہ سے سیلاب آئے گا۔ اس کے بیان پر اخبارات میں خوب تنقیدیں ہوئیں۔ لیکن اس کی پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ اب وہ لوگ جنہوں نے شاٹک بند کو دیکھا ہے کہہ رہے ہیں کہ تیس سال تک نہ یہ بند ٹوٹے گا، نہ سیلاب آئے گا دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہم سے بہتر جانتا ہے +

غزوۂ احد

ابوجہل کے مرنے کے بعد قریش کی سرداری ابوسفیان کو ملی ابوسفیان مسلمانوں کا جانی دشمن تھا، چونکہ جنگ بدر میں دشمنوں کے بڑے بڑے بہادر مارے گئے تھے، اور اس میں ابوسفیان کے رشتہ دار وغیرہ بھی قتل ہوئے تھے، اس لئے ان کا غیظ وغضب قدرتی تھا، قریش جوش انتقام سے لبریز تھے، ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں گا نہ خوشبو لگاؤں گا اور نہ کسی اور خوشی میں شریک ہوں گا، چنانچہ مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف ورغلاکر تین ہزار جنگجو تیار کرکے روانہ ہوا، جنگ بدر کی شکست سے دنیا دشمنوں کی نظر میں تاریک ہو رہی تھی، اس لڑائی میں ان کے جوش وخروش کی کوئی حد نہ رہی۔

جب آنحضرت کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی تیاری شروع کردی، آپ ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن اس میں سے بھی تین سو منافقین جو عبداللہ بن ابی منافق کے مطیع تھے۔ معمولی بہانہ کرکے علیحدہ ہوگئے۔ تاکہ مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلو تہی کرجائیں، لیکن ان کو نہیں معلوم تھا، کہ اسلام کے روشن نقوش مسلمانوں کے دلوں پر پہلے ہی کندہ ہو چکے تھے، اور وہ محمدؐ پر جان دینے کے لئے فرض عین سمجھتے ہیں، بقیہ لوگوں نے ذرا بھی پرواہ نہ کی اور تین ہزار فوج کے مقابل میں لڑنے کے لئے بڑھتے چلے گئے، مسلمانوں نے احد کی پہاڑی پر قبضہ کرلیا۔ اور وہیں رات گذاری، صبح کو نماز سے فارغ ہوکر میدان جنگ میں آپہنچے، آپ نے پہاڑی کے پیچھے بلندی پر پچاس تیر اندازوں کو کھڑا کردیا، اور تاکید کردی کہ اپنی جگہ کو مت چھوڑنا۔ ان سات سو مسلمانوں پر آنحضرت کمان کر رہے تھے، ان مسلمانوں کے پاس نہ کوئی جنگ کا اچھا سامان تھا اور نہ کوئی سواری کے گھوڑے تھے، نہ کوئی قلعہ تھا کہ جس میں پناہ لے کر حملہ کا جواب دیں۔ اور نہ کثرت ہی تھی، کہ غلبہ حاصل کریں۔ ہاں! یہ ضرور تھا کہ ایک ایسے سردار کے ماتحت تھے جس کے عشق میں اپنی جان دینے کو تیار رہتے، دشمنوں کے تین ہزار سپاہیوں کی سرداری ابوسفیان کے سپرد تھی، اس جنگ میں پہلے تو مسلمان خوب جواں مردی کے ساتھ لڑے کہ مشرکین کو تتر بتر کردیا۔ ابوسفیان خود بھاگ نکلا، مسلمانوں نے جب مشرکین کو بھاگتے دیکھا تو فوراً مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہوگئے۔ جب۔ مسلمان غالب ہوگئے تو تیر انداز بھی اپنی جگہ چھوڑکر مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، وہاں پر صرف عبداللہ بن جبیر جو ان کے سردار تھے رہ گئے تھے۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ گھاٹی بالکل خالی ہے۔ تو عقب سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہوگیا، یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگئی!! آنحضرت کے سخت چوٹ آئی، چار دانت شہید ہوئے اور پیشانی مبارک زخمی ہوئی، بہت سے صحابہ زخمی ہوئے۔ اور ستر مسلمان شہید ہوئے۔

جنگ ختم ہونے پر مشرکین کی عورتوں نے شہیدوں کا مثلہ کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ آنحضرت کے چچا حضرت حمزہ کے سینہ کو چاک کرکے کلیجہ چبا گئی۔ یہ سب کچھ تو مشرکین نے کیا لیکن آنحضرت نے ان کے لئے بددعا نہیں کی بلکہ فرمایا:-

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔

کیا کسی فاتح اعظم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا؟

باٹا

یوگوسلاویہ کا بے تاج بادشاہ

دنیا میں لوگ غریب بھی ہوتے ہیں امیر بھی۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی میز پر کھانے کے وقت طرح طرح کے کھانے موجود ہوتے ہیں اور ایسے بھی جن کو ایک وقت بھی مشکل سے دال روٹی میسر ہوتی ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ امیر ہمیشہ امیر رہتے ہیں اور غریب ہمیشہ غریب بالکل غلط ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ سینکڑوں امیر اور مالدار آدمی ایسے غریب ہوگئے کہ دربدر بھیک مانگتے ہیں اور کئی غریب اپنی ہمت اور محنت کی بدولت اتنے امیر ہوگئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان میں تین چیزیں بہت ضروری ہیں۔ یعنی محنت، استقلال اور عقل۔ اگر کوئی آدمی ان تینوں چیزوں سے اچھی طرح کام لے تو وہ ترقی کرکے دنیا کو اپنے لئے جنت بنا سکتا ہے برخلاف اس کے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا اس کے لئے دنیا دوزخ سے کم نہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

تم نے اخباروں اور کتابوں میں کئی ایسے آدمیوں کے حال پڑھے ہونگے جو غریب اور معمولی آدمی تھے لیکن ترقی کرتے کرتے بڑے آدمی ہوگئے۔ آج ہم بھی تمہیں ایک ایسے ہی آدمی کا حال سناتے ہیں جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اس کا نام تھا مسٹر باٹا تھا۔ "باٹا" جوتوں کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ یہ شخص ان ہی جوتوں کا موجد تھا۔

باٹا یوگوسلاویہ کے ایک قصبہ زلن میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک غریب موچی تھا۔ جو ادھر اُدھر پھر کر لوگوں کے جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔ بچپن میں بھی باٹا اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا رہا لیکن اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے خود جوتے بنانا شروع کئے جو وہ بازاروں میں لے جا کر بیچ دیتا تھا۔ چند سال بعد وہ یہ کام سیکھنے کے لئے اپنے ملک سے جرمنی چلا گیا۔ وطن واپس آکر اس نے چھوٹے پیمانہ پر اپنا کاروبار شروع کیا۔

اس میں اس کو بہت فائدہ ہوا اور ۱۹۰۴ء میں اس نے امریکہ کی راہ لی کہ جوتے بنانے کے طریقے جو وہاں استعمال ہوتے ہیں ان کا اچھی طرح سے مطالعہ کرے۔ اس نے ایک بڑے کارخانے میں نوکری کرلی اور محنت سے سب کام سیکھتا رہا۔

امریکہ سے واپس آکر اس نے زلن میں ایک بہت بڑی فیکٹری کھولی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں اپنے کارخانے کے جوتے بھیجنے لگا جنگ عظیم کے بعد اس نے فوجی جوتے بنانے شروع کئے اور اس میں بڑی شہرت حاصل کرلی۔ اس زمانہ میں جب چمڑے کی درآمد بہت کم ہوگئی تو اس نے ایسے جوتے بنائے جن کے تلے لکڑی کے تھے۔

اس طرح اسکا کاروبار ترقی کرتا رہا۔ اور اس نے یوگوسلافیہ کے ہر شہر میں اپنی دکانیں کھول دیں اور اپنے بیچنے کے لئے ہر ملک میں ایجنٹ مقرر کر دئے۔ اپنے جوتوں کو زیادہ مشہور کرنے کے لئے اس نے قیمتیں بہت کم کر دیں۔ باٹا کے انتقال کے وقت صرف زلن کے کارخانہ میں اس کے ماتحت سولہ ہزار آدمی کام کرتے تھے جو روزانہ ایک لاکھ جوتے تیار کر ڈالتے تھے۔

مسٹر باٹا مزدوروں اور کام کرنے والوں کے لئے ہر طرح کی آسائش اور آرام کا خیال رکھتے تھے ان کے رہنے سہنے کے مکانات نہایت عمدہ اور ہوادار ہیں۔ باٹا زلن کا میئر بھی تھا اور چونکہ اُسے خود سگرٹ جیسی چیزوں سے نفرت تھی اس لئے کسی کو سگریٹ پینے کی اجازت نہ تھی۔

باٹا کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے بارہ ہوائی جہاز تھے جن پر وہ اور اس کے مددگار یورپ وغیرہ کا سفر کرتے تھے اور مختلف ممالک میں جوتے بھی بھیجتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں باٹا نے انگلستان میں دریائے ٹیمز کے قریب کچھ زمین خریدی تھی تاکہ وہاں بھی ایک کارخانہ قائم کرے۔ عمارت کی تعمیر سے قبل ہوائی جہاز پر اس نے قاہرہ، بیت المقدس، بغداد، بمبئی، رنگون اور بٹاویا کا سفر کیا تھا تاکہ معلوم کرے کہ مشرقی ممالک میں اس کے جوتوں کی مانگ کس قدر ہو سکتی ہے۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ دہلی اور کلکتہ میں بھی کارخانے قائم کرے گا لیکن موت نے یہ کام اس کی زندگی میں پورا نہ ہونے دیا۔

مسٹر باٹا کی موت ہوائی جہاز کے ٹکرانے کی وجہ سے ہوئی۔ پہلے پہل تو لوگوں کو اس کا یقین نہ آتا تھا لیکن بعد میں جب سرکاری تصدیق ہوگئی تو پریگ کے لوگوں کو سخت رنج ہوا۔ اور شہر میں کئی جھنڈے سرنگوں کر دئے گئے۔

برسات

کالی کالی گھٹائیں چھائیں   ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
دیکھو جدھر ہے سبزہ سبزہ   پھول بہت سے تازہ تازہ
دشت و جبل گلزار ہوئے ہیں،   گل سے نازک خار ہوئے ہیں
دیدنی ہے کہسار کا دامن   صدقے اُس پہ بہارِ گلشن
دیکھو گھٹا وہ جھومتی آئی   پورب سے کیا کالی کالی
چڑیاں وجد میں گاتیں ترانے   مور خوشی میں آکر ناچے
شور پپیہے کا ہر سو ہے   کوئل کی بھی رٹ کوکو ہے
یہ جو نظر آتا ہے بادل   پل میں ابھی کردے گا جل تھل
آؤ ننھی ننھی بوندو!   اچھلو، کھیلو، زمیں پر کودو
راہ تمہاری تکتے ہیں سبزے   تم بن سوکھ رہے ہیں پودے
تم ہو آبِ حیات کا قطرہ   کون کہے برسات کا قطرہ
ہاں دیکھو وہ بوندیں آئیں   آبِ بقا کا تحفہ لائیں
خوابیدہ سبزوں کو جگایا   افتادہ پودوں کو اٹھایا
پژمردہ غنچوں کو کھلایا   کھلائے پھولوں کو ہنسایا
سب کو حیاتِ تازہ بخشی   نشو و نما کی روح عطا کی
جوش میں جب یہ بوندیں آئیں   خوب زمین پر مل کر برسیں
پھیل کے وہ نالوں سے گذریں   نالوں سے دریا میں پہنچیں
دریا کا وہ جوش وہ طوفاں   وہ شورش وہ جوشش وہیجاں
ٹیلے میدان اور بیاباں   کر دیا اس نے سب کو یکساں
دیکھو جسے سرشار ہوا ہے   بیخود ہر ہشیار ہوا ہے
یہ رنگینی یہ رعنائی   شاہد قدرت کی زیبائی
یہ حُسنِ فطرت کے مظاہر   یہ رنگین و حسین مناظر

جس موسم کے ہیں یہ کرشمے
اس کو ہم برسات ہیں کہتے

لندن کے حالات

۱۔ بچے

اپریل ۔مئی ۔جون میں تو بارش شاذونادر ہوتی ہے ۔باقی تمام سال ولایت کے کسی نہ کسی مقام پر کم یا زیادہ پانی پڑتا رہتا ہے ۔چونکہ پانی کا نکاس اور پکی سڑکوں کا جال ہر جگہ موجود ہے ۔لوگوں کو کام کاج میں بالکل دقت نہیں ہوتی اور بچے بڑے برساتیاں اوڑھے اپنے روزانہ کے فرائض بے تکلف ادا کرتے رہتے ہیں ۔اگر کہیں میدان میں کیچڑ ہو گئی اور لوگ پھسلنے لگے تو سکاؤٹ لڑکے عام طور پر تختوں میں رسّیاں باندھ کر مٹی کیچڑ کو سونت دیتے ہیں اور راستہ صاف کر دیتے ہیں ۔اپنے رئیس ہونے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ۔بلکہ اکثر کیچڑ میں سے کاغذ کے ٹکڑے اور پھلوں کے چھلکے ،سگرٹوں کے بکس وغیرہ چن کر ردی کے ڈبوں میں جمع کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ باغ ۔چمن ۔بلکہ جنگل تک ستھرے نظر آتے ہیں ۔اور موسم صاف ہوتے ہی مرد عورت بچے گروہ گروہ یا تو پارک میں یا کھلے جنگل میں سبزہ پر آرام کرتے اور کھیلنے کے لئے نکل جاتے ہیں ۔اکثر نوجوان پتنگ بھی شوق سے اڑاتے ہیں ۔لیکن زیادہ تر فٹ بال ۔کرکٹ کا زور رہتا ہے اور معمولی معمولی ٹیموں کے میچ میں ہزاروں تماشائی پیسہ خرچ کر کے بارش میں بھیگ کر کھلاڑیوں کی ہمت افزائی کرنے آتے ہیں ۔

گرمیوں میں اسکولوں کے لڑکے اور خصوصاً اسکاؤٹ اپنا اپنا خیمہ اور کھانے کا سامان لے کر ہفتہ کی صبح سے اتوار کی شام تک جنگل میں کیمپ کرتے ہیں ۔اگر سرکاری افسر معائنہ کے لئے نہ آیا تو ایک سینیر لڑکے کو معائنہ کے لئے مقرر کر لیتے ہیں تاکہ چند ضروری باتیں سب کیمپ کرنے والے پوری کریں ۔ مثلاً صبح کا نہانا (تالاب کے سرد پانی میں) خواہ کیسا ہی موسم ہو ۔بستروں کا تہہ کرنا ۔اتوار کی صبح کو سادہ زبان میں خدا سے دعائیں مانگنا ۔اپنی قوم کے جھنڈے کو صبح بلند کرنا ۔شام کو اتارنا ۔بیکار آدمیوں کو کیمپ میں جمع نہ کرنا ۔جنگل سے بلا اجازت مالک لکڑیاں نہ توڑنا ۔رات کو دس بجے سو جانا اور آگ کھلی نہ رہنے دینا ۔کیمپ کے ختم پر صفائی کرنا اور چولھے ۔خیمہ کے نشان تک مٹا دینا

وغیرہ ۔گاؤں میں لوگ ہمارے ملک کی طرح زیادہ تر وا[illegible] میں سستی اور لباس سادہ ۔یہ لوگ گائیں (وہاں غریب بھ[illegible] بھیڑیں گھر گھر نہیں پالتے بلکہ بہت سے لوگ مل کر ہر گاؤں میں ڈیری کی طرح مویشیوں کی علیحدہ دیکھ بھال کرتے ہیں ۔باقا[عدہ] پکے فرش کا دھونا ۔دودھ نکالنے میں پوری صفائی ۔اور چارہ کا بہ[م پہنچانا] تنخواہ دار نوکروں کے سپرد ہے ۔جو اپنے اپنے علاقہ کے دودھ مکھن کے علاوہ لندن اور بڑے شہروں کو ٹھیکہ داروں اور کمپنیوں کے پاس ل[اریوں] میں بھر کر روزانہ پہنچاتے ہیں ۔یہ دودھ ۔بالائی وغیرہ دس ۔بارہ سال بچے اور غریب نوجوان علی الصباح گھر کے دروازوں پر رکھ آتے ہیں ۔مگر صبح پانچ بجے دودھ کی بوتلیں دسمبر کی سردی میں دروازہ پر رکھی دیکھی کوئی ایسی چھوٹی چیزوں کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا ۔غریب لڑکے مد[رسہ] جانے سے پہلے اخبار ۔پھول ۔دودھ ۔ترکاری وغیرہ دوکانداروں [کی] طرف سے بیچ کر کچھ جیب خرچ کما لیتے ہیں ۔ان کو دس برس کی عمر سے پیسہ کمانا اچھا معلوم ہوتا ہے ۔مدرسہ ۱۴ ۔برس تک لازمی جانا پڑتا ہے فیس اور کتابیں سرکار دیتی ہے ۔اگر ترقی اور ہوشیاری ظاہر کی تو وظیفہ حاصل کر کے اعلیٰ عمدہ کالج یا سکول یا کسی صنعت و حرفت کے مدرسہ میں [جگہ] پیدا کرتے ہیں ۔ورنہ ۱۴ برس کی عمر سے چھوٹے چھوٹے مزدوری کے کام ا[ور] محنت مشقت کی خدمت کرنے لگتے ہیں جس پیشہ میں دل لگ گیا اور جگہ نکل آئی اس میں جم گئے ۔درخواستیں بھیج بھیج کر محرّری کی کوشش میں عمر ختم نہیں کرتے ۔جب یہ بچے کسی چھوٹی موٹی دوکان یا کارخانے میں بہت معمولی تنخوا[ہ] پر لگ جاتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ فرصت کے وقت ۔یا شام کو یا چھٹی کے دن کسی کتاب کا مطالعہ کریں یا کسی لکچر کو سنیں یا اپنے کام کے متعلق کسی مختصر سے کورس میں فیس دے کر داخل ہو جائیں تاکہ لیاقت بڑھے اور جلد تنخواہ میں ترقی ہو ۔یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہاں نوکریاں اور مزدوری ہر بچہ کو مل جاتی ہے ۔اوّل تو عورتیں اور لڑکیاں ہر پیشے اور کاروبار میں داخل ہوتی جا رہی ہیں ۔مردوں کی طرح ۸ گھنٹے روزانہ ہفتہ میں پانچ دن بڑی محنت سے ہر قسم کی دوکان پر بیچنے ،حساب رکھنے ۔صفائی کرنے کا کام کرتی ہیں ۔دفتروں ،ڈاک گھروں ،ٹیلیفون ،مدرسے وغیرہ میں ان ہی کا زور ہے ۔وہاں پچاس ،ساٹھ سالہ بوڑھوں کو بھی نوجوانوں کی طرح نوکری کی تلاش رہتی ہے اور سب سے

بڑی مصیبت یہ ہے کہ دو چار پیسہ کی مزدوری سے وہاں بھلا بھی نہیں ہوتا دستی کام کی جگہ مشینوں اور کلوں سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ پس کچے پکے مزدور کی تو دال بھی نہیں گلتی۔ سڑک کو صاف کرنے والے اور عمارت کی اینٹیں اُٹھانے والے بھی اپنے اپنے کام میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرکار کو اکثر بے کار آدمیوں کو ہفتہ وار وظیفہ دینا پڑتا ہے تاکہ لوگ بھوکوں نہ مریں۔ تقریباً تیس روپے ماہوار تو بیکاری کا وظیفہ ہوا۔ بھلا پکے مزدوروں کی تنخواہیں کیا کم ہونگی سپاہی اور میلا صاف کرنے یا سڑک کی مرمت کرنے والے مرد۔ سو روپے ماہوار سے کم نہیں کماتے۔ سب آدمیوں سے ٹیکس بھی زبردست لیا جاتا ہے تاکہ صاف پانی۔ اچھی روشنی۔ عمدہ سڑک۔ مفت تعلیم۔ مفت ہسپتال کی مدد حاصل ہو سکے۔

چونکہ سب بچے ۵ برس کی عمر سے کسی نہ کسی مدرسہ میں داخل ہوجاتے ہیں پس ہفتہ۔ اتوار کے علاوہ گلیوں میں ہمارے بھائیوں کی طرح شوروغل نہیں کرتے۔ مدرسہ کا کام ایسا سخت نہیں کہ گھر پر کھیلنے کے وقت میں بھی کتابیں پالنی پڑیں۔ اور کتابیں تو عموماً مدرسہ ہی میں رہتی ہیں۔ پس شام کو لڑکے طرح طرح کے کھیل جہاں موقع ملتا ہے شروع کر دیتے ہیں۔ مگر مسافروں کا حرج نہیں ہوتا۔ لڑکیاں رسی پر پھرتی اور تیزی سے پاؤں اُچھالتی ہیں۔ اُن کے کھیلوں میں لڑکے دخل نہیں دیتے۔ ۸ برس کی عمر سے آگے کالج کی عمر تک عموماً لڑکے اور لڑکیوں کے مدرسے جُدا جدا ہیں۔ لڑکیوں کو تیرنا۔ بھاگنا ہاکی۔ ڈرل۔ سکپنگ۔ ناچنا وغیرہ اتنے زیادہ کھیل ورزش کے سکھائے جاتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کی طرح جسمانی صحت اور دماغی ترقی میں پیچھے نہیں رہتیں اور اپنی ہمت کے مطابق اُن سے مقابلہ بھی کرتی ہیں۔ ہاکی اور تیرنے میں چند لڑکیوں کی ٹیمیں خاص نام پا چکی ہیں۔ ہوائی جہاز۔ موٹر۔ اور بندوق چلانے میں بھی چند لڑکیاں غیر معمولی نام پیدا کر چکی ہیں۔

اخلاق بے شک اُن لوگوں کا ہم سے ذرا مختلف ہے۔ کسی کے گھر کے حالات۔ سفر کی وجہ۔ نام۔ تنخواہ اور عمر کی بحث درمیان میں لانا سخت بدتہذیبی سمجھتے ہیں۔ کھل کھلا کر ہنسنا۔ سڑک پر تھوکنا۔ بازار میں زور زور سے باتیں کرنا۔ راستہ روک کر کھڑے ہونا۔ یا عورتوں کو جگہ یا راہ نہ دینا۔ یہ سب باتیں بدتمیزی میں شامل سمجھی جاتی ہیں۔ سکول کے لڑکے اگر ایک گھنٹہ بھی کسی اُستاد سے تعلیم پا لیتے ہیں تو دور سے اُس کو دیکھ کر جہاں بھی ملیں گے سلام کے لئے ٹوپی اُتار لیں گے۔ ہر تعلیم یافتہ لڑکا دوسرے آدمی سے اگر معمولی سا کام۔ مثلاً وقت معلوم کرنا۔ یا راہ پوچھنا ہو تو براہِ کرم۔ اور جناب سے بات شروع کرتا ہے اور اکثر سلام کے لئے ہاتھ سر تک اُٹھاتا ہے عورتیں اور لڑکیاں سلام کے لئے ہیٹ نہیں اُتارتیں بلکہ مرد اُن ہی کو پہلے سلام کرتے اور ہیٹ اُتارتے ہیں۔ اُن کی مدد کرنا اور ہمت بڑھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تاکہ دنیا میں بڑے کام کرنے میں عورتیں پیچھے نہ رہ جائیں۔

۴۔ لندن کے نظارے

پہلا فرق جو ایک ہندوستانی کو یورپ کے تقریباً تمام شہروں میں ہندوستان کے مقابلہ پر نظر آئے گا وہ بازاروں اور مکانوں کا سیدھی قطار میں واقع ہونا ہے۔ دوکاندار یا مالک مکان کبھی یہ کوشش نہیں کرتا کہ اپنی حد سے باہر نکل کر اپنا سامان پھیلا دے یا قبضہ کرلے۔ ٹریم کی گاڑیاں وسط سڑک میں۔ ہر دو طرف موٹریں اور گھوڑا گاڑیاں۔ ان کے دونوں طرف یعنی موٹر اور گھوڑا گاڑی کے راستوں سے باہر پیدل مسافروں کے لئے ذرا بلند راستے۔ ہموار۔ صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ چونکہ کارخانوں سے کوئلہ کی باریک گرد اور چمنیوں کا دھواں نکلتا رہتا ہے اور ہر شے پر چھا جاتا ہے اس لئے نہ صرف مکانوں کی دیواریں باہر سے سیاہی مائل ہو گئی ہیں بلکہ مسافر بھی عموماً سیاہی مائل لباس پہنتے ہیں تاکہ اونی کپڑوں کو بار بار دھلانا نہ پڑے۔ اگر بار بار منہ ہاتھ نہ دھویا جائے تو جلد سیاہ اور میلی ہو جاتی ہے۔ دفتر اور کارخانوں میں کام کرنے والوں کی پتلون۔ کوٹ اکثر کہنہ اور بدرنگ ہوتی ہیں۔ کفایت شعاری کے اصول پر یہ لوگ اچھے کپڑے صرف دعوت۔ ناچ رنگ۔ ملاقاتوں اور شام کی سیر کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔ کام میں سنگار نہیں کرتے۔ رئیسوں کے اونچے ہیٹ۔ جوتہ پر سفید کرچ کا غلاف اور سونے کی گھڑی دیکھ کر حیران ہونگے کہ یہ شخص بس یا ٹریم یا ریل کے تھرڈ کلاس ڈبہ میں کیوں داخل ہوا۔ بڑا کنجوس ہے۔ بات دراصل یہ ہے انگریز خواہ مخواہ کی شیخی میں آکر فضول نہیں خرچ کرتے۔ وہاں بڑے سے بڑے رئیس اور حاکم کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ غریب مزدور کو اس کی جگہ سے ہٹا دے۔ موٹر کی بس یا ٹریم گاڑی میں ایک ہی درجہ ہوتا ہے۔ آپ کے کپڑے کیسے ہی ہوں کرایہ ادا کرنے پر آپ بس ٹرام

کے خاموش ڈبہ میں ایک جگہ پر قابض ہوجائیں گے۔ آپ کے قریب بیٹھنے والے رئیس یا غریب لوگ آپ کی طرف نظر پھیر کر بھی نہ دیکھیں گے۔ عموماً اسی روز کا بلکہ صبح۔ دوپہر یا شام کا اخبار پڑھتے ہوں گے۔ شاید گوشے میں کوئی دوست بہت دھیمی آواز میں باتیں کرتے ہوں گے۔ یا شاید گوشہ میں سگریٹ پیتے ہوں۔ ریل کے کچھ ڈبوں میں تو سگریٹ پینے کی اجازت ہوتی ہے اور کچھ میں نہیں۔ سگریٹ پینے والے اگر بغیر اس زہر کو پئے نہیں رہ سکتے تو دوسرے ڈبہ میں چلے جاتے ہیں۔ مگر عموماً ۲۰ برس سے قبل لڑکے سگریٹ پینا عیب سمجھتے ہیں اور بڑے ہو کر بھی اس عادت کے اتنے غلام نہیں ہوتے کہ ایک ایسے قاعدہ کی خلاف ورزی کریں جس سے دوسروں کو آرام ملتا ہو۔

لندن میں جاہل ان پڑھ آدمی آسانی سے سفر نہیں کرسکتا۔ حالانکہ ہر چوراہے پر سپاہی بڑی شرافت اور نرمی سے راستہ بتانے کے لئے آمادہ رہتا ہے اور آپ کے سڑک طے کرنے یا موٹر پکڑنے کے لئے شاید تمام گاڑیوں کو ایک ہاتھ کے اشارہ سے روک دیگا مگر گاڑی کا منزل مقصود۔ ہر موٹر پر ہدایات ٹکٹ۔ مکان کا نمبر وغیرہ کو من آپ کے لئے پڑھتا پھرے گا۔ موٹر بس اور ٹرم پر سوار ہونے میں بھی پھرتی درکار ہے مگر زیر زمین چلتی ہوئی برقیہ گاڑی میں سوار ہونا چستی کا کام ہے۔ کمبخت سرنگ سے نکل کر پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی نہ تھی کہ دروازے خود بخود کھل گئے۔ ادھر لوگ باہر نکلے۔ اُدھر بیٹھ بھی گئے۔ دروازے بند ہوتے ہی گارڈ نے ایک بجلی کے تار کو چھوا۔ گھنٹی بجی اور ڈرائیور نے دستہ گھمایا اور ستر اسی میل کی رفتار سے یہ گاڑی اندھیری سرنگوں میں فراٹے بھرنے لگی۔ اگر ایک سکنڈ بھی آپ کو دیر ہوگئی تو دوسری گاڑی کا انتظار کیجئے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے ایک مزدور لڑکے کو اپنا بھاری سوٹ کیس دیا اور خود معمولی ۲ بنڈل لئے ٹکٹ لے کر سیڑھیوں سے اُترے کہ برقیہ گاڑی میں سوار ہوں۔ جب سامان رکھ چکے تو لڑکے کو غائب پایا۔ گھبرا کر باہر نکلے۔ پلیٹ فارم پر اُس اجنبی لڑکے کا پتہ نہ تھا۔ یہ گارڈ کو چیخ کر کہہ رہے تھے کہ گاڑی ٹھہرالو۔ میرا سامان ..... کہ ظالم نے ہنس کر گاڑی چلا دی یہ بڑے پریشان ہوئے۔ چند منٹ بعد اوپر جو نگاہ کی تو دیکھا کہ صاحبزادے پل پر سامان لئے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آپ کی گاڑی تو دوسرے پلیٹ فارم پر آئے گی عجب عالم تھا۔ بیچارے قوانین سے ناواقف سامان کو کیسے واپس منگائیں۔ اتنے میں ایک سیاہ لباس والا قلی نما انگریز آیا اور انہوں نے اس کے سامنے اپنا رونا رو دیا۔ اُس نے کہا گھبراؤ نہیں ٹیلیفون دیتا ہوں۔ اگلے اسٹیشن سے جواب آیا کہ گارڈ نے دو چھوٹے بنڈل یہاں ایک ڈبے سے اُتار دئے ہیں کہو تو گاڑی کے ذریعہ بھیجیں یا مالک خود آکر لے جائے۔ صرف ایک پیسہ رسید پر ٹکٹ لگے گا۔

اسٹیشنوں پر نہ پان بیڑی سگریٹ۔ نہ دال سیو نہ کباب مٹھائی والے نظر آئیں گے۔ اکثر معمولی اسٹیشنوں پر ٹکٹ دینے والا لینے والا گاڑی کو آمدورفت کی اجازت دینے والا۔ اور آپ کچھ شرافت سے بات کریں تو مفت کا قلی بھی صرف ایک اسٹیشن ماسٹر ہوتا ہے۔ باقی کی ضرورت کیا۔ اگر آپ کو سگریٹ۔ دیا سلائی۔ چاکلیٹ اشامپ وغیرہ خریدنا ہیں تو پلیٹ فارم یا سڑک پر کھڑی ہوئی مشینوں میں مقررہ قیمت کا سکہ ڈال دیجئے اور نیچے کا خانہ کھینچ لیجئے۔ مطلوبہ شے خانہ میں موجود ہوگی۔ وہاں لوگ بے ٹکٹ سفر نہیں کرتے۔ پلیٹ فارم پر صرف وہی شخص داخل ہوسکتا ہے جو کہ ٹکٹ دکھا دے۔ ہر اسٹیشن پر ریل کی پٹریوں کے دونوں طرف اونچے لمبے چبوترے ہیں اور دور تک کسی مسافر کو سوائے معمولی دروازہ کے باہر نکلنے کا موقع نہیں۔ وہاں نہ ہندوستان کی طرح ٹکٹ چیک کرنے والے مسافروں کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر آپ ٹکٹ نہیں خرید سکتے۔ تو اپنا پتہ دیدیجئے۔ پھر دام بھیجدیجئے گا۔ یا اپنا سفر وہیں ختم کرکے اُتر جائیے۔

اسٹیشنوں پر عورتوں کے آرام کے لئے لکڑی کا ایک مختصر کمرہ اکثر بنا ہوتا ہے۔ مگر مرد ہمارے ملک کی طرح مسافرخانوں میں گھنٹوں بیکار نہیں پڑے رہتے۔ شاید چند منٹ قبل اسٹیشن پر پہنچ جاتے ہوں۔ اخبار پڑھتے رہتے ہیں یا چہل قدمی کرتے رہتے ہیں۔ گاڑی آنے پر ایسے ڈبے میں نہیں بیٹھتے جس میں عورتیں زیادہ ہوں یا بہت بھرا ہوا ہو۔

بھاری سامان اور پلندے مال گاڑیوں کے ذریعہ رات کو چلتے ہیں۔ ہلکا سامان سب لوگ اپنے ہاتھ میں اُٹھا کر چلتے ہیں پھر قلی بے چارہ کیا کما سکتا ہے۔ کہاں دہلی کے پلیٹ فارم پر ۱۵۰ قلیوں کی فوج۔ کہاں لندن واٹرلو میں بمشکل نصف درجن ٹھیلہ والے جو محض پر دسیوں کی سرکاری شرح پر مدد کرتے ہیں یا سامان جمع کرا دیتے ہیں۔

ایک تاریخی کہانی

ایک خارجی خلیفہ منصور کے زمانہ میں اکثر فتنے اٹھاتا رہتا اور فساد مچاتا رہتا تھا۔ مگر کسی طرح قبضے میں نہیں آتا تھا۔ منصور نے حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کیا جائے۔ اور جو گرفتار کرکے لائے گا۔ اسے ایک لاکھ درہم انعام دیا جائے گا۔ ایک روز چھپتا چھپاتا وہ بغداد میں کسی طرف جارہا تھا کہ ایک اس کے ہم وطن کوفی نے پہچان لیا۔ اور لپک کر پکڑ لیا۔ اور پکارا :۔ دوڑو دوڑو یہ امیرالمومنین کا باغی مجرم ہے اتفاقاً ادھر سے معن بن زائدہ بھی گذرا۔ یہ عباسی حکومت میں بڑا معزز اور جاں نثار سردار تھا، حکومت اس کو بہت مانتی اور عزت کرتی تھی۔ مجرم معن کو دیکھ کر پکارا۔ خدا کے لئے مجھے پناہ دیجئے اور بچائیے۔ خدا آپ کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

معن نے گھوڑا روک لیا۔ اور پوچھا کیا قصہ ہے؟

کوفی :۔ یہ امیرالمومنین کا باغی مجرم ہے۔ امیرالمومنین کا حکم ہے کہ جہاں ملے قتل کیا جائے اور گرفتار کرنے والے کو ایک لاکھ انعام ہے۔

معن :۔ ہم کہتے ہیں کہ چھوڑ دو۔ پھر اپنے ایک غلام سے کہا تم اپنی سواری پر سے اُتر کر اُسے سوار کرلو۔

کوفی :۔ چلا کر، لوگو دوڑو، یہ شخص امیرالمومنین کے باغی کو چھڑا کرلے جانا چاہتا ہے۔ اور میرے ایک لاکھ کا نقصان کررہا ہے۔

معن کو دیکھ کر کس کی مجال تھی کہ آگے بڑھتا۔

معن نے کہا :۔ جاؤ امیرالمومنین سے کہدو باغی ہمارے پاس ہے یہ کہہ کر معن تو خارجی باغی کو اپنے ساتھ لے کر چلدیا۔ اور انعام کا لالچی کوفی شاہی محل پر پہنچا۔ اندر اطلاع ہوئی۔ اور خلیفہ کے حضور میں سارا قصہ بیان کردیا۔

اسی وقت معن بھی یاد فرمایا گیا۔ اس نے اپنے تمام گھر والوں غلاموں، اور بچوں کو عزیزوں، دوستوں مصاحبوں کو غرض اپنے تمام متعلقین کو بلا کر کہا :۔ دیکھو :۔ اس شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں نے اسے پناہ دی ہے۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھنا۔ میں خدا کی قسم دیکر وصیت کرتا ہوں اس کے بعد وہ دربار خلافت میں پہنچا حضور خلیفہ کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ مگر منصور نے غصہ کے مارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور یہ کہا، کیوں معن تم ہمارے مخالف کو پناہ دیتے ہو!!

معن :۔ جی ہاں حضور

منصور :۔ اور کہتے ہو جی ہاں۔ منصور کے غصہ کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔

معن :۔ یا امیرالمومنین بارہا میری خیرخواہی کی آزمایش ہوچکی ہے میں نے کیسے کیسے مصائب اُٹھائے ہیں۔ کئی مرتبہ اپنی جان پر کھیل گیا ہوں کتنی ہی دفعہ اپنا خون بہایا ہے حکومت اور خلیفہ کی ہمیشہ خدمت کی۔ کیا میری خدمات اس قابل بھی نہیں کہ میں ایک مجرم کو پناہ دسکوں اور وہ میری خاطر رہا کردیا جائے۔ لوگوں کے سامنے اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے۔ اور محض اس خیال سے کہ میں بھی امیرالمومنین کا خاص غلام ہوں۔ اسے جان بخشی کی امید ہوئی۔ بہرحال میں تو پناہ دے چکا اب میں حاضر ہوں۔ حضور جو چاہیں کریں۔

منصور پر اس تقریر سے سناٹا چھا گیا۔ دیر تک گردن جھکائے غور کرتا رہا۔ اتنے دیر میں غصہ ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ پھر سر اُٹھا کر کہا، معن تم نے جسے پناہ دی۔ ہم بھی تمہاری خاطر اسے چھوڑتے ہیں۔

معن :۔ حضور کا کس زبان سے شکر ادا کروں۔ اگر امیرالمومنین کی رائے ہو کہ میری پناہ کا اثر دونا ہوجائے تو حضور اسے کچھ انعام بھی عطا فرمائیں۔ یہ ایسا ہو کہ جان بھی دی۔ مال بھی دیا۔

منصور :۔ اچھا پچاس ہزار درہم عطا کئے۔

معن :۔ حضور جیسی رعایا کی خطا ہو ویسی ہی خلیفہ کی عطا ہونی چاہیئے۔ یہ بڑا خطاوار ہے

منصور :۔ اچھا ایک لاکھ درہم عطا کئے

معن :۔ مگر حضور اسی وقت ملنا چاہیئے۔ بھلائی کے کاموں میں دیر اچھی نہیں ہے۔

منصور نے اسی وقت حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم ابھی معن کے گھر بھجوا دئے جائیں۔ معن روپیہ لدوا کر گھر آئے اور اپنے مہمان سے کہا۔ لو یہ انعام، جان بھی بچی مال بھی ملا۔ اپنے گھر کا راستہ لو۔ اب بادشاہوں کے خلاف کبھی کوشش نہ کرنا۔

خارجی یا تو جان کی خیر منا رہا تھا۔ انعام کی خبر سن کر خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔

تعلیمی کھیل

جماعت دوم کیلئے

۱۔ بورڈ پر لکھ کر جلد مٹانا

مقصد۔ طلبہ تیزی سے سوچ سمجھ کر پڑھیں

تختہ سیاہ پر ایک حکم لکھ کر جلدی سے مٹا دیا جائے اور مقررہ بچوں سے کہیں کہ بورڈ پر جو کچھ لکھا تھا اس کے مطابق عمل کرو جو بچہ صحیح کرے اُسے نمبر دیا جائے۔ یہ کھیل دو فریق بنا کر بھی کھیلا جا سکتا ہے۔ احکامات اس قسم کے ہو سکتے ہیں:-

"فلاں ساتھی کے کان میں کچھ کہو" "پنسل سے کاغذ پر کچھ لکھو" وغیرہ

۲۔ کتاب سے لفظ دیکھ کر لکھنا

مقصد:- طلبہ صحیح لکھ سکیں

اُستاد کتاب کا ایک پیرے گراف مقرر کردے اور طلبہ سے کہے کہ جب میں ایک دو تین کہوں تب یہ صفحہ کھول کر اُس میں سے چھ ایسے الفاظ لکھو جو "س" سے شروع ہوتے ہیں اس طرح دیکھا جائے گا کہ پہلے کون لکھتا ہے۔ (یہاں "س" مثال کے طور پر ہے ورنہ اُستاد دہی آواز بتائے جس کے کافی لفظ پیرے گراف میں موجود ہوں)

۳۔ چیزوں کے نام لکھنا

مقصد:- طلبہ اپنے ماحول سے متعلق چیزوں کے نام جلدی و صحیح لکھ سکیں

دو طالب علم بورڈ پر الگ کھڑے کر دئے جائیں جب اُستاد ایک دو تین کہے تب طالب علم تیزی سے اپنے ارد گرد کی چیزوں کے نام لکھے (اشیاء زیادہ ہوں تو حد مقرر کی جا سکتی ہے مثلاً ایک وقت میں صرف ۸ یا ۱۰ لکھے وغیرہ) جو طالب علم پہلے ختم کرے اُسے مفروضہ نمبروں کا آٹھواں باقی غلطیوں کا حساب لگا کر نمبر دئے جائیں گے۔

۴۔ کون صحیح جمع کرتا ہے،

مقصد:- طلبہ تیزی سے صحیح جمع کر سکیں

تختۂ سیاہ کو زمین پر لٹا کر اُس پر ایک مربع یا مستطیل بنا لیں پھر اُس کے خانوں میں مختلف ہندسے لکھیں۔ مثلاً طلبہ کے دو فریق کر دیں پہلے فریق کو



ایک ٹھیکری دیدیں جس پر کوئی سا ہندسہ لکھا ہوا ہو مثلاً ۱۰ اس فریق کا طالب علم اس ٹھیکری کو کسی خانے میں پھینکے یہ ٹھیکری جس خانے میں گرے اُسے جمع کرکے دوسرے فریق کا طالب علم بتائے اس طرح دیکھا جائے گا کہ کونسا فریق جمع اچھی جانتا ہے۔

۵۔ صحیح جمع کرنا

مقصد:- طلبہ تیزی کے ساتھ جمع کر سکیں

ایک لڑکے کے ہاتھ میں ۲ × ۳ کے ایسے گتے ہوں جن پر مختلف ہندسے مثلاً ۹ - ۷ وغیرہ لکھے گئے ہوں۔ ان مختلف ہندسوں

کو جمع کرنے سے جو جوابات آئیں اُن کے گتے مقابل کے طالب علم کے پاس الگ ہوں مثلاً ۱۶ پہلا طالب علم کوئی سے دو ہندسے دکھائے۔ مقابل کا طالب علم اُس کے جواب کا گتا دکھائے۔ پہلا طالب علم چند مرتبہ پوچھنے کے بعد اب دوسرے طالب علم کی باری آئے۔ اس طرح دیکھا جائے گا کہ کون صحیح بتاتا ہے۔

۶۔ ہندسوں کی دوڑ

مقصد:۔ طلبہ تیزی سے ہندسے لکھ سکیں

طلبہ کے دو فریق بنائے جائیں (ہر ایک فریق میں ۴ یا ۶ طالب علم کافی ہیں) دونوں فریق کو علیحدہ علیحدہ بورڈ کے سامنے متوازی حالت میں کھڑا کردیں دونوں فریق کے پہلے طالب علم کے ہاتھ میں چاک دیدیں۔ اُستاد کوئی سی رقم مقرر کردے مثلاً ۲۲۶ پھر ایک دو تین کہے تین کہنے پر پہلا طالب علم دوڑ کر اُس کے آگے رقم مثلاً (۲۲۷) لکھدے اور تیزی سے واپس ہوکر ساتھی کو چاک دیدے ساتھی اُس سے اگلی رقم مثلاً (۲۲۸) لکھے جو فریق پہلے کام ختم کرے گا اُسے مفروضہ نمبروں کا آٹھواں اور باقی غلطیوں کا حساب لگاکر نمبر دئے جائیں (رقم کے متعین کرنے میں یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ پہلی رقم کے بعد جو رقم لکھی جائے وہ بقدر ۲ یا ۴ یا ۶ کے زیادہ ہو مثلاً ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲ وغیرہ۔

۷۔ میری مدد کون کرسکتا ہے

مقصد:۔ طلبہ صحیح جمع کرسکیں

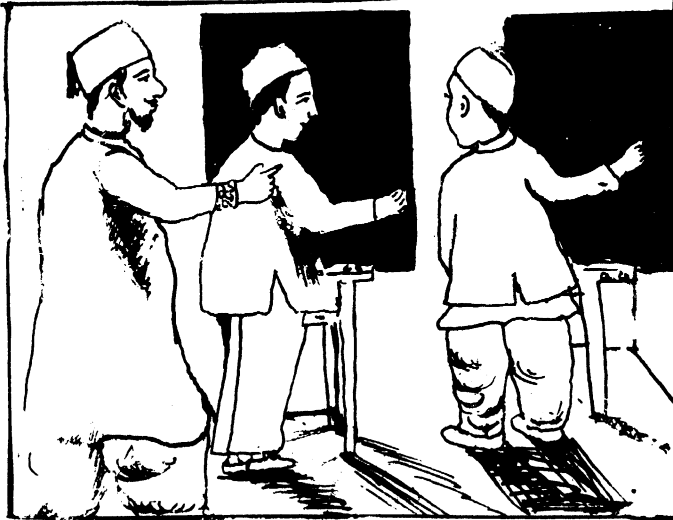
جماعت کا ایک طالب علم کھڑا ہوجائے اور جماعت سے کہے کہ میں ۱۲ ہوں اور ۱۷ بننا چاہتا ہوں میری مدد کون کرسکتا ہے۔ جو طلبہ مدد کرسکتے ہیں وہ ہاتھ اُٹھائیں اُن میں سے کسی طالب علم سے پوچھا جائے تمہارا نام؟ تب وہ بچہ کہے "۵" (اس لئے کہ ۱۲ + ۵ = ۱۷ گویا اس لڑکے نے مدد کی) باری باری سے کئی طالب علم کھڑے ہوں اس طرح دیکھا جائیگا کہ جماعت میں سب سے زیادہ کونسا لڑکا مدد کرنے والا ہے۔

۸۔ لکیریں کھینچنا

مقصد

طلبہ تیزی سے سیدھی لکیریں کھینچ سکیں

دو طالب علم بورڈ پر الگ الگ کھڑے کردئے جائیں جب اُستاد ایک دو تین کہے تب طالب علم جلدی سے سیدھی لکیریں بورڈ پر کھینچے جو طالب علم پہلے ختم کرے اُسے مفروضہ نمبروں کا آٹھواں اور باقی غلطیوں کا حساب لگاکر نمبر دئے جائیں گے (اس کی مشق جماعت میں کافی ہونی چاہئیے عام طور پر طلبا ٹیڑھی سطریں لکھا کرتے ہیں)



نتیجہ انعامی معما

۱۰ رجولائی کا انعامی معما شاید زیادہ مشکل تھا کہ کسی بچہ کا صحیح حل موصول نہیں ہوا۔ اس مقابلہ میں کل پانچ حل آئے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت غلط تھا۔ ایک میں صرف ایک غلطی تھی اور باقی تین میں دو۔ دو۔ ایسی صورت میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ انعام تمام مقابلہ کرنے والوں پر بہ ترتیب ذیل تقسیم کر دیا جائے۔ تمام بچوں کو اُن کے انعام پیام تعلیم شائع ہونے کے دوسرے دن دفتر سے بھیج دئے جائیں گے۔

۱۔ محمد خالد صاحب ۔ گوجرانوالہ ۔ ایک روپے کی کتاب

۲۔ محمد حسن صاحب ۔حیدرآباد آٹھ آنے کی کتاب

۳۔ محمد یوسف صاحب ۔جالنہ " " "

۴۔ زین العابد صاحب بارہ بنکی " " "

صحیح حل درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

ی	ر	د	✕	ت	ا	ر
ا	✕	م	ر	ن	✕	ن
س	ا	✕	ح	✕	ن	گ
✕	ر	ا	م	س	م	✕
م	ہ	✕	د	✕	ک	ر
ا	✕	خ	ل	ب	✕	ا
ر	ا	و	✕	ی	م	ز

پہیلیاں

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے خریدار اپنے پرچہ کو بہتر بنانے کے لئے ہمارے پاس طرح طرح کی تجاویز بھیجنے لگے ہیں۔ جو معمے اب تک ہم شائع کرتے رہے ہیں وہ عموماً انگریزی طرز کے ہوتے تھے۔ مفید ہونے میں اگرچہ شک نہیں لیکن ان میں بچوں کی وہ دلچسپی پیدا ہونا ممکن نہ تھی جو ہندوستانی پہیلیوں میں ہوگی۔ آج ہم حافظ نبی احمد صاحب۔ دہلی کی بھیجی ہوئی چند پہیلیاں درج کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ بچے انہیں بوجھ کر مقررہ وقت سے قبل دفتر کو بھیج کر مقابلہ میں شریک ہوں گے۔

۱۔ اندر بال اور اوپر چام
بیچ ہزار کے بکے دام
اس کو کھائیں خاص و عام
تم بتلاؤ اُس کا نام

ہدایات:۔ ایک پھل ہے جو جولائی میں بکثرت ہوتا ہے

۲۔ کالے منہ کی بھرے قلانچے
اُلٹی ہو اُنگلی پہ ناچے
جب وہ کوئیں میں لگائے ڈبکی
دل کا حال بتائے چپکی

ہدایات:۔ صرف پڑھے لکھے لوگ استعمال کرتے ہیں

۳۔ دو بچے بیجان۔ بانجھ اُنکی مہتاری
اُنکا رچا ہے بیاہ۔ چل رہی گا نیوالی

ہدایات:۔ بچوں کو دل بہلاوے ہے۔

۱۔ تمام حل یکم ستمبر تک پہنچ جائیں
۲۔ انعام میں سال بھر کے لئے پیام تعلیم یا ۱۲ کی کتابیں دیجائینگی
۳۔ ہر حل کے ہمراہ ۲ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۴۔ ایک سے زیادہ صحیح حل موصول ہوئے تو ایڈیٹر کو اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے فیصلہ کرے۔

قیمت سالانہ عہ

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ ۲ر

جلد ۱۲ | ۱۲ر اگست ۱۹۳۲ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

نتیجہ انعامی معما

۱۲ر جولائی ۳۲ء کے انعامی معمے کا صحیح حل بہت سے بچوں نے بھیجا ہے۔ لیکن فیصلہ چونکہ بذریعہ قرعہ کیا گیا اس لئے انعام احمد رشید صدیقی صاحب گورکھپور کو دیا جاتا ہے۔ وہ چاہیں تو عہ کی کتابیں طلب کریں یا چاہیں تو ایک سال کے لئے پیام تعلیم جاری کرالیں۔ ہم رشید صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں اور اُن کے خط کے منتظر ہیں۔

صحیح حل

	گ	ج		ر	د	
	ا	ن	د	و	ک	
پ	ی	س		ی	ہ	د
ا						ا
ن	ا	ش		ز	ی	م
	ن	ا	م	ر	ا	
	ی	ل		ہ	ر	

دنیا کے بچّے

(گذشتہ سے پیوستہ)

میدان کے بچے، (کرغی بچے)

چندہ ماموں نے کہا "اب کہاں کا ارادہ ہے؟"

میں نے جواب دیا کہ ایشیا میں چلو۔ وہاں ان بچوں سے ملیں گے جو ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں گھاس ہی گھاس ہے۔

چندہ ماموں اتنے آہستہ آہستہ اُڑے کہ مجھے نیند آگئی۔ ہم اڑتے اڑتے اس میدان میں پہونچے ہی تھے کہ میں ان کی کمر پر سے پھسل گیا چندہ ماموں ایسے گھبرائے کہ وہ بھی گر گئے اور پھر تو کتے کو بھی گرنا ہی تھا ہم تینوں ایک بڑے سے ڈیرے کی چھت کے سوراخ میں جا پڑے ڈیرے کے نیچے آگ جل رہی تھی اور آگ پر دیگچی میں پانی اُبل رہا تھا۔ چندہ ماموں جو گرے تو دیگچی یہ جا وہ جا، تمام قالینوں پر پانی بکھر گیا۔ کتے کی دُم جل گئی۔ لگا بھونکنے۔ اس ہڑبونگ سے ایک آدمی جو کونے میں سو رہا تھا جاگ گیا۔ بولا "کیا ہو رہا ہے؟" میں نے کہا "ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہم تو گر پڑے ہیں" اس نے پوچھا "کہاں سے؟" میں نے اوپر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "وہاں سے" اول اول وہ یہ سمجھا کہ ہم گپ ہانک رہے ہیں۔ باہر گیا اور ہمارے گھوڑے دیکھنے لگا۔ گھوڑے کہیں ہوتے تو دکھائی دیتے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ ہم اوپر سے آئے ہیں۔ ان کے یہاں کبھی کوئی شخص اس طرح نہیں آیا تھا۔ اس لئے ہمارے متعلق عجیب عجیب خیالات اس کے دل میں آنے لگے۔ اپنے کنبے کے سارے آدمیوں کو بلا لایا۔ اور کہا کہ دیکھو یہ آسمان سے آئے ہیں۔

میں نے کہا "جناب ہمیں زیادہ فرصت نہیں ہے۔ آپ کے بچے دیکھنے حاضر ہوئے ہیں۔ اس پر وہ تو کچھ نہیں بولا۔ ایک لڑکی نے کہا "ننھا تو یہ رہا" یہ کہہ کر اونٹ کے بالوں کا ایک تھیلا ہمارے سامنے کر دیا۔ جس میں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز پڑی ہوئی ہے۔ چندہ ماموں تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹکے۔ ان کو ڈر تھا کہ لال ہندی بچے کی طرح یہ بھی کہیں آنکھ میں انگلی نہ گھبو دے۔ اور غوں غوں کرے۔ کہنے لگے "باہر چلو، باہر" ہم باہر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ درخت کا کہیں نشان تک نہیں۔ ہر طرف گھاس ہی گھاس ہے اور سینکڑوں بھیڑ، بکری اور گھوڑے چرتے پھرتے ہیں۔ چندہ ماموں بولے "یہ کتنی گھاس کھاتے ہوں گے؟۔ اگر تھوڑے دن ٹھہر جائیں تو ساری گھاس ختم ہو جائے" ایک آدمی جو ہمارے پاس ہی کھڑا تھا۔ بولا "بے شک جب یہ ختم ہو جائے گی تو ہم آگے چل دیں گے۔ کبھی کبھی تو ہمیں دن کے دن ڈیرہ اٹھانا پڑتا ہے"۔

چندہ ماموں نے پوچھا "یہاں مدرسہ کدھر ہے" ایک لڑکا برابر ہی میں کھڑا تھا۔ بولا "مدرسہ یہاں کوئی نہیں"۔ ہم نے کہا "تم کچھ پڑھتے لکھتے بھی ہو؟" اکڑ کر بولا "ہم تو گھوڑے کی سواری سیکھتے ہیں۔ میں تین برس کا تھا۔ بچوں کا زین کس کے مجھے گھوڑے پر چڑھا دیا اور پیچھے سے اس کے ایک ہنٹر رسید کیا۔ اس طرح گرتے پڑتے سواری آگئی۔ تھوڑے دن بعد کسی چیز کی ضرورت نہ رہی۔ اب میں شریر سے شریر گھوڑے پر بھی چڑھ سکتا ہوں"۔

میں نے پوچھا "بس یہی جانتے ہو؟" بولا "نہیں۔ میں بھیڑوں کی رکھوالی کر سکتا ہوں۔ کسی کو ادھر اُدھر نہیں جانے دیتا۔ اور جب ہم ڈیرے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تب بھی بہت کچھ کرتا ہوں۔ رات بھر آرام کیجئے۔ صبح کو ہم ڈیرے اٹھا رہے ہیں۔ تب دیکھئے گا کہ لڑکے کتنا کام کرتے ہیں۔" میں نے پوچھا "تم پڑھ سکتے ہو" بولا "پڑھنا تو بڑے بوڑھوں اور عقل مندوں کو آتا ہے۔ ابّا تو پڑھ ہی نہیں سکتے۔ لیکن وہ امیر بہت ہیں اور لڑتے بھی خوب ہیں۔"

ہم نے اُونچ نیچ سوچ کر آپس میں یہی طے کیا کہ رات کو ٹھہر کر صبح کو ان کے ساتھ جہاں تک وہ جائیں، چلیں۔ گرمی بہت تھی اس لئے ہم تو ڈیرے کے باہر گھاس پر سوئے۔ مگر وہ سب کے سب اندر ہی سوئے۔ بے چارے بچوں نے ساری رات ڈھور ڈنگروں کے ساتھ کھلے میدان میں گذاری۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ گرمی میں تو آسمان کے نیچے اور سردی میں غاروں یا بڑے بڑے سوراخوں میں

سوتے ہیں ۔ صبح سورج نکلتے ہی سب کے سب اٹھے ۔ عورتیں اور بچے فوراً کام میں لگ گئے ۔ ڈیروں کو گرایا اور سب کو باندھ جوڑ کر اونٹوں پر لاد دیا ۔ اب لڑکیوں اور عورتوں نے بھڑک دار کپڑے پہنے اور سب روانہ ہوگئے ۔

قافلہ بہت آہستہ آہستہ جا رہا تھا ۔ ایک آدمی آگے آگے بھالے سے راستہ بتاتا جاتا تھا ۔ بڑھی بڑھی عورتیں اونٹوں اور گھوڑوں پر بیٹھی راستہ بھر اونٹوں کے بالوں سے تاگے بناتی رہیں ۔ لڑکیاں پیدل ۔ مرد اور لڑکے گھوڑوں پر ۔ لڑکے اپنی سواری کے کرتب دکھانے کے لئے بہت دیر تک ہمارے چاروں طرف چکر لگاتے رہے ۔ تمام دن کے تھکے ہارے ایک منزل پر پہونچے ۔ باپ تو زین اتار ۔ کمر کھول سوگیا ۔ لڑکوں نے خوب شور مچایا ۔ تمام بھیڑ بکریوں کو اکٹھا کیا اور عورتیں بےچاری ڈیرے کھڑے کرنے میں مصروف ہوگئیں مگر مردوں نے کوئی کام کرکے نہیں دیا ۔ ڈیرہ بید کی چھپٹیوں کا گول بنا ہوا تھا ۔ اس کو اونٹ کے بالوں کے نمدے سے ڈھک لیا ۔ دروازہ بھی نمدے ہی کا تھا ۔ چھت پیالہ جیسی ۔ بیچ میں ایک سوراخ جس میں اندر سے دھواں اور باہر سے روشنی آتی تھی ۔ بچوں نے زمین پر قالین بچھائے اور کھانے کے تھیلوں کو لٹکایا ۔ اس کے بعد آگ جلائی اور پانی کی دیگچی رکھ دی ۔ یہ سب کام تھوڑی سی دیر میں ہوگئے مگر مرد سب کے سب سوتے ہی رہے ۔ ماموں چندہ کو بھوک بہت لگتی تھی ۔ کہنے لگے ۔ ”یہ لوگ چار کب پیتے ہیں“ میں نے کہا ”چائے نہیں پیا کرتے اور روٹی بھی جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے ۔ اگر انھیں کل تک بھوک نہ لگی تو ہمیں بھی کچھ کھانے کو نہیں ملے گا“

یہ سن کر انہوں نے ایسا منہ بنایا کہ میں ایک آدمی کے پاس جو جاگ رہا تھا گیا ۔ اور اس سے کہا کہ یہاں کچھ کھانے کو بھی مل سکتا ہے؟ بولا ”خوب یاد دلایا ۔ میرے پاس تھوڑا سا گھوڑے کا جھلسا ہوا گوشت رکھا ہے ۔ اگر کہو تو لاؤں “

چندہ ماموں گھوڑے کے گوشت کا نام سن کر بہت خوش ہوئے انھیں ایسی چیزیں اچھی لگتی تھیں ۔ اگر کہیں سے تھوڑے آلو یا بھیڑ کا گوشت ملتا تو میں تو اپنا ایک آدھا کپڑا بھی دے کر مول لینے کو تیار تھا

لیکن ان لوگوں کو بھیڑ کے گوشت کا شوق نہیں ۔ گھوڑے اور بکرے کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے کرکے چربی میں تل کر کھاتے ہیں ۔ اگر کبھی گیہوں مل گئے تو انھیں ابال لیا اور کچے دودھ سے کھالئے ۔ چندہ ماموں ڈیرے کے اندر دوڑے دوڑے گئے ۔ میں بھی پیچھے ہولیا اتنے میں پہونچا اونھوں نے اپنا منہ کسی چیز سے بھر لیا ۔ میں نے کہا ”آپ بڑے ندیدے ہیں “ کہنے لگے ۔ ”ہوں تو ۔ جب تم میرے ساتھ چاند میں رہو اور وہاں تمہیں سینکڑوں برس تک کوئی چیز کھانے کو نہ ملے ۔ پھر تم آؤ اسکیمو اور ہندی کے گھر ۔ اس وقت اگر تم گھوڑے یا بکرے کے گوشت کو برا کہو تو جانوں ۔ میرے نزدیک تو یہ کھانا بہت اچھا ہے “ ۔ جب وہ کھا چکے تو کہنے لگے ”بس بہت ہوچکی “ میں نے کہا ”میرا بھی یہی خیال ہے ۔ میں نے کہا ”تم جیسا کھاؤ دنیا میں نہیں دیکھا“ بولے ” میں نے کھانے کو تھوڑا ہی کہا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بہت رہ چکے ۔ یہاں تو کوئی اور چیز دیکھنے کو ہے نہیں کسی اور جگہ چلو “

”کوئی چیز نہیں ! ۔ میلوں تک گھاس ، ڈیرے ، خیمے ، بھیڑ ، بکریاں ، ڈھور ، ڈنگر ، اونٹ ، آدمی ، عورتیں ، بچے ، تھوڑی چیزیں ہیں ۔ اس سے زیادہ کیا چاہیئے ؟ “

” یہ تو سب کچھ دیکھ چکے ۔ ٹھہر کر کیا کریں گے ۔ جیسا آج ویسا ہی کل یہ لوگ تو یکساں طریقے سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ کچھ بدلتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے “

میں نے کہا ” یہ تو آپ ٹھیک فرماتے ہیں ۔ ہزاروں برس سے یہ لوگ ایسے ہی ہیں اور اسی طرح رہتے ہیں ۔ لیکن بات یہ ہے کہ کل کو سردار ایک بڑی دعوت کر رہا ہے ۔ آج کی رات ٹھہر جائیں ۔ یہ بھی تو دیکھیں کیسی ہوتی ہے “

خیر ۔ وہ ٹھیر گئے ۔ دوسرے دن شام کو دعوت ہوئی ۔ سب کے سب ایک دائرے میں بیٹھ گئے ۔ مرد سب سے آگے تھے ۔ ان کے پیچھے لڑکے عورتیں اور لڑکیاں ساتھ ساتھ لگی ہوئی ۔ ایک عورت تھوڑا سا پانی لائی ۔ ہم نے ہاتھ دھوئے ۔ سردار نے کھانا شروع کیا ۔ ہاتھ ڈال کر سب سے اچھا گوشت کا ٹکڑا نکالا ۔ اپنے آپ ایک بڑک مار کر پاس والے کو دیدیا ۔ ہر آدمی نمبروار ایک ایک بڑک مارتا رہا ۔ جب وہ

ٹکڑا آخری دائرے میں پہونچا تو اس میں بجز ہڈیوں کے کچھ باقی نہ تھا۔ عورتوں نے ہڈی ہی چچوڑ لی۔ اور جب اس پر گوشت کا ایک ریشہ بھی نہ رہا تو ایک لڑکی نے ہڈی کتوں کو پھینکدی۔ کتوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ بڑا کتا سب سے نفع میں رہا۔ جب سب کھا چکے تو ہاتھ دھوئے اور کہانی سننے بیٹھ گئے۔ وہ کہانی یہ تھی:۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے . . . . . . " چندہ ماموں بولے " یہ تو میں سن چکا ہوں" میں نے کہا " آپ نے نہیں سنی۔ ذرا صبر تو کیجئے۔ جس وقت کہانی ہوا کرے مہربانی کر کے آپ بیچ میں نہ بولا کریں۔ ورنہ مجھے معاف کریں، کسی اور کو تلاش کریں" اس پر چندہ ماموں خاموش ہوگئے اور میرے کان میں کہنے لگے "ناراض نہ ہوجئے۔ آئندہ نہیں بولوں گا"

بہت عرصہ ہوا۔ ایک سردار تھا۔ اس کے بال بچے نہ تھے۔ وہ ایک دعوت میں گیا۔ اور لوگ جن کے اولاد تھی اس پر ہنسا سردار بہت خفا ہوا۔ اور دعوت میں سے اٹھ کر چلا گیا۔ گھر پہونچ کر بیوی کو ساتھ لے، گھوڑے پر سوار ہو جنگل کو نکل گیا۔ وہ بہت رویا۔ اتنا کہ راستہ تک کا پتہ نہ رہا۔ گہرے گہرے کھڈوں میں ہو کر گذرا۔ بڑے بڑے دریا پار کئے مگر اسے خبر نہ ہوئی۔ ایک جگہ پہونچ کر تھم گیا۔ لیکن رونا پھر بھی بند نہ ہوا۔ بہت دن بعد ایک ننھا سا بچہ ڈیرے کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ رونا دھونا چھوڑ اسے پیار کرنے لگا۔ اور پالنا شروع کر دیا +

سردار اس لڑکے سے بہت محبت کرتا تھا۔ اسے گھوڑے کی سواری سکھائی۔ تیر چلانا اور بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرنا بھی سکھایا۔ یہ بچہ چھ برس کی عمر میں اپنے سب ہم عمر اور ہجولیوں سے بڑا اور ہوشیار تھا۔ اس کو اگر کوئی کھیل پسند تھا تو شکار۔ جب وہ دس برس کا ہوا تو اپنے باپ یعنی اس سردار سے کہنے لگا " ابا۔ آپ کا کوئی دشمن تو نہیں ہے۔ اگر کوئی ہو تو مجھے بتائیے۔ میں اسے مار ڈالوں گا"

باپ نے جواب دیا " بیٹا۔ ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔ ذرا بڑے ہو جاؤ تو میں تمہیں ایسا گھوڑا دوں گا جو کبھی نہ تھکے۔ اس پر چڑھ کر جہاں جی چاہے جانا۔ لیکن ابھی کہیں جانے کا نام نہ لو۔ گھر پر رہو اور آرام کرو"

لڑکے نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن رات ہوتے ہی اپنے آپ گھر سے چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے ایسی جگہ پہونچا جہاں کسی آدمی یا جانور کا نشان تک نہ تھا یہ وہیں رہنے لگا۔ جب بھوک لگتی دو چار چڑیاں شکار کرتا۔ کھا لیتا۔ اس طرح دن بدن اس کی طاقت بڑھتی گئی۔ اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔ ایک روز اسے دور سے آدمی دکھائی دیئے وہ ان سے ملنے پیدل روانہ ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ دشمن ہیں۔ لیکن ڈر تو اس کو تھا ہی نہیں۔ جاتے ہی لڑائی شروع کر دی۔ پہلے گھوڑا مارا۔ پھر آدمی۔ پھر دوسرا گھوڑا۔ اس کے بعد دوسرا آدمی۔ اس طرح اس نے بہت سے آدمی مار ڈالے۔ اول اول تو وہ لوگ ڈرے لیکن بعد میں یہ خیال کر کے کہ یہ تو اکیلا ہی ہے۔ سب نے ہمت کی اور ایک دم اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور مارنے لگے۔ لیکن اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ بلموں کی دھاریں خراب ہوگئیں اور تیروں کی نوکیں ٹیڑھی پڑ گئیں +

جب سے وہ گھر سے بھاگا تھا سردار اسے جنگل جنگل ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس لڑائی کے دن وہ بھی کہیں آس پاس ہی تھا۔ گرد جو اڑتی دیکھی اور اس کے ساتھ شور بھی سنا۔ سمجھ گیا کہ لڑائی ہو رہی ہے۔ بیوی سے کہا کہ " دیکھو جہاں لڑائی ہو رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہمارا لڑکا ہی کسی سے لڑ رہا ہے۔ تم گھوڑے پر زین کس کے تیر کمان اور بلم لا دو۔ میں جا کر اس کی مدد کرتا ہوں" بیوی نے کہا " گھبراؤ نہیں، اللہ بہتری کرے گا۔ ہوگا تو وہی جو خدا کی مرضی ہے"

سردار اپنے سب سے تیز گھوڑے پر بیٹھ۔ تیر کی طرح وہاں پہونچا کیا دیکھتا ہے کہ لڑکا تو پڑا سو رہا ہے اور لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنے گئے ہیں۔ سردار نے اسے اٹھایا اور تھوڑا سا دودھ جو ساتھ لے گیا تھا وہ پلا کر دعا دی۔ " بیٹا! یہ پیو۔ خدا کرے کہ تم بہت طاقتور ہو جاؤ۔" دودھ پیتے ہی لڑکا تر و تازہ ہوگیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں کا پیچھا کیا تھوڑی سی دیر میں پانچ سو آدمی اور مار ڈالے +

لڑکا باپ کے ساتھ اپنے گھر گیا اور دو تین ہفتے ٹھیرنے کے بعد کہنے لگا۔" ابا جان۔ چلئے۔ یہاں سے چلیں اور اپنے دوسرے رشتہ داروں سے ملیں" سردار نے کہا " راستہ میں ڈاکو بہت ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں مار ڈالیں" لڑکا بولا " کیا پرواہ ہے!" اور یہ کہہ کر باپ اور

ماں کو ساتھ لے وہاں سے روانہ ہوگیا +

جب اپنے باپ کے گھر پہونچا تو دیکھتا ہے کہ چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں۔ ان سے بے دھڑک لڑائی شروع کردی۔ اور چھ دن تک برابر لڑتا رہا۔ ایک ایک دشمن کو چن چن کر مار ڈالا۔ اس کے بعد لڑکا شہر میں داخل ہوا۔ ہر شخص اس سے مل کر خوش ہوا۔ اس کی دعوتیں کیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہننے کو دیئے اور خوب غل غپاڑا مچایا۔ گھر پہونچ کر وہ سردار کے ساتھ اس کے مرتے دم تک رہا +

چندہ ماموں کہنے لگے "کیسی جھوٹی کہانی ہے۔ کہیں بچہ سینکڑوں آدمیوں کو مار سکتا ہے"

میں نے کہا "پرستانی کہانی ہے۔ ایسی کہانی کبھی سچی نہیں ہوتی"

چندہ ماموں بولے "ہمارے یہاں چاند میں پرستانی کہانی کا کسی نے نام بھی نہیں سنا۔ اور نہ وہاں اس کا دستور ہے"

میں نے کہا "جہاں پرستانی کہانی نہ کہی جائے وہاں میری طبیعت تو لگے نہیں"

اتنے میں چندہ ماموں اچھل کر کہنے لگے "میاں صاحبزادے یہ کیا ہے؟" میں نے کہا "یہ تو اونٹ ہے۔ بولے "اونٹ کسے کہتے ہیں۔ گھوڑے کو؟" میں نے کہا "کہتے کسے۔ اونٹ اونٹ کو کہتے ہیں جب یہ لوگ بڑے بڑے میدانوں میں سے گذرتے ہیں تو انہیں اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں کی بھی" پوچھا "یہ لوگ خریدتے کہاں سے ہیں؟" میں نے جواب دیا "ریتیلے ملکوں سے۔ جس طرح اسکیمو برف کے میدانوں میں رہتے ہیں اور کرنجی گھاس کے میدانوں میں۔ اسی طرح اونٹ ریت کے میدانوں میں ملتے ہیں۔ وہی عرب لوگوں کا وطن ہے۔ ان کے ملک میں بارش تو ہوتی نہیں ہے۔ اس لئے سب طرف خشکی ہی خشکی ہوتی ہے"

چندہ ماموں بولے "ایسا خشک ملک تو دیکھنا چاہیئے" میں نے کہا "چلیئے"!

تھوڑی دیر میں ہم ایک بڑے ریگستان میں پہونچ گئے۔ جہاں عرب رہتے ہیں +

ہمایوں

ہمایوں جب تخت پر بیٹھا تو اوس کو بڑی دشواریوں کا سامنا ہوا۔ کابل سے پنجاب تک سارے صوبے کامراں اس کے بڑے بھائی کے پاس تھے۔ ہمایوں صرف دہلی و آگرہ کا بادشاہ ہوا۔ اس پر بھی دشمن چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔ اور ہر وقت ہمایوں کو شکست دینے اور اس سے ملک چھیننے کی تاک میں تھے +

ہمایوں بہت لایق، ہوشیار اور شایستہ تھا۔ لیکن ایسا چست اور مستعد نہ تھا جیسا بابر۔ بابر کی زندگی میں اس کو لڑائی اور حکومت کرنے کے سب تجربے ہو چکے تھے۔ پھر بھی وہ اس قدر ہوشیاری اور مستعدی سے کام نہ کر سکتا تھا +

تھوڑے ہی دنوں بعد اس کو گجرات میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور وہاں اس نے بڑی کامیابی حاصل کی اور اپنی بہادری کا ثبوت دیا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا اور اس کو بہار میں شیر شاہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ شیر شاہ نے بغاوت شروع کر دی تھی۔ ہمایوں شیر شاہ کا مقابلہ نہ کر سکا اور دو مرتبہ اس کو سخت شکست دی۔ قنوج کی لڑائی کے بعد ہمایوں کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی اور وہ مارا مارا پھرتا رہا۔ ہندوستان میں اکثر راجاؤں سے اس نے مدد لینا چاہی۔ مگر کوئی تیار نہ ہوا۔ بالآخر وہ ایران گیا اور وہاں کے بادشاہ نے اسے فوج دی۔ اور ہمایوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ قندھار سے ہندوستان پر حملہ کیا اور آگرہ و دہلی کو دوبارہ فتح کیا۔ اس مرتبہ صرف سات مہینے حکومت کرنے پایا تھا کہ اتفاق سے کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گرا۔ اور کچھ دنوں بیمار رہ کر انتقال ہوگیا +

جس زمانہ میں ہمایوں اپنی جان بچائے سندھ میں پھرتا تھا۔ اسی حالت میں امرکوٹ کے مقام پر اکبر پیدا ہوا۔ اس پریشانی کی حالت میں یہ خوش خبری سُنکر اپنی تباہی اور بے کسی پر ہمایوں کو اور بھی رنج ہوا۔ اپنے ساتھیوں اور نوکروں کو انعام دینے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ مشک کا ایک نافہ توڑ کر سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا۔ یہ خدا کی شان تھی کہ اس بچہ کا نصیب ایسا جاگا کہ اس کی شہرت مشک کی خوشبو کی طرح تمام دنیا میں پھیل گئی اور وہ مغلیہ خاندان کا سب سے بڑا اور نیک نام بادشاہ ہوا +

داستان گو کی بہترین کہانی

بادشاہ لنسٹر کے دربار میں ایک داستان گو رہتا تھا جو اُسے بہت عزیز تھا۔ اور اُسے بادشاہ کی طرف سے اس شرط پر ایک بڑی جاگیر عنایت کی گئی تھی کہ جب تک وہ بادشاہ کو سوتے وقت کہانی سنایا کرے گا وہ جائداد برقرار رہے گی۔ ایک روز بادشاہ کے لئے اُسے کوئی کہانی یاد نہ آئی۔ اس کی بیوی نے کہا "تم رتھ اور گھوڑے تیار کراؤ۔ ہم سیر کو چلیں۔ ممکن ہے کہ تمہیں کوئی قصہ یاد آجائے۔"

داستان گو کو بھی یہ تجویز پسند آئی اور وہ دونوں اپنی خوبصورت دو گھوڑوں کی گاڑی میں بیٹھ اور تین کتے اپنے ساتھ لے، تفریح کو چلدئے۔ شام کو واپسی کے وقت اُنہیں ایک بوڑھا آدمی ملا جو سڑک کے کنارے پڑا تھا اور اس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی

"تم کون ہو؟" داستان گو نے پوچھا۔

"اجی مجھ غریب کا کیا ہے؟ ایسے ہی سڑک پر پڑا اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں"

"لیکن تمہارے ہاتھ میں یہ ڈبّہ اور پانسا کیوں ہے؟"

تاکہ ہر اس شخص سے جوا کھیلنے کے لئے تیار رہوں جسے ذرا بھی جرأت ہو۔ میرے پاس اس چمڑے کے بٹوے میں سو اشرفیاں ہیں۔"

داستان گو کی بیوی نے کہا "گاڑی سے اُترو اور اس کے ساتھ کھیلو شاید آج تم بادشاہ کو کوئی دلچسپ کہانی سنا سکو۔"

اُس کا شوہر نیچے اُتر کر اُس کے ساتھ جوا کھیلنے لگا لیکن تھوڑی دیر کے بعد پانسہ پلٹتے ہی تمام روپیہ ہار گیا۔

"کیا تم اور کھیلوگے؟" اُس آدمی نے پوچھا

"بدمعاش کہیں کے، تم نے میرا تمام روپیہ تو چھین لیا"

"لیکن تمہارے پاس رتھ اور گھوڑے تو ہیں؟"

"خوب! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ آئرلینڈ کے تمام زر و جواہر کی خاطر بھی میں اپنی بیوی کا پیدل چلنا گوارا کرلوں گا؟"

اُس کی بیوی نے کہا "کھیل بھی لو۔ میں پیدل چلنے سے نہیں گھبراتی۔"

اب داستان گو دوبارہ جوا کھیلنے بیٹھ گیا۔ لیکن پھر وہ اپنے رتھ، کتے اور گھوڑے ہار گیا۔

"کیا تم پھر کھیلو گے؟" اس آدمی نے دریافت کیا

"کیا آپ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں؟ اب میرے پاس رہ کیا گیا۔ جس پر کھیلوں؟"

داستان گو نے جواب دیا

"میں اپنا تمام مال و متاع اور روپیہ تمہاری بیوی کی شرط پر لگا سکتا ہوں"

داستان گو نے اس بوڑھے کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھا اور اپنی بیوی سے مشورہ کرنے لگا۔

"ہاں، ہاں، تمہیں اس شرط کو ضرور قبول کرلینا چاہیئے۔ یہ تیسرا موقع ہے اور اس مرتبہ تمہاری قسمت ضرور یاوری کرے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو بھی تمہیں تکلیف اور اذیت ہی ہوگی کیونکہ تمام مال و اسباب چلے جانے کے بعد میرا وجود بیکار ہے۔"

"کیا اس قسم کی محبت اور ہمدردی تمہیں مجھ سے کرنی چاہیئے؟ آج تک کبھی بھی میں نے تمہاری فرمائش کو نہیں ٹالا"

"تو اب بھی میرے کہنے کو مت ٹالو"

داستان گو نے پھر جوا کھیلنا شروع کیا۔ اور وہ اپنی بیوی بھی ہار گیا اور اب وہ کریہہ المنظر بڈھے فقیر کے پاس بیٹھ گیا۔

اُس نے رنجیدہ ہوکر اپنی بیوی سے کہا "اب تم مجھے چھوڑ رہی ہو"

"یقیناً! کیونکہ مجھے اس نے جیت لیا ہے۔ کیا تم اس غریب آدمی کو دھوکا دینا پسند کروگے؟"

"تم خوب جانتے ہو اب میرے پاس کیا دھرا ہے؟"

"لیکن میں پھر تمام روپیہ اور تمہاری بیوی وغیرہ سے تمہارے اوپر شرط لگانے کو تیار ہوں"

داستان گو نے آخری مرتبہ اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ کرلیا اور کھیلنا شروع کیا لیکن پھر ہار گیا۔

"اب تم ہم سب پر قبضہ کرچکے ہو۔ بتاؤ مجھ سے تمہیں کیا کام ہ

بوڑھے آدمی نے اپنی جیب سے دھاگا اور ڈنڈا نکالا اور کہا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم خرگوش، ہرن یا لومڑی میں سے کوئی جانور بن جاؤ۔"

داستان گو کی بیوی نے کہا "میرے پیارے شوہر۔ میری رائے میں تم چھوٹے سے خوب صورت خرگوش بن جاؤ۔ ہر شخص تم سے محبت کریگا۔"

اُس نے اُس کی نصیحت قبول کر لی۔ بوڑھے آدمی نے دھاگا اس کے اردگرد ڈال کر اسے ڈنڈے سے چھُوا اور وہ فوراً خرگوش بن گیا۔ ایک لمحہ بھی اس کو نہ گذرا ہوگا کہ اس کی بیوی نے تینوں کتوں کو اس کے اوپر چھوڑ دیا اور خود ہنستی تالیاں بجاتی یہ دلچسپ تماشہ دیکھنے میں مصروف ہوگئی۔

آخر اس کا شوہر ہانپتا کانپتا اس کے پیروں کے قریب آیا لیکن اس نے بیرحمی سے اسے ٹھوکر مار کر کتوں کی طرف دھکیل دیا۔ بوڑھے آدمی نے کتوں کو روکا اور چھوٹے خرگوش کو اپنی گود میں بٹھا لیا تاکہ کچھ اس کی تھکن رفع ہو۔ اس کے بعد اُسے زمین پر رکھ اپنا ڈنڈا چھوایا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

"اچھا، یہ تو بتاؤ تمہیں اس کھیل میں کچھ لطف آیا؟" بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

اپنی بیوی کی طرف غصہ آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا "ممکن ہے کہ دوسروں کے لئے یہ کوئی دلچسپ تماشا ہو، لیکن کم از کم مجھے تو پسند نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی غریب کو ستانے میں کیا مزا آتا ہے!"

اس اجنبی نے جواب دیا "مجھے" دبلا بوڑھا فقیر" کہتے ہیں اور اگر تم میرے متعلق کچھ اور معلوم کرنا چاہو تو میرے ساتھ گشت کو چلو۔"

"مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہے" داستان گو نے رنجیدہ ہو کر کہا"

جب اجنبی نے یہ سُنا تو اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک آدمی باہر نکالا اور اس سے کہا۔

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس عورت کی اور گاڑیوں گھوڑوں اور سامان کی نگہداشت کرو اور جس وقت میں مانگوں فوراً حاضر کرو۔"

جوں ہی یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے وہ سب چیزیں داستان گو کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئیں اور اس نے آپ کو لینسٹر کے شاعر کے مکان پر پایا جس کی ٹانگ اٹھارہ ہفتے ہوئے ٹوٹی تھی اور وہ اب تک پلنگ پر پڑا تھا۔ حالانکہ لینسٹر کے سولہ بہترین ڈاکٹر علاج کر رہے تھے۔ لیکن وہ کسی طرح اچھا نہ ہوتا تھا۔ جب شاعر نے دروازہ کی طرف دیکھا تو اسے بوڑھا آدمی آتا دکھائی دیا۔

"خدا آپ پر مہربانی کرے" بوڑھے آدمی نے کہا

"اور آپ پر بھی! کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کا کیا پیشہ ہے؟" شاعر نے پوچھا

"مجھے آپ اسیٹر کا ڈاکٹر کہہ سکتے ہیں"

"اور آپ کا نام؟"

"آپ میرا نام کھِل سمجھ لیجئے میں اسی سے بولا کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ بڑی مصیبت میں ہیں۔ اگر آپ اپنا طرز عمل تبدیل کر دیں تو میں آپ کا بیڑا اچھا کر سکتا ہوں۔"

"میں اپنی خطا کی معافی چاہتے ہوئے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وہ سوٗلہ ڈاکٹر جو شاعر کا علاج کر رہے تھے، آن پہنچے۔ اور ان سب کے سامنے بوڑھے آدمی کے دعوی کا ذکر ہوا۔ ڈاکٹروں نے داستان گو اور اجنبی کے دعوے پر زور زور سے قہقہے لگانے شروع کر دئے۔

"اب اُٹھیے، بوڑھے آدمی نے شاعر سے کہا" دیکھیں اس وقت آپ زیادہ تیز دوڑتے ہیں یا آپ کے سولہ ڈاکٹر"

شاعر نے دوڑنا شروع کیا اور اس کے پیچھے سوٗلہ ڈاکٹر بھی بھاگے لیکن وہ بہت پیچھے رہ گئے۔

"جناب شاعر صاحب! اس وقت سے آپ کبھی بھی ناشکر گذاری کے مجرم نہ بنئے گا۔"

شاعر نے جواب دیا "مجھے اپنا وعدہ خوب یاد ہے۔ اب آپ اسے ایفا کا پہلا موقعہ سمجھئے اور اس شاندار دعوت میں شرکت

فرمایئے۔"

تھوڑی دیر میں داستان گو اور اس کا عجیب و غریب آقا کناٹ کے بادشاہ کے پاس کھڑے نظر آئے جو بہت سی فوج اور سامان کے ساتھ سلیگو میں موجود تھا۔ جانوروں کا بڑا گلہ اور بہت سی فوجیں اس نے منسٹر سے مالِ غنیمت میں لوٹی تھیں۔ بوڑھا آدمی بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے اس سفر کا سبب پوچھا،

"آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کو رعایا کی ہر قسم کی شکایات کا خیال کرنا چاہیئے

قصہ یہ ہوا کہ کناٹ کی عورت نے منسٹر کی کسی عورت کو ایک ٹوکری دی، لیکن اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس واقعہ کو سُن کر فوراً ایک فوج جمع کی۔ میں اپنا مال و اسباب ضبط کرنے کے بعد واپس ہو رہا ہوں جس میں سے تھوڑا سا اس غریب عورت کو بھی دلاؤں گا جس کی ٹوکری کھوئی گئی ہے۔"

"اور باقی سامان کا آپ کیا کریں گے"۔ بوڑھے آدمی نے پوچھا

"اسے میں اپنے پاس اپنی فتح کی نشانی کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ رکھوں گا تاکہ میری شاہانہ عظمت اور زیادہ ہو"

"لیکن قبل اس کے کہ آپ یہاں سے واپس جائیں، میرے خیال میں منسٹر کے آدمی اور بڑھ جائیں گے اور جنگ کے لئے آمادہ ہوں گے"

چونکہ بادشاہ سفر سے تھکا ماندہ آیا تھا اس لئے اس نے جلد شراب منگائی اور سب پی گیا۔ بوڑھے آدمی اور اپنے وعدہ کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنا وعدہ بھلا دیا" بوڑھے آدمی نے کہا

"کیا اتنی سی بات کو آپ خلافِ معاہدہ سمجھتے ہیں" بادشاہ نے جواب دیا۔

یہی معمولی باتیں طبیعت کا بھید بتاتی ہیں! تم نے تو ایک ٹوکری کی خاطر جنگ کی، اور ایک شراب کے پیالہ کو معمولی بات بتاتے ہو!"

جوں ہی اس نے یہ کہا بوڑھا آدمی اور داستان گو دونوں بادشاہ کی نظروں سے غائب ہو گئے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ سوائے اس ٹوکری کے جو کناٹ کی عورت نے منسٹر کی دوسری عورت کو دی تھی جنگ میں لوٹے ہوئے مال یا فوج کے سامان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی،

جب کہ سب کو ان عجیب واقعات کا تعجب ہو رہا تھا، اس وقت داستان گو پھر بوڑھے آدمی کے پاس اسی جگہ موجود تھا جہاں کہ وہ پہلے ملے تھے، اور اسی وقت اس کی بیوی، گاڑی اور گھوڑے ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔

بوڑھے آدمی نے کہا "اب میں آپ کو زیادہ تنگ نہیں کروں گا تمہاری گاڑی، گھوڑے، روپیہ اور بیوی یہ موجود ہیں اور تم انہیں جہاں لے جانا چاہو لے جا سکتے ہو۔ آج صبح میں نے تمہیں دیکھا کہ تم مصیبت میں ہو اس لئے میں نے تمہیں بچانے کا ارادہ کر لیا۔ رہا تمہاری بیوی کے متعلق اس پر بے مروتی کا الزام نہ دو، میں نے اس کا مزاج تبدیل کر دیا تھا۔ اچھا اب تم گھر جاؤ کیونکہ تمہیں لنسٹر کے بادشاہ کو قصہ بھی سنانا ہے"

وہ فوراً ہی غائب ہو گیا۔ اس کی بیوی زار و قطار رو کر اپنی خطا معاف کرانے لگی کیونکہ ایسی حالت میں جب کہ کسی کے دماغ پر دوسرے کا قبضہ ہو تو بھلا وہ کیا کر سکتا ہے؟

اُسے یہ عذر قابلِ قبول معلوم ہوا اور وہ ہنسی خوشی گھر واپس ہوئے باوجود بے حد جلدی اور تیزی کے، داستان گو بادشاہ کے محل میں پہنچا تو وہ سونے کے لئے کمرے میں جا چکا تھا۔ جب وہ داخل ہوا تو بادشاہ نے دیر ہو جانے کا سبب دریافت کیا۔ داستان گو نے کہا "حضور دنیا میں سچائی سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں۔ اگر اجازت دیجئے تو میں تاخیر کی وجہ عرض کروں"۔

بادشاہ کی اجازت پر داستان گو نے اس روز کا عجیب واقعہ بڑی عمدہ طریقے سے بیان کیا۔ جب وہ تمام کہہ چکا تو بادشاہ نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا کہ

"تم اب کبھی کسی نئے قصہ کی تلاش نہ کیا کرو۔ بلکہ ہر رات یہی کہانی کہا کرو، کیونکہ میں تمام عمر علاوہ اِس کے کوئی اور کہانی سننا پسند نہیں کرتا!"

ہوائی جہاز

تم روزانہ پرندوں کو اُڑتے ہوئے دیکھتے ہو اور تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی کہ تم بھی ان کی طرح ہوا میں اُڑو۔ تمہاری یہ خواہش کوئی نئی نہ ہوگی کیونکہ ہر زمانہ میں لوگوں نے اُڑنے کی کوشش کی ہے۔ آج سے کئی ہزار برس پیشتر چند آدمیوں نے اُڑنے کے بہت سے طریقے سوچے تھے لیکن وہ بالکل ناکام رہے۔

کہا جاتا ہے کہ یونان کے ایک ظالم بادشاہ نے ایک امیر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے ایک ایسی بھول بھلیاں میں بند کر دیا جس میں سے کوئی انسان نہیں نکل سکتا تھا۔ امیر اور اس کے بیٹے نے ہزاروں کوششیں کیں کہ کسی طرح وہ آزادی حاصل کریں لیکن ان کو بالکل کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر انہوں نے بڑی محنت سے تنکوں وغیرہ کو موم سے جوڑ کر پرندوں کی طرح پر بنائے اور انہیں اپنے بازوؤں میں لگا کر اُڑ گئے۔ امیر کا بیٹا تو ٹھیک طرح کسی دوسرے ملک میں پہنچ گیا لیکن امیر بہت اونچائی پر اُڑ گیا جہاں سورج کی گرمی سے موم پگھل گیا اور وہ سمندر میں گر کر ڈوب گیا۔ اگرچہ اس کہانی میں کوئی اصلیت اور سچائی نہیں معلوم ہوتی لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آج سے لاکھوں برس پیشتر بھی اُڑنے کا خیال لوگوں کے دماغ میں موجود تھا

سنہ ۱۷۸۳ء میں باقاعدہ اُڑنے کی پہلی کوشش کی گئی۔ فرانس میں چند آدمیوں نے کپڑے کا ایک تھیلا سا بنایا اور اُسے لے کر ایک میدان میں پہنچ گئے۔ میدان کے بیچوں بیچ بہت سی لکڑیاں اور تنکے جمع تھے۔ اور ارد گرد ہزارہا تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ ایک آدمی نے لکڑیوں میں آگ لگا دی اور اس کے اوپر تھیلے کو اس طرح رکھ دیا گیا کہ دھواں اس میں چلا جائے۔ دیکھتے دیکھتے تھیلا پھولنے لگا اور چند ہی منٹوں میں اس نے اوپر کی طرف اُٹھنا شروع کیا۔ لوگوں نے تالیوں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ تھیلا دس منٹ تک اُڑتا رہا اور اس کے بعد کوئی ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر زمین پر گر گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ پہلا غبارہ تھا جو بنایا گیا۔ اس کے بنانے والے دو بھائی تھے جن کے نام تھے مانٹ گلفیر۔

اس کامیابی کو دیکھتے ہوئے سنہ ۱۷۸۳ء میں بہت سے غبارے بنائے گئے آدمی یہ چاہتے تھے کہ ان غباروں میں بیٹھ کر آسمان پر جانا چاہیئے لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کیوں کہ اس میں جان کا خطرہ تھا۔ آخر کار ایک فرانسیسی روزیر نے اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کیا اور ایک غبارہ میں بیٹھ کر اوپر آسمان کی طرف گیا۔ پچیس منٹ بعد وہ ساڑھے پانچ میل دور صحیح وسلامت زمین پر پہنچ گیا۔ اس نے ایسا کام کیا تھا کہ آج تک کسی سے نہیں ہو سکا تھا۔ اوپر ہوا جو خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے ان کو تم خوب سمجھ سکتے ہو۔

پہلے پہل لوگوں کا یہ خیال تھا کہ دھواں کی وجہ سے غبارہ اوپر اُٹھتا ہے لیکن بعد میں چند آدمیوں نے ثابت کر دیا کہ یہ سب گرم ہوا کی وجہ سے ہوتا ہے جو آگ میں سے نکلتی ہے۔

یہ تو تم جانتے ہو کہ گرم ہوا سرد ہوا کی نسبت ہلکی ہوتی ہے۔ اس لئے جب غبارہ میں گرم ہوا پہنچتی تھی تو وہ ہلکا ہو کر سرد ہوا میں تیرتا تھا بالکل اُسی طرح جس طرح کارک پانی پر تیرتا ہی۔ اس زمانہ میں ایک مشکل یہ بھی تھی کہ گرم ہوا بہت جلد ٹھنڈی ہو جاتی تھی اس لئے غبارہ فوراً زمین پر آ گرتا تھا اس مشکل کو دور کرنے کے لئے غبارہ کے منہ پر ایک چھوٹی سی انگیٹھی لگائی گئی۔ لیکن اس میں بھی جلانے کا سامان بہت جلد ختم ہو جاتا تھا اس لئے یہ مشکل بدستور قائم رہی۔ اس کی وجہ سے لوگ زیادہ دور تک غبارہ پر سفر نہیں کر سکتے تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ کیا گرم ہوا کے سوا سرد ہوا سے کوئی چیز ہلکی نہیں ہے۔ لوگوں نے اپنے دماغ لڑانا شروع کئے آخر ان کو کامیابی ہوئی۔ انہوں نے معلوم کیا کہ ہائیڈروجن ہوا سے بہت ہلکی ہوتی ہے اس لئے بجائے گرم ہوا کے غباروں میں ہائیڈروجن کا استعمال ہونے لگا۔ اس سے آدمی دور تک کا سفر کرنے کے قابل ہو گئے لیکن اس میں بھی ایک دقت تھی اور وہ یہ کہ تیز ہوا جدھر بھی چاہتی تھی غبارہ کو لے اُڑتی تھی۔ اور آدمی بے بس ہو جاتا تھا۔

آخر ایسے غبارے بنائے گئے جیسی کہ سگار کی شکل ہوتی ہے اور ان میں چھوٹے چھوٹے انجن لگائے گئے تاکہ ہوا ان کو نہ روک سکے اور وہ جدھر بھی چاہیں جا سکیں۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں ڈیمنٹ نے اس قسم کے ایک غبارہ میں

پیرس کے مشہور منار ایفل ٹاور کا چکر لگایا۔ اس غبارہ کی رفتار گھنٹہ میں انیس میل تھی۔ یہ تو سب کچھ تھا لیکن غباروں میں ہر کوئی بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ صرف چند آدمی تھے جو ہمت اور جرأت سے کام لے کر ایسا کرتے تھے۔

اس کے بعد جرمنی میں کونٹ زیلین نے ان غباروں اور انجن میں بہت سی اصلاح کی۔ اس نے غباروں میں کئی کمرے بنائے اور ان کا اوپر کا حصہ الومنیم کا بنایا گیا۔ اس سے یہ ہوا کہ غبارے بہت حد تک محفوظ ہوگئے اور ان کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگیا۔ ان غباروں کا نام کونٹ کے نام پر زیلین رکھ دیا گیا اور یہی نام آج تک چلا آتا ہے۔

زیلین میں ایک بہت بڑی خرابی تھی اور وہ یہ کہ ان میں ہمیشہ آگ لگنے کا خطرہ رہتا تھا کیونکہ ہائیڈروجن میں یہ خاصیت ہے کہ آگ بہت جلد پکڑ لیتی ہے۔ آخر ۱۹۱۶ء میں ایک گیس ایسی ایجاد ہوئی جو ہائیڈروجن کی طرح ہلکی تھی لیکن اس میں آگ نہیں لگ سکتی تھی۔ اس گیس کا نام ہیلیم ہے ۱۹۱۹ء میں انگلستان میں ایک بڑا سا ہوائی جہاز بنایا گیا جس نے ایک سو آٹھ گھنٹوں میں اڈن برگ سے نیویارک تک سفر کیا لیکن واپسی پر صرف پچھتر گھنٹوں میں انگلستان پہنچ گیا۔

اس کے بعد ہوائی جہاز عام ہوگئے۔ اور چند ہی دنوں بعد انگلستان سے پیرس تک یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ اور ایسے ایسے جہاز بنائے گئے جن میں نہایت عمدہ کمرے تھے اور ہر طرح کا آرام تھا۔ لوگوں نے ہوائی جہاز پر دور دراز کے سفر کئے اور اکثر کامیاب رہے۔ اب تو ہوائی جہازوں کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ کہا جاتا ہے چالیس پچاس سال بعد موٹروں اور تانگوں کی طرح ہوائی جہاز عام ہوجائیں گے۔

سورج

کیا تم کبھی صبح سویرے غفلت کی نیند سے ہوشیار ہوئے ہو جب کہ ہر جگہ تاریکی ہی تاریکی اور کائنات پر ظلمت کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔ جب کہ تمہاری آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ تم لیٹے ہوئے روشنی کے منتظر رہتے ہو یہاں تک کہ ایک کرن بتدریج کھڑکی کی راہ سے داخل ہوتی ہے۔ اگر تم نے کبھی ایسا کیا ہو تو معلوم ہوگا کہ اول اثاث البیت تمہیں دھندلا سا نظر آئے گا۔ کچھ دیر بعد اس سیاہ سفید کپڑے میں تمیز کر سکو گے جو کہ میز پر پڑا ہے۔ رفتہ رفتہ الماری کی کتابیں دیوار کے نقش و نگار اور مختلف تصاویر دیکھو گے۔ پھر کمرہ کی مختلف اشیاء کا رنگ۔ آخرش جب آفتاب طلوع ہو چکے گا تو پھر ہر ایک شے تمہیں صاف نظر آئے گی۔

ادھر گھر میں تو ہر چیز مدھم نظر آتی ہے لیکن باہر دیکھو کیا خوشگوار نظارہ ہے۔ چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔ باغ میں پھول کھلے ہیں اور خوشبو جو آرہی ہے کس قدر نفیس ہے۔ سورج کی طرف نظر کرو، یہ تو ایک سرخ تھالی کی مانند نظر آرہا ہے۔ اپنی ہلکی ہلکی روشنی پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں اور خشکی پر کس قدر حسن و خوبی کے ساتھ ڈال رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سورج طلوع ہوا۔ لیکن سائنسداں اس کے برخلاف کہتے ہیں۔ یعنی دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے۔ کیا سبب کہ قطب شمالی میں چھ ماہ رات ہوتی ہے اور چھ ماہ دن وجہ یہ ہے کہ دنیا کا نصف حصہ جو سورج کے سامنے ہوگا اور دوسرا جو نصف حصہ ہے وہ بے نور ہوگا۔

اب یہ بتاؤ کہ سورج تم سے کتنے فاصلہ پر ہے۔ دیکھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم ہوائی جہاز پر سوار ہو کر سورج کی جانب روانہ ہوں، تو دو تین گھنٹوں میں بآسانی پہونچ سکتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم جغرافیہ بتاتا ہے کہ سورج ہم سے ۹۱۰۰۰۰۰۰ نو کروڑ دس لاکھ میل دور ہے۔ میلوں کی یہ تعداد اس قدر بڑی ہے کہ ہم وہاں تک پہنچنے کا خیال تک نہیں کر سکتے۔ لیکن فرض کرو کہ تم پنجاب میل پر سوار ہو کر ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بغیر کسی جگہ رکے مسلسل چل رہے ہو تو سورج تک

پہنچنے میں تقریباً ایک سو اکھتر سال لگیں گے۔

جب تم وہاں پہنچوگے تو اپنے خیال میں تم سورج کو کتنا بڑا پاؤگے۔ ملک یونان کے ایک اُستاد نے اپنے طالب علموں سے یہ کہا کہ سورج ہمارے فلاں شہر کی برابر ہے۔ یہ سُن کر شاگرد بہت ہنسے اور تعجب کیا۔ وہ کس قدر متحیر ہوں جب ان سے کہا جائے کہ سورج نہ صرف ملک یونان سے بڑا ہے بلکہ اس کرۂ ارضی سے دس لاکھ گنا بڑا ہے۔

ہماری دنیا بذات خود بہت بڑی ہے۔ اس قدر بڑی کہ اگر تم کسی تیز رفتار ریل سے دنیا کے گرد سفر کرو تو تقریباً ایک مہینہ لگے گا۔ تاہم یہ کرۂ ارض سورج کے مقابلہ میں بالکل چھوٹا ہے۔ اگر سورج کی عظمت کا اندازہ پیمائش سے کرنا چاہو تو سورج کو بالکل کھوکھلا خیال کرو اور دیکھو کہ اس میں کتنی دنیا سما سکتی ہے۔ تم مشکل سے یقین کروگے دس لاکھ ایسی دنیائیں اس میں سما سکتی ہیں۔

یہ سب پڑھنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ سورج کس قدر روشنی ہم تک پہنچاتا ہے۔ قیاس کرو کہ کس قدر روشنی اس میں سے آتی ہوگی۔ اور کتنی کرنیں ہماری زمین تک پہنچتی ہیں۔ اور یہ بھی سوچو کہ کرنیں کتنی تیز ہوتی ہونگی۔

چراغ کی روشنی کی طرف نظر کروگے تو معلوم ہوگا کہ یہ کس طرح چاروں طرف روشنی پہنچاتا ہے۔ دنیا کے مقابلہ میں رائی کے دانے کا اندازہ لگاؤ۔ دور کھڑے ہوکر دیکھو کہ کتنی روشنی رائی کے دانہ پر پڑتی ہے جتنی چراغ کی روشنی رائی کے دانہ پر پڑتی ہے یعنی نہایت ہی قلیل مقدار میں۔

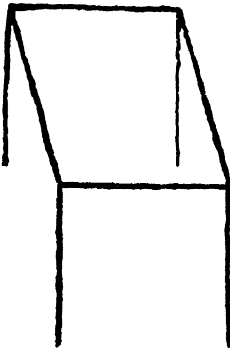
تاہم یہ قلیل مقدار روشنی دنیا کا سب کام کرتی ہے۔ اگر سورج کی حرارت ہم تک نہ پہنچے تو ہم بوجہ سردی کے ہلاک ہوجائیں گے۔

اگر سورج کی ساری کی ساری حرارت ہم تک پہنچے تو ہم جل بھن کر خاک سیاہ ہوجائیں گے۔ یہ تو ہم نے مانا کہ سورج کی روشنی نہایت قلیل مقدار میں ہمارے اس کرۂ ارض پر پڑتی ہے لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہی قلیل مقدار اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچے تو ہماری ہلاکت یقینی ہے۔ ہمارے اور سورج کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جو ہماری حیات کا باعث ہے۔ وہ کونسی شے ہے؟ ریت ہی جو کہ ہر وقت فضا میں اُڑتی رہتی ہے۔ اول تو سورج کی کرن کو یہی ریت روک لیتی ہے۔ یہ فضا میں اس قدر زیادہ ہے کہ جس کا حساب نہیں۔ بڑی مشکل سے کرنیں اس میں سے چھن چھن کر زمین پر پڑتی ہیں۔ اور ہر شے کو گرما دیتی ہیں دوسری شے جو ہمارے اور سورج کے درمیان حائل ہے وہ ابر اور نمی ہے۔ جو کہ گرمی کے دنوں میں بھی گاہے گاہے سرد ہوا پہنچاتی ہے۔ یہ سب کام خدا کی قدرت سے نہایت منظم طریقہ پر ہوتا ہے۔

نظر کا دھوکا

پیام بھائیو! "نظر کا دھوکا" تم اس سے پہلے بھی پیام تعلیم میں دیکھ چکے ہو۔ اُمید ہے کہ اب تم اپنی نظر کا اچھی طرح خیال رکھتے ہوگے۔ اگر بعض بھائیوں کی توجہ اب بھی اس طرف پورے طور پر نہیں ہوئی ہے۔ تو آج چند دھوکے نظر کے اور ملاحظہ کرو۔

نیچے کی تصویر تمہیں ایک میز کی نظر آتی ہوگی جس کی چاروں ٹانگیں زمین سے لگی ہوئی ہیں۔ اگر تم اس تصویر کی طرف دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تم میز کے سرے پر نظر ڈال رہے ہو۔ لیکن اگر ذرا غور سے دیکھتے رہو تو تھوڑی دیر میں تمہیں نظر آئے گا کہ تم میز کے اوپر نہیں بلکہ اندر دیکھ رہے ہو۔ یہ نظر کا دھوکا نہیں تو کیا ہے؟



اسی طرح ان جوڑیوں کو بھی دیکھو جو اس طرح نظر آتی ہیں گویا کوئی پیالہ رکھا ہوا ہے۔ پہلی نظر میں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ پیالہ زمین پر الٹا کر رکھا گیا ہے لیکن ذرا غور کرنے سے نظر آئے گا کہ پیالہ الٹا کر نہیں رکھا گیا ہے بلکہ زمین پر کھڑا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے۔

اب ایک نئے طرز کا دھوکا دیکھو۔ اس تصویر کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان ناک سے ایک انچ کے فاصلہ پر رکھو اور غور سے دیکھو تو تم کو سیاہ دائرے حرکت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، یہاں تک کہ وہ مل کر ایک معلوم ہونے لگیں گے۔

اسی طرح دوسری تصویر میں دیکھو۔ سیاہ دھبہ گول دائرہ کی طرف کھسکتا ہوا نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں بالکل داخل ہو جاتا ہے۔

فاطمہ اور صالح

تین ایکٹ کا ایک مختصر مگر دلچسپ ڈراما

(ایک عورت کا مکان ایک بہت بڑے جنگل میں واقع ہے۔ غریب عورت جنگل میں کہیں کام کرنے چلی گئی ہے۔ اس کے دونوں بچے صالح اور فاطمہ گھر میں موجود ہیں........ صالح بائیں جانب کرہ میں دروازہ کے پاس بیٹھا ہے اور فاطمہ دائیں جانب انگیٹھی کے پاس بیٹھی کپڑا سی رہی ہے)

صالح:۔ "اُف! بڑے زوروں سے بھوک لگی ہے...... دو روز سے کھانا نصیب نہیں ہوا"۔

فاطمہ:۔ "ارے!! بھوک کا نام نہ لو۔ میری انتڑیاں "قل ہو اللہ" پڑھ رہی ہیں"۔

صالح:۔ "مجھے بارہا بھوکا رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور ہمیشہ نہایت صبر سے برداشت کیا لیکن آہ!! فاطمہ! آج بھوک اتنی سخت ہے کہ بہلائے نہیں بہلتی"۔

فاطمہ:۔ "بھائی جان! صبر سے کام لیجئے۔ اس چیخ و پکار سے کیا بھوک جاتی رہے گی؟ کھیل کود میں بھلا دیجئے۔ ابھی اماں یا ابا کچھ کھانے کے لئے لاتے ہیں نا۔ کیا ان کو ہمارا خیال نہیں ہے؟ دیکھو رات والد خود کہہ رہے تھے کہ کل کھانے کے لئے کہیں سے ضرور کچھ نہ کچھ لاؤنگا، کیونکہ ہم لوگ تو کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتے ہیں لیکن ان بچوں کی بھوک مجھ سے نہیں دیکھی جاتی"۔

(دونوں دل بہلانے کے لئے مل کر ناچنے اور گانے لگتے ہیں)

فاطمہ:۔ (کمرہ کے بائیں جانب جاتے ہوئے) "صالح! یہاں آؤ میں تمہیں ایک نہایت عمدہ چیز دکھاؤں۔ اس برتن میں دیکھو کیا ہے؟"

صالح:۔ (برتن میں دیکھتے ہوئے) "ارے! دودھ! تازہ دودھ! یہ کہاں تھا؟!!"

فاطمہ:۔ "ایک دوست نے ہمیں دیا ہے۔ دیکھو چھونا مت ورنہ اماں خفا ہونگی، وہی رکھ گئی ہیں"۔

صالح :۔ "میں تو اب ذرا بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ ضرور کھاؤں گا۔ بہت سخت بھوک لگی ہے"

(دودھ میں انگلی ڈال کر چاٹنے لگتا ہے)

فاطمہ :۔ (جلدی سے دھکا دے کر) "چلو ہٹو۔ تم بڑے شریر ہو۔ گندے کہیں کے"۔

صالح :۔ (ہنستا ہوا) "خوب! ع کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ ہماری بھوک سے جان نکل رہی ہے، اور آپ کو مذاق سوجھا ہے۔ ہم تو ضرور کھائیں گے"۔

فاطمہ :۔ تمہیں کھانے سے کون روکتا ہے؟ اس میں گندا ہاتھ ڈال دیا، دودھ گندا ہو گیا؟ اماں آکر دیتیں نا؟ اب دیکھو کتنا پیٹتی ہیں۔ گال لال کر ڈالیں گی"۔

صالح (صالح اس کی باتوں کا خیال نہ کرتے ہوئے خوشی سے ناچنے لگتا ہے۔ فاطمہ سے دیکھا نہ گیا۔ وہ بھی مل کر ناچنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ناچتے ناچتے دونوں زمین پر گر پڑتے ہیں۔ جونہی گرتے ہیں ان کی ماں کمرہ میں داخل ہوتی ہے)

ماں :۔ "تم لوگ کیا کر رہے ہو؟..... ناچ سوجھا ہے۔ کام کرتے نہیں بنتا (فاطمہ کو پکڑ کر مارنے لگتی ہے۔ اسی اثنا میں اس کی نگاہ دودھ پر پڑ جاتی ہے) ارے!! دودھ کس نے گندا کر دیا؟ (فاطمہ سے) یہ تیری ہی حرکت ہوگی۔ بولتی کیوں نہیں؟ اس میں گندا ہاتھ کیوں ڈالا؟"

فاطمہ :۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) میں نے نہیں گندا کیا ہے، اماں صالح نے۔ میں نے بہت منع کیا لیکن اس نے ایک نہ سُنی"۔

ماں :۔ (غصہ سے اسکی طرف دیکھتی ہے) کیوں بدذات، یہ تیری حرکت ہے؟ اچھا تیری بھی خبر لیتی ہوں!

(اس کو مارنے کے لئے لپکتی ہے۔ اتفاقاً دودھ کے برتن سے ٹھوکر لگتی ہے اور برتن ٹوٹ جاتا ہے)

ماں :۔ (کف افسوس ملتے ہوئے) "ہائے! کتنا بُرا ہوا۔ تمام دودھ بہہ گیا۔ ایک چلو بھی نہیں بچا۔ آج کھایا کیا جائے گا۔ گھر میں اور کوئی چیز نہیں، یہ سب کچھ ان شریروں کی وجہ سے ہوا۔ نہ یہ غصہ کرتے اور نہ حادثہ ہوتا (تھوڑی دیر کے بعد) تم دونوں فوراً جنگل دوڑ کر جاؤ اور کھانے کے لئے کچھ پھل توڑ لاؤ۔ تمہاری یہی سزا ہے" (دونوں فوراً گھر سے جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں)

ماں :۔ (غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد) آہ! یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔ میں ناحق ان پر خفا ہوئی۔ ناسمجھ لڑکے ہی تو تھے اُف!! سخت غلطی ہوئی!!!........ بھوک مارے ڈالتی ہے"۔

(اس کا شوہر گاتا ہوا آتا ہے۔ دروازہ بند پاکر کنڈی کھٹکھٹاتا ہے اس کی بیوی جاکر دروازہ کھولتی ہے۔ شوہر ایک جھانپی لے کر داخل ہوتا ہے)

بیوی :۔ تمہیں بھی ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے۔ یہ گانے کا کونسا موقع تھا"؟

شوہر :۔ اچھا بہت بک بک نہ کرو۔ کچھ کھانے دانے کو ہو تو لاؤ"۔

بیوی :۔ "کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے"!!

شوہر :۔ ہا ہا، ہا اچھا آؤ، دیکھو جھانپی میں کیسی اچھی چیز لایا ہوں آج میں نے بہت سی لکڑیاں کاٹی تھیں۔ جس کی وجہ سے صاحب نے یہ مجھے انعام دیا ہے (جھانپی سے نکالتے ہوئے) نہایت لذیذ مکھن! دو پاؤ روٹی اور دس انڈے!! آج کیسا بڑھیا کھانا ملا ہے۔ (کچھ سوچ کر) صالح اور فاطمہ کہاں ہیں؟"

بیوی :۔ بڑے شریر لڑکے ہیں۔ ہر وقت شرارت کرتے رہتے ہیں آج مجھے غصہ دلا دیا جس کی وجہ سے دودھ کا برتن ٹوٹ گیا اور تمام دودھ ضائع ہو گیا۔ گھر میں کھانے کو کچھ تھا نہیں اس لئے ان کو جنگل میں بھیجدیا ہے کہ کچھ پھل توڑ لائیں"۔

شوہر :۔ "ارے جنگل بھیجا ہے؟!! اب سورج غروب ہی ہونیوالا ہے اور تم نے جنگل بھیجدیا۔ جنگل میں ایک بڑھی عورت رہتی ہے جو بچوں کو مٹھائی کا لالچ دے کر بلاتی ہے۔ جب وہ

قریب جاتے ہیں۔ تو وہ ان کو پکڑ کر مار ڈالتی ہے اور آگ پر پکا کر کیک سے کھاتی ہے"

ماں :۔ ہائے مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوئی۔ انہیں اس وقت جنگل نہ بھیجنا چاہیئے تھا۔ اچھا، میں خود جنگل جاتی ہوں اور ان کو تلاش کرکے لاتی ہوں"۔

شوہر :۔ ٹھہرو۔ میں بھی چلتا ہوں :۔

(دونوں لالٹین لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں)

دوسرا ایکٹ

جنگل میں

(شام کا وقت ہے۔ سورج غروب ہونے کو ہے۔ صالح اور فاطمہ جنگل میں ایک جگہ کھڑے صاف دکھائی دیتے ہیں)

فاطمہ :۔ صالح! آہ صالح!! اب کیا کریں؟ ہم اپنا راستہ بھول گئے۔ آہ! مجھے سخت ڈر معلوم ہوتا ہے"

صالح " ڈرتی کیوں ہو؟ ابھی ہمیں راستہ مل جاتا ہے :۔

فاطمہ " ارے وہ کیا ہے .... وہ دیکھو اندھیرے میں ہل رہی ہے"۔

صالح :۔ کچھ تو نہیں ہے........ درخت کی ڈالی لٹک رہی ہے۔

فاطمہ :۔ ڈالی ہے؟ یہ شور کیسا؟

صالح :۔ تم تو یونہی سہمی جاتی ہو۔ ہوا سے درخت کی پتیاں ہل رہی ہیں اور یہ اسی کی آواز ہے۔

فاطمہ :۔ ڈالی ہے؟ .... مجھے سخت ڈر معلوم ہوتا ہے وہ دیکھو کوئی آرہا ہے ...... آرہا ہے۔ وہ ڈالی نہیں ہے۔ (دوڑ کر صالح کے پیچھے چھپ جاتی ہے) مجھے بچاؤ! بچاؤ!! بچاؤ!!!

صالح ۔ کوئی چیز نہیں آرہی ہے۔ یہ محض تمہارا وہم ہے۔ آؤ چلیں کسی درخت کے نیچے سو رہیں۔ صبح کو راستہ تلاش کرکے گھر چلیں گے۔ اب رات زیادہ گذر چکی"۔

(دونوں ایک درخت کے نیچے جا کر سو رہتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں بے خبر سو جاتے ہیں)

تیسرا ایکٹ

جنگل کی بوڑھی عورت

صبح کا وقت ہے سورج نکل رہا ہے۔ صالح اور فاطمہ ابھی تک درخت کے نیچے سو رہے ہیں۔ ان کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا مکان ہے اور بائیں جانب ایک آگ کا بہت بڑا ڈھیر جل رہا ہے)

فاطمہ ۔ صالح اٹھو صبح ہوگئی۔ دیکھو کتنا دن چڑھ آیا۔ اب ہم کو جلد راستہ ڈھونڈھ کر گھر پہنچنا چاہیئے۔

صالح :۔ (اٹھتے ہوئے وہ سامنے کیا چیز ہے؟

فاطمہ :۔ وہ ایک خوبصورت مکان ہے (مکان کی طرف جاتی ہے) ارے صالح یہاں آؤ۔ دیکھو یہ مکان تمام کا تمام مٹھائی اور کیک کا بنا ہے۔

صالح :۔ ذرا اس کھڑکی کو دیکھو کتنی صاف شکر کی بنی ہے۔ جیسے شیشہ۔ چھت زرد اور دیوار سرخ ہے۔ کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔ میں اس کیک کو کھاؤں گا (دیوار سے ایک کیک کا چھوٹا سا ٹکڑا نکالتا ہے اور کھانے لگتا ہے)

مکان سے ایک آواز :۔ میرے مکان کو کون توڑ کر کھا رہا ہے؟

فاطمہ :۔ ارے تم نے کچھ سنا؟ کوئی اس میں بولتا ہے

صالح :۔ کچھ نہیں آؤ کھاؤ۔ بڑا عمدہ کیک ہے۔

فاطمہ :۔ میں نہیں کھاؤنگی مکان میں کوئی ہے۔

صالح :۔ کیوں نہ کھاؤگی تمہیں کھانا پڑے گا۔ اس جنگل میں کون رہے گا؟ بے عقل!

فاطمہ :۔ سچ کہتے ہو۔ اس جنگل میں کون رہے گا (وہ بھی کھانے لگتی ہے)

پھر وہی آواز :۔ تم لوگ نہ مانوگے۔ اچھا میں آتی ہوں۔

فاطمہ :- یہاں پر کوئی . . . . میں نے پھر دی سُنا

صالح :- یہ محض تمہارا خیال اور وہم ہے۔ ہوا تو چل رہی ہے۔

مکان کا دروازہ آہستہ سے کھلتا ہے اور ایک بوڑھی عورت نکلتی ہے)

صالح :- پیٹ بھرا کہ نہیں ؟ کہو کتنا مزے دار ہے ؟ ایسا کیک کبھی کھایا تھا؟

فاطمہ :- سچ مچ بہت عمدہ کیک ہے !

(پیچھے سے بوڑھی عورت آتی ہے اور صالح کی گردن زور سے پکڑ لیتی ہے)

بوڑھی عورت :- ہا ہا ہا ، ہا ہا ہا ، ہا ہا ہا

صالح :- فاطمہ ! میری گردن چھوڑ دو۔ ارے چھوڑتی کیوں نہیں ؟ آہ . . . . ہُو . . . . ہُو . . . چھوڑ دو بڑے زور سے درد کر رہی ہے (ایک مرتبہ زور کر کے پیچھے گھوم جاتا ہے سامنے ایک بوڑھی عورت کھڑی ہے)

بوڑھی عورت :- تم بہت نیک لڑکے ہو ! چلو گھر میں چلو۔ میں بہت اچھے اچھے کیک اور مٹھائیاں کھلاؤں گی (وہ باتیں کرتی اور ایک اندھیرے کمرہ میں لے جاتی ہے) دیکھو اس کمرہ میں کیسے اچھے کیک ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا اور لا دوں گی (ہنستی ہے) ہا ہا ہا۔ خوب کھاؤ اور موٹے ہو جاؤ

فاطمہ :- (جوان پہیلیوں کو نہ سمجھ سکی) تم میرے بھائی کے ساتھ کیا کرنے والی ہو ؟

بوڑھی عورت :- کھلاؤں گی اور موٹا کرونگی !

فاطمہ :- اس کے بعد ؟

بوڑھی عورت :- (دوسرے کمرہ کی طرف جاتے ہوئے) ہا ہا ہا پھر میں اُسے پکا کر کیک سے کھاؤں گی۔

(فاطمہ اندھیرے کمرہ کی طرف بھاگتی ہے لیکن بوڑھی خبیث عورت آکر پکڑ لیتی ہے)

بوڑھی عورت :- دیکھو بچی ! بھاگنے کی بے سود کوشش نہ کرو۔ چپکے پڑی رہو۔ ورنہ تم کو بھی بند کر دوں گی (یہ کہہ کر فاطمہ کا پیر رسی سے باندھ دیتی ہے اور اسی کمرہ کی طرف پھر واپس چلی جاتی ہے)

صالح :- فاطمہ ! یہاں آؤ اور دروازہ کھولدو۔

فاطمہ :- آہ بھائی جان ! اس خبیث نے میرے پیر بھی باندھ دئے ہیں۔ میں کیسے آؤں ؟

بوڑھی عورت :- (واپس آتی ہے اور اس کے پیر کی رسّی کھولتے ہوئے کہتی ہے) دیکھو وہ لکڑیاں رکھی ہوئی ہیں ان کو اُٹھا لاؤ اور اس چولھے میں جھونک دو۔

(فاطمہ لکڑیاں لا لا کر چولھے میں جھونک رہی ہے۔ بوڑھی عورت اس کی نگرانی کرتی ہے اور صالح اپنے قیدخانہ کا دروازہ کھولنے میں مصروف ہے)

بوڑھی عورت :- (تھوڑی دیر کے بعد) بچی ! ذرا دیکھنا برتن گرم ہوا کہ نہیں ؟

فاطمہ :- (بھولے پن سے) کیا کروں ؟

بوڑھی عورت :- (چیخ کر) کہہ تو رہی ہوں۔ برتن میں ہاتھ ڈالو، دیکھو گرم ہوا کہ نہیں ؟

فاطمہ :- میں نے نہیں سمجھا۔ مہربانی کر کے بتا دیجئے)

(صالح دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ آتا ہے۔)

بوڑھی عورت :- (چڑھ کر) تمہیں یہ معمولی سی بات سمجھ میں نہیں آتی ؟ تمہیں آتا ہے لیکن شریر ہو۔ اچھا ابھی اس شرارت کا مزہ چکھاتی ہوں نا۔ غور سے دیکھو۔ اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی نہ آیا تو خوب خبر لوں گی۔

(وہ برتن کے پاس جاتی ہے۔ چونکہ برتن بہت بڑا اور گہرا ہے اس لئے اس میں جھک کر بتانا چاہتی ہے)

بوڑھی عورت :- دیکھو اس طرح سے برتن میں جھکو اس کے بعد پیندے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ گرم ہے یا نہیں ؟

(فاطمہ اور صالح اس موقع کے متلاشی تو تھے ہی۔ اس کا جھکنا تھا کہ فوراً دونوں پیر پکڑ زور سے دھکّا دیا اور وہ برتن

میں جا پڑی۔

صابر :۔ (خوشی سے) فاطمہ! اور لکڑیاں لا کر چھوڑ دو ہم اس کو پکائیں گے اور اسکو کیک سے کھائیں گے۔ بہت لذیذ گوشت ہو گا۔

(آگ سے یک بیک ایک شعلہ سا نکلتا ہے اور چیخ کے ساتھ دب جاتا ہے)

فاطمہ :۔ بدذات مرگئی (اور دونوں خوشی سے گانے اور ناچنے لگتے ہیں۔ ان کے والدین تلاش کرتے کرتے ادھر آنکلتے ہیں اور گانے کی آواز سن کر پکارتے ہیں)

ماں باپ (دونوں) :۔ صابر ـــــ فاطمہ! ۔ تم لوگ کہاں ہو؟

فاطمہ اور صابر اپنے والدین کی آواز پہچان کر دروازے پر دوڑ کر جاتے ہیں اور ان سے لپٹ کر خوشی خوشی اپنی بہادری کے کارنامے بیان کرتے ہیں)

(آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے)

دس روپیہ کا انعامی مقابلہ

آج ہم ایک ایسی پہیلی شائع کر رہے ہیں جس کو بوجھ دینے والے بچے ہمارے دس روپے کے انعامی مقابلہ میں شریک ہو سکیں گے۔ اس مقابلہ کا اعلان ۱۰ر ستمبر کے پرچہ میں کیا جائے گا۔ اور انعام میں دس روپے نقد یا دس روپے کی کتابیں پیش کی جائیں گی۔ بچوں کو چاہیئے کہ آج کی پہیلی کا حل ایک کارڈ پر لکھ کر فوراً بھیج دیں تاکہ ۱۰ر ستمبر کے مقابلہ میں وہ شریک ہو سکیں۔ آج کے مقابلہ میں صرف یہ شرط ہے کہ تمام حل ۱۵ر ستمبر تک دفتر میں پہنچ جائیں۔ حل کے ہمراہ ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں جو بچے اس پہیلی کو نہ بوجھ سکیں گے انہیں غالباً کسی بہت کڑی شرط کے ساتھ مقابلہ میں شریک کیا جائے گا۔

پہیلی :۔ دانائی سے دانت اُس پہ لگاتا نہیں کوئی
سب اُسکو بھناتے ہیں پہ کھاتا نہیں کوئی

ہدایات :۔ لوگ کہتے ہیں سب کھیل اُس کے، پر اللہ والے اُس سے بھاگتے ہی دیکھے۔ اور دنیا والے اُس کو دیکھتے ہی دوڑیں۔

نوٹ :۔ بچوں کو اطلاع دیجاتی ہے کہ ۷ر اگست کی پہیلی کا حل بھیجنے کا ابھی وقت ہے مگر اب جلدی کرنی چاہیئے۔

لطیفہ

ایک آدمی نے فوج کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا "میں نے کبھی لڑائی نہیں دیکھی اس لئے میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں" یہ کہہ کر وہ ساتھ ہو لیا۔ اتفاق سے دشمن کا پہلا تیر اُسی کے سر میں لگا۔ لوگ حکیم کو بلا لائے۔ حکیم دیکھ کر کہنے لگا "اگر تیر کے ساتھ دماغ کا کچھ حصہ بھی اُلجھ کر نکل آیا تو یہ آدمی مر جائے گا۔ اس لئے میں تیر باہر نہیں کھینچ سکتا" اس پر آدمی نے فوراً کہا "اے حکیم! تیر کھینچ لے۔ اس لئے کہ اگر مجھ میں کچھ بھی دماغ ہوتا تو لڑائی میں کیوں آتا۔"

لطیفہ

ایک ظریف ایک عبادت گذار دوست سے ملنے گیا۔ گھر بہت پرانا تھا اور چوہوں نے در و دیوار کو چھیدوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ یہ دوست ایک بوسیدہ کمرے میں بیٹھ گئے جہاں لکڑیوں سے آواز آ رہی تھی۔ ظریف کہنے لگا "گھر بہت بوسیدہ ہے۔ اس کو درست کیوں نہیں کراتے؟" عبادت گذار دوست نے جواب دیا "میرے گھر کی سب چیزیں بھی ہر وقت خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہتی ہیں"۔ اس پر ظریف کہنے لگا "اے دوست! کہیں ایسا نہ ہو کہ جوش عبادت اور بے خودی سے وجد میں آ کر یہ چھت بھی سجدہ کر بیٹھے۔"

قیمت
سالانہ
عہ

پیام تعلیم

قیمت
فی پرچہ
۲ر

جلد ۱۲ | ۷ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ عیسوی | نمبر ۹

فہرست مضامین

نتیجہ انعامی معما

۷ اگست ۱۹۳۲ء کے پرچہ میں جو پہیلیاں شائع ہوئی تھیں ان کا صحیح حل بہت سے طالب علموں نے بھیجا۔ پیام تعلیم چھ برس سے نکل رہا ہے اور اکثر دلچسپ مقابلے ہوتے رہے ہیں لیکن آج تک کسی مقابلہ میں اتنی دلچسپی نہیں لی گئی جتنی اس مقابلہ میں۔ اس مرتبہ ۹۸ طلباء نے صحیح حل بھیجے لیکن چونکہ بہتوں نے صرف کارڈ بھیجدیا اور ٹکٹ نہیں بھیجے اس لئے انھیں مقابلہ میں شریک نہیں کیا گیا۔ ... کو باقاعدہ مقابلہ میں شریک کیا گیا ان ... کو پانچ حصّوں میں تقسیم کردیا گیا تھا:

۱۔ محمد نظام الدین ۱۱
۲۔ شمس الحسن ...
۳۔ رفیعہ ...
۴۔ ...
۵۔ ...

طابع وناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔

دنیا کے بچے

۴۔ صحرائی بچے

جب ہم زمین پر اُترے تو کتا خوشی کے مارے پاگل ہوگیا۔ ریت کے اندر اپنے پنجوں سے سوراخ کرتا اور اس کے اندر خوب خوب لوٹتا۔ حنیدہ ماموں بھی ہنسنے لگے۔ بڑے سے گول گول چہرے پران کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہنسی کے مارے بند ہو ہو جاتی تھیں۔ میں نے پوچھا "آپ اتنے خوش کیوں ہیں؟" بولے "یہاں نہ درخت ہیں اور نہ گھاس۔ بالکل چاند کا سا سماں ہے۔ وہاں کوئی چیز نہیں اُگتی۔ لیکن چاند میں سردی ہوتی ہے اور یہاں گرمی ہے۔ وہاں چٹیان ہی چٹان ہیں۔ اور یہاں پہاڑیوں کے علاوہ ریت بھی ہے۔"

اتنے میں ان کا چہرہ اتر سا گیا۔ اور خاموش ہوگئے۔ میں نے سمجھا کہ کہیں آنکھوں میں ریت گھس گیا۔ پوچھا کہ آپ چپ چاپ کیوں ہوگئے۔ کتا بھی زمین پر لیٹ گیا اور اتنا بھونکا کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ حنیدہ ماموں تو ایسے معلوم ہوتے تھے گویا انہیں ہفتوں سے کھانے کو نہیں ملا ہے؟

کہنے لگے "یہاں کوئی دکھائی تو دیتا نہیں۔ نہ اونٹ ہیں نہ بچے۔"

میں نے کہا "ذرا ٹھہریئے۔ دیکھئے میری آنکھ کی سیدھ میں کیا دکھائی دیتا ...وری زمین ایسی تپ رہی تھی کہ پاؤں رکھنا مشکل تھا۔ دوسری طرف ...کی ایک لکیر سی دکھائی دیتی تھی۔ اتنے فاصلہ پر آدمی تو کیا نظر ...ے تو ان کے بیچ میں ہی جاکے دم لیا ...ل کر سفر کرتے ہیں۔ ریگستان میں ...کو جو ل کر سفر کرے قافلہ کہتے ...ہیں قافلہ سالار کے ...چل سکتے ہیں؟" ...ک سفید،

اس قطار میں ایک اونٹ خالی بھی تھا۔ ہانکنے والے نے اسے بٹھا دیا اور حنیدہ ماموں لپک کر اُس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھے۔ جب اونٹ کو معلوم ہوا کہ اس کی پیٹھ پر کوئی ہے۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اُٹھنے سے کچھ ایسا جھٹکا سا لگا کہ حنیدہ ماموں نیچے گر پڑے۔ اور ان کی آنکھوں اور کانوں میں ریت بھر گیا۔ اس پر سردار بھی ہنسا۔ حنیدہ ماموں پھر چڑھے۔ اب کی دفعہ سردار نے اونٹ کا گھٹنا دبا دیا کہ کہیں پہلے کی طرح وہ پھر ایک دم نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ اور جب تک حنیدہ ماموں اچھی طرح کجاوہ میں نہ بیٹھ گئے وہ اسے دبائے ہی رہا۔ اونٹ فوراً اُٹھنے لگا تو حنیدہ ماموں پھر گرتے گرتے بچے مگر خیر ہوئی۔ کجاوے کو لپٹ گئے اور بچ گئے ہم چلتے چلتے دور نکل گئے۔ اب دھوپ بہت تیز ہوگئی تھی۔ اس لئے ایک ایسی جگہ ڈھونڈھنے لگے جہاں دوپہر کو آرام کرسکیں۔ پاس ہی کھجور کے درخت دکھائی دئے۔ وہیں پانی کا چشمہ بھی تھا۔ ریگستان میں جہاں کہیں ایسی جگہ ہو اسے نخلستان کہتے ہیں۔ ہم لوگ وہاں گئے۔ اونٹوں کو بٹھایا اور سب کے سب اُترے۔ کچھ نوکروں نے ڈیرے کھڑے کئے اور کچھ قہوہ تیار کرنے لگے حنیدہ ماموں نے تو کھانے پینے کی چیزیں دیکھ لی تھیں۔ اب بھلا وہ کہاں ٹلنے والے تھے۔ ڈیرے، بچے سب بھول بھال قہوہ پینے میں لگ گئے اور ان گنت پیالیاں چڑھا گئے۔ عربوں کا ڈیرا بھیڑ، بکری یا اونٹ کی اون کا بنتا ہے۔ اس ڈیرے کو چار یا چھ ڈنڈوں کے سہارے کھڑا کرلیتے ہیں۔ ڈنڈوں میں بالوں کی رسیاں ہوتی ہیں جنہیں لکڑی کے کھونٹوں میں کس کر باندھ دیتے ہیں۔ ڈیروں کے بیچوں بیچ پردے لٹکا کر اُس کے دو کمرے کرلیتے ہیں۔ ایک مردوں کے لئے۔ دوسرا عورتوں اور بچوں کے لئے۔ جہاں کوئی مرد نہیں جاسکتا۔ حنیدہ ماموں نے چلاکر کہا "کوئی ہمارے ساتھ کھیلے گا"؟ یہ سن کر دو تین لڑکے دوڑے دوڑے ڈیرے سے باہر آگئے۔ حنیدہ ماموں نے پوچھا "لڑکیاں کہاں ہیں؟" ایک نے جواب دیا "وہ نہیں کھیلا کرتیں بلکہ اندر رہتی ہے اور ڈیرے کی دیکھ بھال کرنے میں ماں کو مدد دیتی ہیں کپڑے سیتی ہیں۔ بچوں کو لئے لئے پھرتی ہیں اور جب گیہوں ہوتے ہیں تو انہیں چکی میں پیس کر آٹا بناتی ہیں۔"

حنیدہ ماموں بولے "مجھے کھیل بہت پسند ہیں۔ کونسا کھیل کھیلو گے؟"

ایک لڑکے نے کہا "آؤ درختوں پر چڑھیں" اور اتنا کہتے ہی بھاگ گیا۔

پاس ہی بہت سے درخت تھے۔ ذرا سی دیر میں سب کے سب چوٹی

پر چڑھ گئے۔ مگر بیچارے چندہ ماموں تھوڑی دور بھی نہ چڑھ سکے۔ وہ سارے درخت کھجور کے تھے۔ لڑکوں نے خوب کھجوریں کھائیں اور اترتے ہوئے اپنے اپنے منہ بھر لئے۔ دو چار چندہ ماموں کے لئے بھی پھینک دیں۔ بھلا انہیں کیا پسند آئیں۔ وہ سمجھے بھی نہیں کہ ہیں کیا۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ بولے یہ تو بہت سخت ہیں" دیکھتا کیا ہوں کہ گٹھلیاں کھا رہے ہیں سب کے سب ہنس پڑے اور ان کا مذاق اُڑانے لگے۔ چندہ ماموں بہت بگڑے اور منہ میں سے نکال کر کتے کو پھینک دیں۔

ریگستان میں چور اور ڈاکو بہت ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان سے اکثر لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ اس لئے لڑکے بَلَم چلانا اور گھوڑے کی سواری سیکھتے ہیں۔ انہوں نے چندہ ماموں سے کہا "بَلَم بازی کیجئے گا؟" بولے "ہاں! بڑی خوشی سے" لڑکے اور چندہ ماموں آمنے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہوگئے۔ کتا اور میں دونوں تماشہ دیکھنے لگے۔ ہر لڑکے کے پاس ایک ایک بَلَم تھا۔

میں نے کہا "ہاں" اور کھیل شروع ہوگیا۔ ایک قطار کے ہر لڑکے نے اپنا بَلَم سامنے والے لڑکے کے زور سے پھینک کے مارا۔ سامنے والے نے بہت پھرتی سے اس بَلَم کو ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اپنا بَلَم اس کی طرف پھینکا۔ چندہ ماموں نے جو بَلَم سیدھا اپنی طرف دیکھا تو آؤ دیکھا نہ تاؤ پیٹھ پھیر بھاگے اور دور جا کر دم لیا۔ کہنے لگے اپنا کھیل کس کام کا۔ میرے تو ابھی چوٹ لگ گئی ہوتی۔ آؤ۔ کوئی اور کھیل کھیلیں"

اب کی دفعہ ایک لڑکے کو لمبی رسی میں ایک کھونٹے سے باندھ دیا ہر لڑکا اپنا کوڑا باری باری اس کے مارتا جس کا کوڑا وہ پکڑ لیتا۔ پھر اُسے کھونٹے سے باندھتے اور اسی طرح پیٹتے۔ ایک دفعہ چندہ ماموں پکڑے گئے جب پکڑے گئے تو کہنے لگے "ہم یہ کھیل نہیں کھیلتے"۔ ماموں تھے بڑے اُستاد دوسروں کو تو پیٹ لیا جب اپنا نمبر آیا تو ٹلنے لگے۔ اس طرح یہ کھیل بھی ختم ہوا ہم سب کے سب درختوں کے نیچے جا بیٹھے۔ چندہ ماموں نے پوچھا "تم نے کیا کیا سیکھا ہے؟" وہ بولے ہمیں گھوڑے کی سواری آتی ہے۔ لڑنا آتا ہے۔ پھر یہ کہ ہم ایک جگہ تو ٹھہرتے نہیں۔ کبھی یہاں ہیں تو کبھی وہاں۔ اس لئے مویشی چرانا بھی سیکھتے ہیں۔ ہمارے باپ نے ہمیں ستاروں کے نام بتائے ہیں۔ ریگستان میں سڑکیں کہاں۔ انہی ستاروں سے راستہ کا پتہ لگاتے ہیں۔ جس جگہ کنوئے بہت ہوئے اور پانی کی کمی نہ رہی۔ وہاں لوگ آ آ کر بسنے لگے اول گاؤں ہوا پھر قصبہ۔ اسی طرح جب آبادی بڑھ گئی تو ایک آدھ اسکول کھل گیا۔

"کوئی اسکول یہاں بھی ہے؟ اگر ہو تو دکھلا دیجئے"۔

"ہاں۔ ہے تو۔ چلئے"!

گارے کی اینٹیں دھوپ میں سکھا کر مکان بنا لیا تھا۔ اس میں اسکول تھا۔ لڑکے سب کے سب فرش پر بیٹھتے ہیں اور اپنا سبق زور زور سے یاد کرتے ہیں۔ وہاں اتنا شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی کتابوں کے حروف اردو سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ لیکن میں باوجود کوشش کے ایک حرف بھی نہیں پڑھ سکا۔ چندہ ماموں اسی طرح چپ چاپ دیکھتے رہے کیونکہ وہ پڑھے لکھے تو تھے ہی نہیں۔ چاند میں کتابیں ہی کہاں ہیں۔

میں نے ایک لڑکے کو دیکھا جو نہ تو کھیلتا ہی اور نہ ہمارے ساتھ اسکول ہی آیا وہ کچھ کرتا کراتا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا "یہ لڑکا کچھ بیمار ہے کیا؟" ایک نے جواب دیا بیمار تو نہیں ہے لیکن اونٹ کی طرح خود غرض ہے"

"اونٹ کی طرح خود غرض! اس سے کیا مطلب!"

لڑکے نے کہا ایک دفعہ کا ذکر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "چندہ ماموں بولے "خدا کی پناہ! یہ بھی کوئی پرستانی کہانی سنائے گا کیا"؟ میں نے کہا "آپ کیوں ٹانگ اڑاتے ہیں سنئے تو یہ کہانی سچی معلوم ہوتی ہے"۔

"ایک دفعہ رات کا وقت تھا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ایک عرب اپنے ڈیرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک اونٹ آیا اور اپنی گردن ڈیرے کے اندر ڈال کر کہنے لگا "باہر بڑی سردی ہے۔ اگر اجازت ہو تو اندر آجاؤں۔ آپ کی مہربانی ہوگی"

عرب نے کہا "زیادہ جگہ تو ہے نہیں۔ اتنا ہی ممکن ہے کہ تم اپنا سر اندر ڈال کر ناک کو گرما لو" اتنے میں اونٹ پھر بولا "تھوڑا سا اور اندر کو ہو جاؤں تو میری گردن بھی گرما جائیگی" عرب نے کہا "خیر یہ بھی سہی" ذرا سی دیر میں اونٹ نے پھر کہا "اگر آپ کہیں تو اپنی اگلی ٹانگیں بھی اندر کر لوں زیادہ جگہ تو گھیرے گی نہیں"

ڈیرہ چھوٹا سا تو تھا ہی۔ عرب بیچارا ایک کونے میں کو ہو گیا اور اس کی اگلی ٹانگوں کے لئے جگہ کر دی۔ اب اونٹ کہنے لگا "میں اس طرح آدھا اندر اور آدھا باہر کھڑا تو رہونگا لیکن آپ کو تکلیف ہوگی۔ کیونکہ ڈیرے

کا پردہ کھلا رہے گا۔ اور باہر کی ٹھنڈی ہوا اندر آئے گی۔ اس پر عرب بولا "تو پھر اندر ہی آجاؤ"۔ اس طرح اونٹ اندر گھس گیا۔ اب ڈیرے کے اندر دونوں کے لئے جگہ کافی نہیں رہی۔ اونٹ کہنے لگا "ہم دونوں تو اس میں آ نہیں سکتے۔ تم باہر چلے جاؤ تو میں مزے سے یہاں ٹھہر سکتا ہوں" یہ کہہ کر اس بے چارے عرب کو جس نے اس کے ساتھ مہربانی کی تھی۔ باہر ڈھکیل دیا۔

لڑکا کہنے لگا "یہ جو ہم کہتے ہیں اونٹ کی طرح خود غرض۔ اس کا یہ قصہ ہے"

میں نے جنیدہ ماموں سے پوچھا "یہ کہانی تو پسند ہے نا؟" جنیدہ ماموں بولے بالکل نہیں، اور غلط بھی تو ہے۔ یہ کہتا ہے کہ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ حالانکہ دیکھو یہ ریت کیسا جھلس رہا ہے" میں نے کہا یہ بالکل ٹھیک ہے صحرا میں دن کو تو گرمی ہوتی ہے۔ لیکن رات کو کبھی کبھی بہت سردی پڑتی ہے" جنیدہ ماموں کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ کہنے لگے "یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا" جنیدہ ماموں جانتے تو بہت کم تھے لیکن سمجھتے یہ تھے کہ ان کو سب کچھ آتا ہے اس لئے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ لیکن جب رات ہوئی اور سردی پڑنے لگی تو سکڑے سکڑے میرے پاس کمبل میں آگھسے۔ اور آدھے سے بھی زیادہ کمبل اوڑھ لیا۔ میں تو کچھ بولا نہیں صرف اتنا ہی کہا "اونٹ کی طرح خود غرض" یہ سُن کر اتنا ضرور ہوا کہ وہ آدھے ہی کمبل میں رہے اور میرے اوپر سے کمبل کھینچنا چھوڑ دیا۔

دُنیا کے بسنے والے

سید بشیر حسین صاحب زیدی بی۔ اے کینٹب بار ایٹ لا چیف منسٹر رامپور اسٹیٹ جن کی دلچسپ کہانیوں کا سلسلہ دنیا کے بچے کئی مہینے سے پیام تعلیم میں شائع ہو رہا ہے۔ "دُنیا کے بسنے والے" نام کی کتاب کے مصنف ہیں اس کتاب کی کہانیاں بھی ایسی ہی دلچسپ ہیں جیسی ان کی سب کہانیاں ہوتی ہیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کتاب میں تقریباً پچاس تصویریں ہیں جنہیں سے بعض کو دیکھتے ہی ہنسی آجاتی ہے بچے اس کو ضرور منگائیں معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔ قیمت ۸؍ محصولڈاک ۱؍

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی

جہانگیر

مولوی ضیاء الرحمن صاحب بی اے (علیگ) نے مکتبہ جامعہ کے لئے "تاریخ ہند" کی کہانیاں لکھی ہیں پہلا حصہ بنت نصیر الدین حیدر تیموریہ کا لکھا ہوا چھپ چکا ہے اس کی قیمت تین آنے ہے، دوسرا حصہ اب چھپنے والا ہے۔ پچھلے چند نمبروں سے جو مسلمان بادشاہوں کے حالات شائع ہو رہے ہیں وہ اسی دوسرے حصے کے ٹکڑے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ طلبا انہیں ضرور پسند کرتے ہوں گے۔

شہزادہ سلیم خوبصورت، اونچے قد اور چوڑے سینہ کا جوان تھا اُس کی صورت سے بہادری اور مردانگی معلوم ہوتی تھی۔ شہزادہ کو سب سے زیادہ دلچسپی پرلطف صحبت سے تھی۔ اُس کی بات چیت کرنے کا طریقہ بڑا اچھا تھا۔ ہر وقت خوش رہتا اور دوسروں کو خوش رکھتا تھا۔ اچھے کھانے اور اچھے لباس کا شوق تھا۔ گانا بجانا، شعر و شاعری اور مصوری سے خاص دلچسپی تھی۔ بہت فیاض، رحم دل اور صاف دل تھا۔ اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتا تھا اپنی ماں اور انا کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اُس کو بڑے بڑے عالموں نے تعلیم دی تھی اپنے مذہب، فارسی شاعری اور ہندو فلسفہ سے خوب واقف تھا۔ کئی زبانیں جانتا تھا۔

چھتیس برس کی عمر میں آگرہ کے قلعہ میں تخت پر بیٹھا۔ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کا خطاب ہوا۔ قیدی رہا کئے گئے۔ لوگوں کو بہت انعام دیا نیا سکہ جاری ہوا۔ غریب اور محتاج لوگوں کو بہت روپیہ تقسیم ہوا۔ آگرہ جو اُس زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا دولت مند اور سب سے خوبصورت شہر تھا۔ کئی مہینہ تک بادشاہ کی تخت نشینی کی خوشی میں دولہن بنا رہا۔ جمنا کے داہنے کنارے یہ شہر پندرہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ بڑے افسروں کے عہدے بڑھائے گئے۔

نورجہاں بیگم

مرزا غیاث ایران کے ایک بڑے خاندان کے آدمی تھے ان کے والد وزیر تھے مگر مرزا غیاث کو مصیبتوں نے گھیر لیا اور وہ اس قدر پریشان اور

غریب ہو گئے کہ اُن کو اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور ہندوستان کی طرف چل دئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے دو لڑکے اور بیوی تھی۔ راستہ میں اُن کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنسار رکھا گیا۔ مرزا غیاث کے پاس روپیہ پیسہ کچھ نہ تھا۔ بڑی مصیبت سے سفر پورا ہوا۔ راستہ میں اُن کی ملاقات ایک بڑے سوداگر ملک مسعود سے ہو گئی تھی جنہوں نے اُن کو شہنشاہِ اکبر کے حضور میں پیش کر دیا۔

مہرالنسار کی شادی علی قلی شیر افگن سے ہو گئی۔ علی قلی کو اکبر نے شہزادہ سلیم کی فوج کے ساتھ میواڑ بھیج دیا۔ وہاں علی قلی نے ایک چیتے کو بڑی بہادری سے تنہا بیل مارا جس پر خوش ہو کر شہزادہ سلیم نے شیر افگن کا خطاب دیا۔

جس زمانہ میں شہزادہ سلیم نے بغاوت کی اس وقت بھی بہت دنوں تک شیر افگن شہزادہ کے ساتھ رہا مگر بعد کو شہزادہ کا ساتھ چھوڑ کر اکبر سے جا ملا۔ شہزادہ سلیم جب بادشاہ ہوا تو اُس نے مہربانی سے شیر افگن کا قصور معاف کر دیا اور اُس کو بنگال میں ایک بڑا عہدہ دیا اور جاگیر عطا کی۔

اُس زمانہ میں بنگال میں بغاوت ہو رہی تھی۔ شیر افگن بھی اس بغاوت میں شریک تھا۔ اس لئے بنگال کے گورنر قطب الدین کو حکم ہوا کہ شیر افگن کو گرفتار کر لیا جائے۔ شیر افگن نے قطب الدین کو قتل کر دیا۔ شیر افگن بھی قتل کر دیا گیا۔

شیر افگن کی بیوہ مہرالنسار اور اُس کی لڑکی دربار میں بھیجدی گئی۔ اُسی وقت مہرالنسار اور اس کی لڑکی محل میں بھیجدی گئی۔ ان دنوں مہرالنسار کے والد مرزا غیاث بڑے عہدے پر تھے اور اعتماد الدولہ اُن کا خطاب تھا۔ مہرالنسار کچھ دنوں سلطان سلیمہ بیگم کے پاس رہی اور اس کے بعد جہانگیر سے شادی ہو گئی اور نورجہاں خطاب پایا۔

نورجہاں بیگم نہایت خوبصورت اور نازک تھی۔ اُس کی تندرستی ہمیشہ بہت اچھی رہی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کھیلتی تھی۔ اور نشانہ بہت اچھا لگاتی تھی۔ وہ بہت ذہین عقلمند اور ہوشیار تھی جس کام کو شروع کرتی تھی جب تک ختم نہ کر لیتی چین نہ پاتی۔ اُس کی بہت اچھی تعلیم ہوئی تھی۔ فارسی خوب جانتی تھی اور شعر خوب اچھا کہتی تھی۔ ہر قسم کے کام اور ہنر جانتی تھی۔ لباس اور آرائش کی چیزوں میں نئی نئی ایجادیں کرتی رہتی تھی۔ جو نیا لباس یا جہیز ایجاد کرتی ہر جگہ پھیل جاتا اور اسی کا رواج ہو جاتا۔ گوٹہ، لچکہ، اور چاندنی کا فرش وغیرہ سب اسی کی ایجاد ہے نئے نئے قسم کے زیور ایجاد کئے ہیں۔

شادی کے بعد سے اصل میں نورجہاں ہی حکومت کرتی تھی۔ جہانگیر کا صرف نام ہی تھا۔ سکہ پر بھی نورجہاں کا نام لکھا گیا تھا۔ وہ اس قدر ہوشیار اور عقلمند تھی کہ سب دربار کے لوگوں کو قابو میں رکھتی تھی اور کسی کو ناراض نہ کرتی تھی۔

جہانگیر شراب بہت پیتا تھا لیکن نورجہاں نے آہستہ آہستہ اس کی یہ بُری عادت بہت کم کرا دی تھی۔ نورجہاں نے پردہ چھوڑ دیا تھا اور دربار و شکار میں ہر جگہ بے پردہ نظر آتی تھی۔ لڑائی کے میدان میں بڑی بہادری سے دشمن سے مقابلہ کرتی تھی۔

جہانگیر بڑا منصف مزاج تھا۔ کسی شخص پر خواہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی ظلم نہ کر سکتا تھا۔ جس کمرہ میں جہانگیر سوتا تھا وہاں سے قلعہ کی دیوار کے نیچے تک چاندی کی زنجیر لٹکی رہتی تھی اور جو شخص بادشاہ کو خبر کرنا چاہتا تھا ہر وقت اس زنجیر کو ہلا کر بادشاہ کو خبر کر سکتا تھا اکثر بادشاہ کو رات کو سوتے سے اُٹھنا پڑتا تھا لیکن وہ فوراً فریاد کرنے والے کو بلا کر اُس کی شکایت سنتا اور انصاف کرتا۔

عارف میاں کا خط

آم قلم گویا کی پہیلیاں بہتوں نے بوجھیں لیکن انعام صرف پانچ کو ملا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے چھوٹے دوست عارف میاں انعام نہ پا سکے انہوں نے صحیح حل کیا تھا۔ ایڈیٹر کو ایک خط بھی لکھا تھا جو پیام بھائیوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

اچھے محترم آداب

میں پہیلیوں کی بوجھن بھیج رہا ہوں۔ خدا کرے صحیح ہوں۔ اس کی کسی کو خبر نہیں۔ لیکن جب میرا نام چھپے گا تو سب کیسے خوش ہوں گے کہ میاں عارف نے خود پہیلیوں کو بوجھ لیا۔ ٹکٹ میں نے اپنے اکّا میاں کی میز میں سے چپکے سے نکال لئے۔ اگر صحیح ہوں تو آپ مجھے ایک کارڈ لکھ کر بتا دیجئے گا۔ ورنہ اتنے دن راہ دیکھنی پڑے گی۔ آپ پہیلیوں میں ہدایت نہ لکھا کریں بلکہ آتا پتہ لکھا کریں۔ ہماری دادی اماں بھی یوں ہی کہتی ہیں۔

آپ کا چھوٹا دوست
عارف سجاد منزل دہلی

قطب شمالی کا سیاح

قطب شمالی ہماری زمین کا ایک ایسا حصہ ہے جہاں ہر وقت برف موجود رہتی ہے اور جس طرف بھی دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سفید فرش بچھا دیا ہے. آج ہم تمہیں ایسے آدمی کا حال سناتے ہیں جو خاص قطب شمالی میں پہنچ گیا تھا. یہاں پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ اس حصہ میں نہ تو سڑکیں ہیں نہ آمدورفت کے کوئی اور سامان. سردی اتنی پڑتی ہے کہ توبہ ہی بھلی پھر کئی آدمیوں نے وہاں پہنچنے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن سب کو شکست کھانی پڑی۔

وہ قوم جس میں بہادر پیدا نہوں مردہ قوم ہے اور وہ قوم جو اپنے بہادروں کی قدر نہ کرے سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا سے مٹنے والی ہے۔ اوڈن پیری نے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا بیس سال متواتر قطب شمالی پہنچنے کی سرتوڑ کوششیں کیں، ہزار مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں۔ آخرکار کامیابی نے اس کے قدم چوم ہی لئے۔

پیری ۱۸۵۶ء میں امریکہ میں پیدا ہوا تھا. تعلیم ختم کرنے کے بعد پچیس سال کی عمر میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بحری فوج میں شامل ہو گیا. جب اُسکی عمر انتیس سال کی تھی تو اس نے ایک ایسی کتاب پڑھی جس میں تحقیق و تلاش کے متعلق بہت سی باتیں درج تھیں۔ اگلے سال اُس نے گرین لینڈ کا سفر کیا اور اس کے بعد اس کو سیاحت کا اتنا شوق پیدا ہوا کہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو موجودہ قطب شمالی پہنچ کر رہیگا۔

چنانچہ قطبی علاقہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے بہت سے سفر اختیار کئے۔ اس نے سمندر زمین اور تمام باتوں کا اچھی طرح سے پتہ چلایا. اسکیمو جو اس علاقہ میں رہتے تھے ان کو اپنا دوست بنایا تاکہ وہ اس کی مدد کر سکیں۔ اس کی بیوی نے بھی بہت سے سفروں میں اس کا ساتھ دیا اور اس علاقہ میں ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کو اسکیمو "سفید بچی" کہتے تھے۔

سب حالات معلوم کر کے پیری نے ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۶ء میں دو مرتبہ قطب پہنچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا. لیکن اس ناکامی کی وجہ سے اس کی ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا اور ۱۹۰۸ء میں اس نے پھر یہ خطرناک سفر اختیار کیا. پیری جانتا تھا کہ یہ اس کا آخری سفر ہوگا. کیونکہ اب اُس کی عمر ۵۲ برس کی ہو گئی تھی اور اس کے بعد بوڑھے آدمی سے جوانوں کی سی ہمت کی امید رکھنا فضول تھا۔ جس جہاز میں اُس نے یہ سفر کیا تھا اس کا نام تھا "روزالڈٹ"

۶ جولائی کو پیری نیویارک سے روانہ ہوا اور چند ہفتوں کے سفر کے بعد قطبی علاقہ عبور کر کے اس حصہ میں پہنچ گیا جہاں ہر وقت دن رات ہے۔ شمال کی جانب روانہ ہو کر اور ان بہادروں کی قبروں کے پاس سے گزر کر جنہوں نے قطبی علاقہ معلوم کرنے کی کوشش میں اپنی عزیز جانیں تک دے دی تھیں اس کا جہاز کیپ یارک پہنچ گیا جہاں سے اصلی مہم شروع ہونے والی تھی۔

یہاں اس کے دوست اسکیموؤں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا. اس نے اس مہم کے لئے بہترین اور بہادر آدمیوں کا انتخاب کیا اور وہ بغیر ایک لفظ کہے تیار ہو گئے۔

چند دن یہاں قیام کر کے پیری پھر روانہ ہوا۔ اب اس کے ساتھ ۴۹ اسکیمو اور ۲۴۶ کتے تھے۔

پیری کو ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کسی برف کے تودے سے ٹکرا کر جہاز تباہ برباد نہ ہو جائے. کیونکہ جدھر دیکھو برف کے چھوٹے چھوٹے پہاڑ تیرتے نظر آتے تھے. کوئی اور جہاز ہوتا تو کبھی کا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہوتا لیکن "روزالڈٹ" کو بڑی مضبوطی اور ہوشیاری سے بنایا گیا تھا. پیری اور اس کے ساتھی جہاز کو بچانے کے لئے آستینیں چڑھائے ہر وقت تیار رہتے تھے اور ان بیچاروں کو کئی کئی وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا آخر بہت سی تکلیفوں اور دشواریوں کے بعد یہ باہمت لوگ "کیپ شیریڈان" پہنچ گئے۔

بحری راستہ یہاں پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب باقی سفر صرف "سلیج" سے ممکن تھا۔ لہذا تمام سامان جہاز سے اُتار لیا گیا۔ ڈبوں اور چمڑے کے بکسوں کو ملا کر ایک کمرہ بنایا گیا. جس کی چھت ایسے کپڑوں کی تھی جس پر پانی اثر نہیں کرتا۔ ان لوگوں نے اس عجیب و غریب کمرہ میں رہنا شروع کیا. کیونکہ سردی کا زمانہ شروع ہو گیا تھا اور اس زمانہ میں سفر کرنا بالکل ناممکن تھا۔

لیکن اس زمانہ میں بھی پیری اور اس کے ساتھی بیکار نہیں بیٹھے
ان کو اب بھی بہت سا کام کرنا تھا کیپ کولمبیا تک جو شمال کا انتہائی مقام
ہے انہیں کھانے پینے کا سامان ہر منزل پر جمع کرنا تھا برف کے مکان بنانے
تھے تاکہ لوگ اس میں رہ سکیں ہزاروں من سامان اُٹھانا ناممکن تھا لہذا یہ
ترکیب کی گئی کہ کیپ کولمبیا تک جو یہاں سے کوئی نوے میل تھا کئی منزلیں
بنائی جائیں جن میں تھوڑا تھوڑا سامان جمع ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو
تجربہ ہو گیا کہ کڑاکے کی سردی اور برف میں اپنے ہاتھ پاؤں اور منہ کی حفاظت
کس طرح ہو سکتی ہے۔

آخرکار یہ زمانہ بھی گزر گیا اور ۲۲ فروری کو پیری اور اس کے ساتھی
کیپ شیروان سے روانہ ہوئے۔ یہ جماعت ۲۴ آدمیوں ۱۹ سلیجوں اور ۱۳۳
کتوں پر مشتمل تھی۔ مزہ یہ تھا کہ جدھر دیکھو برف ہی برف تھی۔ برف کے سوا
کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چلنا مشکل تھا اور سخت مشکل غضب کی سردی تھی
اور سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ کبھی یہ ہوتا تھا کہ برف پگھل جاتی تھی اور اس
میں سے پانی نکل آتا تھا۔ جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ مجبوراً پیری
کو ٹھہرنا پڑتا تھا۔ ایک دو دن کے بعد پانی پر پھر برف آجاتی تھی اور اس طریقہ
سے قدرتی پل بن جاتا تھا۔ پانچ پانچ کو تو وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی کی وجہ
سے انہیں چھ دن تک انتظار کرنا پڑا۔ لوگ سخت دل شکستہ ہوئے اور
سمجھنے لگے کہ اب قطب تک پہنچنا ناممکن ہے لیکن پیری برابر ان کی ہمت
افزائی کر رہا تھا۔ کئی مرتبہ سلیج اُلٹ گئی اور کھانے کا سامان ضائع ہوا
لیکن یہ لوگ ہمت اور استقلال سے چلتے رہے۔ لیکن کھانے کا سامان
چونکہ دن بدن کم ہو رہا تھا اس لئے بہت سے لوگوں کو واپس بھیج دیا گیا۔
آخری سفر میں پیری کے ساتھ اس کا ایک حبشی ملازم ہنس اور صرف چار
اسکیمو تھے۔

جوں جوں وہ قطب کے پاس آتے جاتے تھے ان کی مسرت
کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ بے حد تھک گئے تھے لیکن ایک
شوق تھا جو انہیں آگے لئے جا رہا تھا۔

آخر ۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو پیری، ہنس اور چار اسکیمو قطب پہنچ گئے
اور خاموشی سے یہ علاقہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مقبوضات میں شامل
کر دیا گیا۔ پانچ جھنڈے قطب شمالی میں گاڑے گئے۔ ان میں ایک ریشم
کا خوبصورت جھنڈا تھا جو پیری کو اس کی بیوی نے دیا تھا۔

تیس گھنٹوں تک پیری اور اس کے ساتھی وہاں رہے اور
پھر واپسی سفر شروع کر دیا۔ واپسی میں موسم اچھا تھا اور یہ فاصلہ بہت
آسانی سے طے ہو گیا۔

چالاک چور

ایک بادشاہ تھا جس کے دو بیٹے تھے بڑا اسکول میں پڑھتا تھا اور چھوٹا
چوری کرنا سیکھتا تھا ایک دن بادشاہ نے چھوٹے لڑکے سے کہا کہ میں جب
مانوں گا کہ تم پورے چور ہو کہ تم میری چارپائی کے چاروں پائے جو کہ سونے
کے بنے ہوئے ہیں غائب کر لو۔ لڑکے نے کہا یہ کونسی مشکل بات ہے۔ یہ کہہ کر
وہ سنار کے پاس گیا اور کہا کہ تم چار پیتل کے پائے مجھے بنا کے دے دو۔

ایک روز جب بادشاہ سویا ہوا تھا چھوٹا لڑکا سنار کے یہاں سے
پیتل کے پائے لایا اور چارپائی سے سونے کے چاروں پائے نکال کر چاروں
پیتل کے پائے لگا دئے۔ اس وقت بادشاہ کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔ صبح کو
جب بادشاہ اُٹھا تو لڑکے نے کہا کہ ایک سنار کو بلواؤ۔ وزیر نے سنار کو بلوایا
تو بادشاہ نے سنار سے کہا دیکھو اس چارپائی کے پائے کس چیز کے ہیں۔
سنار نے کہا پیتل کے۔ پھر بادشاہ نے اپنے لڑکے سے کہا میں اب بھی نہیں
مانتا ہوں تو جب مانوں گا جب کہ تم فلاں شخص کا گھوڑا چرا لاؤ۔ لڑکے نے کہا
بہت اچھا یہ کہہ کر لڑکے نے سادھو کا لباس پہنا اور اس شہر کی طرف روانہ
ہوا۔ ادھر لڑکے کا جانا تھا کہ ادھر بادشاہ نے ایک خط میں بادشاہ کے
نام لکھا جس کا گھوڑا چوری جانے والا تھا۔ اس خط میں یہ لکھا تھا فلاں چور
تمہارے گھوڑے کو چرانے جا رہا ہے اپنے گھوڑے کی حفاظت کرنا۔ بادشاہ
نے جس وقت خط پڑھا اسی وقت شہر کے ارد گرد سپاہیوں کا پہرا ڈلوا دیا
تاکہ کوئی شخص شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

اتفاق کی بات کہ ایک رات ایک طرف کے سپاہی سو گئے اور
لڑکا اس طرف سے شہر میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ نے تمام باتیں معلوم کرنے
کے واسطے نجومیوں کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ اس روز نجومیوں نے بادشاہ

سے کہا کہ بادشاہ سلامت چور شہر میں داخل ہوگیا۔ دوسرے دن بادشاہ نے تمام شہر میں اشتہار لگوادیا کہ جو شخص چور کو پکڑے گا اس کو بہت سا روپیہ انعام دیا جائے گا۔ یہ بات ایک بڑھیا کے کان میں پہنچی وہ بادشاہ کے یہاں گئی اور کہا میں چور کو پکڑ لاؤں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا روانہ ہوئی۔

اب اس چور کا حال سنیئے اس روز اس نے ایک کسان کا بھیس بدل لیا اور ایک آدمی کے کھیت میں پانی دینے لگا۔ ادھر سے بڑھیا بھی پہنچی اور کہنے لگی بھیا مجھے پانی پلا دے۔ چور نے پوچھا تو کہاں جا رہی ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ ایک چور ہمارے شہر میں گھس آیا ہے اور بادشاہ کا گھوڑا چرانے کی کوشش کر رہا ہے اس لئے بادشاہ نے مجھے چور کو پکڑنے کے لئے بھیجا ہے۔ چور بڑا خوش ہوا اس نے بڑھیا سے کہا کہ اس رستے کو پکڑ کر کوئیں میں چلی جا اور خوب پانی پی لے بڑھیا نے کہا بہت اچھا یہ کہہ کر کوئیں میں چلی گئی کوئیں میں جانا تھا کہ چور نے رسے کو زور سے کھینچا اور وہ کوئیں میں گر پڑی اور مر گئی۔ اس وقت نجومیوں نے بادشاہ سے کہا کہ چور نے بڑھیا کو مار ڈالا۔ یہ سن کر کہ بڑھیا مر گئی وزیر نے کہا میں جاتا ہوں اور چور کو پکڑ کے لاؤں گا۔

اس روز چور عورت کے بھیس میں تھا جب وزیر ادھر سے گزرے تو چور نے پوچھا وزیر صاحب آپ کس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وزیر نے کہا چور کو اس نے کہا چور کا کیا کریں گے۔ وزیر نے کہا قید خانہ میں بند کریں گے۔ چور نے کہا دکھلایئے کیسا قید خانہ ہے۔ وزیر نے کہا چلو دکھا دیں گے۔ وزیر چور کو قید خانہ کے پاس لے گیا اور کہا یہ ہے قید خانہ۔ چور نے پوچھا بند کیسے کریں گے وزیر قید خانہ میں جا کر بیٹھ گیا اور کہا کہ "اس طرح بٹھا کر بند کر دیں گے" وزیر صاحب کا بیٹھنا تھا کہ چور دروازہ بند کرا کر قفل لگا چلتا بنا۔ اس وقت نجومیوں سے بادشاہ نے پوچھا کہ وزیر کامیاب ہوا یا نہیں نجومیوں نے کہا وزیر کو چور نے قید خانہ میں بند کر دیا۔

بادشاہ نے کہا اب میں جاتا ہوں یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور چور کی تلاش میں روانہ ہوا۔

اب چور کا حال سنئے وہ عورت کے بھیس میں تو تھا ہی۔ ایک غریب بڑھیا کے گھر میں گیا جو کہ اس وقت آٹا پیس رہی تھی۔ چور نے بڑھیا کو پانچ روپے دیے اور کہا کہ یہ پانچ روپے لے لے اور اپنے گھر میں جا کر بیٹھ میں تیرا آٹا پیس دیتی ہوں بڑھیا بڑی خوش ہوئی اور روپے لے کر گھر بیٹھ گئی۔ ادھر سے بادشاہ آرہے تھے چور نے کہا بادشاہ سلامت یہ آٹا پیسئے اور گھوڑا دیدیجئے میں ابھی چور کو پکڑ لیتی ہوں۔ بادشاہ نے گھوڑا دے دیا اور آٹا پیسنے لگا۔ چور گھوڑا لے کر یہ جا وہ جا اپنے گھر پہنچا باپ کو گھوڑا دیا اور کہا گھوڑا تو گھوڑا بادشاہ سے آٹا پسوالیا۔ باپ بہت خوش ہوا اور کہا واقعی تم پکے چور ہو۔ پھر جس کا گھوڑا تھا اس کو واپس کر دیا۔

امام بخاری

محمد بن اسمٰعیل ابو عبداللہ الجعفی ۱۳ شوال ۱۹۴ھ (۲۱ جنوری ۸۱۰ء) کو بخارا میں پیدا ہوئے ان کے والد اسمٰعیل بن ابراہیم بہت پرہیزگار علما میں سے تھے، امام صاحب بخاری نے ذہن اور حافظہ بلا کا پایا تھا اور علم کا شوق گویا گھٹی میں پڑا تھا۔ چنانچہ بہت تھوڑی عمر میں جب کہ مکتب میں پڑھتے تھے اللہ نے اُن کے دل میں یہ بات ڈالی کہ حدیث کا علم پڑھنا چاہیئے یہ خیال آتے ہی مکتب سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے ہی وطن میں علمائے حدیث سے حدیث پڑھنی شروع کر دی۔ ایک سال کی محنت میں اتنی استعداد اور قابلیت پیدا ہو گئی کہ اُستادوں کی غلطیاں نکالنے لگے۔ چنانچہ ایک مشہور اُستاد نے پڑھاتے وقت ایک شخص (غالباً راوی) کا نام غلط لیا۔ امام صاحب نے ٹوکا۔ اُستاد کو بڑا غصہ آیا مگر انھوں نے عرض کیا کہ ذرا اصل دیکھئے اصل دیکھی گئی تو معلوم ہوا امام صاحب نے صحیح فرمایا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ سولہ سال کی عمر تک حدیث کی کئی کتابیں حفظ کر لیں اسی زمانہ میں والدہ اور بھائیوں کے ساتھ حج کو گئے حج سے فراغت کے بعد یہ وہیں رہ گئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، پھر اس علم کی تکمیل اور حدیثوں کی صحت و تحقیق کی جستجو میں مکہ، مدینہ، بصرہ، شام، مصر، دمشق کا سفر کیا۔ ۱۱ سال تک مصر میں رہے اس کے بعد ۵ سال تک بصرہ میں اقامت اختیار کی۔ غرض سالہا سال تک ایشیا کے تمام علمی مرکزوں میں گھوم پھر اور اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے وطن واپس آئے، اور یہیں ۳۰ رمضان ۲۵۶ھ (۳۱ اگست ۸۷۰ء) میں انتقال کیا اور میں دفن کئے گئے جو

سمرقند سے دو فرسنگ پر واقع ہے

قوت حافظہ:۔ امام صاحب کے چند ساتھیوں کا بیان ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ہم بھی حدیث پڑھنے جاتے تھے، ہم سب حدیثیں نقل کر لیا کرتے تھے۔ مگر امام صاحب باوجود بار بار کہنے کے کبھی نہیں لکھتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے تم بار بار مجھے پریشان کرتے ہو بتاؤ تو کتنی حدیثیں لکھ چکے ہو۔ ہم نے اپنی اپنی کاپیاں دکھائیں پندرہ ہزار سے زیادہ حدیثیں لکھی ہوئی تھیں مگر امام بخاری کو یہ تمام حدیثیں حفظ یاد تھیں اور اس قدر صحت کے ساتھ یاد تھیں کہ ہم نے ان سے پوچھ پوچھ کر کئی جگہ اپنی غلطیاں درست کیں۔

ایک صاحب امام بخاری کے ایک استاد کے پاس گئے انھوں نے کہا تم دیر میں آئے ورنہ میں تمھیں ایسا لڑکا دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں یہ امام صاحب کی تلاش میں نکلے اور ملاقات ہوئی تو بڑے تعجب سے حقیقت دریافت کرنے لگے۔ امام صاحب نے کہا ہاں مجھے اس سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ اور جن صحابہ اور تابعین سے حدیث بیان کروں گا ان میں سے اکثر کی ولادت، سکونت، اور تاریخ وفات کا مجھے علم ہوگا۔ خود امام صاحب کا بیان ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔

ایک بار امام بخاری بغداد میں تشریف لائے تو وہاں کے علماء نے آپ کا امتحان لینا چاہا۔ سو حدیثیں انتخاب کی گئیں اور ان میں ایک دوسرے سے غلط ملط کر دیا گیا۔ کسی کی سند اور کسی کی عبارت میں تبدیلی کر دی گئی دوسرے دن مجلس میں یہ حدیثیں پیش کی گئیں امام صاحب ہر حدیث کے جواب میں فرماتے رہے کہ "مجھے نہیں معلوم" جب سو کی سو حدیثیں پوری ہو گئیں تو امام صاحب نے اس طرف توجہ فرمائی۔ ہر ایک حدیث میں جو غلطیاں تھیں وہ بتائیں اور انھیں درستی وصحت کے ساتھ پڑھا۔ لوگ حیرت میں رہ گئے اور اس عجیب وغریب قوت حافظہ کا لوہا مان گئے۔

طالب علمی کی مصیبتیں:۔

طالب علمی کے زمانے میں مختلف ملکوں کا سفر کچھ کم مصیبت نہ تھی پھر کبھی کبھی اس غریب الوطنی کی حالت میں مالی پریشانیاں، اس مصیبت اور تکلیف میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم امام صاحب کے ساتھ بصرہ رہتے تھے ایک بار وہ غائب ہو گئے ہم نے تلاش کیا تو ایک مکان میں ملے مفلسی کا یہ حال تھا کہ بدن پر کپڑے کا ایک تار تک نہ تھا۔

ایک بار امام صاحب کا خرچ ختم ہو گیا اور خرچ کے ساتھ کھانے پینے کا سارا سامان بھی مگر انھوں نے کسی کو خبر نہ کی اور تین چار روز تک جنگل کی گھاس اور جڑی بوٹیاں کھاتے رہے آخر ایک دن کوئی نامعلوم شخص اشرفیوں کی ایک تھیلی یہ کہہ کر دے گیا کہ اس کو آپ اپنے اوپر خرچ کیجئے۔

زھد وپرہیزگاری:۔ امام صاحب بڑے نامور متقی اور پرہیزگار تھے رمضان کے مہینہ میں تراویح خود ہی پڑھاتے تھے اور مہینہ بھر میں قرآن ختم کر دیتے تھے اس کے علاوہ خود ہر تیسری رات کو قرآن ختم کرتے تھے۔

ایک بار بھڑ نے سات دفعہ نماز میں کاٹا مگر امام صاحب نے نیت نہیں توڑی اور نہ چہرہ پر کوئی اثر ظاہر ہونے دیا۔

صحیح بخاری کی تصنیف:۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ کاش آپ احادیث کی ایک مختصر سی کتاب مرتب کر لیتے یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور میں اس اہم کام کے پیچھے پڑ گیا میں نے اس کتاب کی حدیثوں کو چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کیا ہے۔ اور سولہ سال میں یہ کام ختم ہوا۔ بہت سی حدیثیں طویل ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہیں میں نے تین بار اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔

امام صاحب کی غیر معمولی شخصیت کے لوگ پہلے ہی سے معترف تھے بخاری کی تصنیف نے ان کی عزت و وقعت میں چار چاند لگا دیے لوگوں کو امام صاحب سے بڑی عقیدت ہو گئی۔ ایک دفعہ ایک مشہور محدث امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں آنکھوں کو چوما اور جوش عقیدت میں کہنے لگے "اے استادوں کے استاد! مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے قدم چوموں"

پھول شہزادہ

ہمارا تمھارا خدا بادشاہ، ایک تھا بادشاہ، اس کے تین بیویاں تھیں۔ سب سے چھوٹی پر بادشاہ دل وجان سے فریفتہ تھا۔ جو وہ کہتی فوراً کرتا۔ چھوٹی بیگم پر بادشاہ کی اتنی عنایت دیکھ کر دوسری دونوں بیویاں چھوٹی بیگم سے حسد کرنے لگیں۔

ایک دفعہ چھوٹی بیگم کے ہاں بچہ ہونے کو تھا۔ سب کو اس کی خوشی تھی۔ بادشاہ تو پھولا نہ سماتا تھا کیونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اب خدا وہ دن دکھانے کو تھا جس کی مدت سے آرزو تھی۔ اولاد کی خواہش تو سب ہی کو ہوتی ہے لیکن ایسے بادشاہ جن کے کوئی اولاد نہیں ہوتی دن ورات اسی غم میں گھلا کرتے ہیں۔ انھیں خیال ہوتا ہے کہ ان کے بعد سلطنت کا کام کون سنبھالے گا۔ رعایا بھی ایسے بادشاہوں کو منحوس سمجھتی ہے۔ اُن سے محبت نہیں کرتی کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد تاج وتخت کے کئی دعویدار پیدا ہوں گے جو آپس میں لڑیں گے اور خلق خدا کا ناحق خون ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس موقع پر جب بادشاہ کے ہاں بچہ ہونے کو تھا رعایا بھی بہت خوش تھی۔

اسی زمانہ میں بادشاہ کے ہاں بڑے دور و دراز ملک کا ایک راجہ مہمان آیا۔ راجہ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ مہمان اور مسافر کی خاطرداری بادشاہوں کا فرض ہے۔ کیونکہ یہی لوگ دور دور کے ملکوں کا سفر کرتے ہیں تو ایسے بادشاہوں کی تعریفیں کرتے ہیں جو انھیں خوب خوش رکھتے ہیں اور ایسے ملکوں کو بدنام کرتے ہیں جہاں ان کو تکلیف ہوتی ہے اور کوئی ان کے آرام کا خیال نہیں رکھتا۔ راجہ مہمان آیا تو بادشاہ کا فرض ہوگیا کہ سب کام چھوڑ کر اس کی مہماں نوازی کرے۔ راجہ نے شکار کی خواہش کی تو بادشاہ کے حکم سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ہاتھی گھوڑے، چیتے، کتے، شہباز غرض شکار کے لئے سارے جانور تیار کیے گئے۔ بادشاہ راجہ سے اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لئے محل میں گیا اور حکم دیا کہ

"میرے پیچھے اگر محل میں بچہ ہو تو فوراً نقارہ پر چوب مار دی جائے۔ میں جہاں کہیں ہوں گا اُسی وقت آجاؤں گا۔"

یہ کہ کر بادشاہ شکار کو روانہ ہوگیا۔

حسد کی آگ بڑی ہوتی ہے۔ جیسے ہی بادشاہ نے اپنا قدم محل سے باہر رکھا، دونوں حاسد بیویاں چھوٹی بیگم کے پاس آئیں۔ کچھ دیر تو ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں اس کے بعد ایک نے کہا۔

"بادشاہ کی محبت بھی دیکھنے کی ہے۔ جو سامنے آگیا وہی سب سے چہیتا ہے جہاں پیٹھ مڑی اور رُخ بدلا۔"

چھوٹی بیگم نے کہا "نہیں بہن تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ جتنی مہربانی مجھ پر وہ اس وقت کرتے ہیں جب میں ان کے سامنے ہوتی ہوں اتنا ہی میرا خیال وہ میرے پیچھے بھی رکھتے ہیں" بڑی بیگم نے کہا "یہ غلط ہے کہنے کو تو اسی وقت وہ کہ گئے ہیں کہ جب ضرورت ہو نقارہ پر چوب مارنا میں فوراً آجاؤں گا لیکن بہن تم ان کی طبیعت سے واقف نہیں"۔ چھوٹی بیگم نے کہا "اچھا میں تمھیں اس کا ثبوت دیتی ہوں"

یہ کہکر اس نے نقارہ پر چوب ماری اور دم کے دم بادشاہ کی سواری آن پہنچی اس نے گھبرا کر پوچھا "کہو کیا ہے"

ملکہ نے مسکرا کر کہا "کچھ نہیں، میری طبیعت گھبراتی تھی اس لئے آپکو بلا لیا"۔

بادشاہ نے سمجھاتے ہوئے کہا "تم نے بُرا کیا۔ بے ضرورت مجھے کیوں بلایا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ آخر مہمان کی خدمت بھی تو ہم پر فرض ہے"

بادشاہ پھر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں حاسد بیویاں پھر کہنے لگیں۔ دیکھا! ایک ہی دفعہ کے بلانے میں بادشاہ سلامت چڑ گئے۔ انھیں تو اپنی سلطنت کے کاموں سے فرصت نہیں ہماری تمھاری کیوں فکر کرنے لگے۔"

چھوٹی بیگم نے کہا "فکر نہ ہوتی تو آتے کیوں؟"

بڑی بیگم کہنے لگی "لیکن اب وہ ہرگز نہ آئیں گے۔ اب اگر تم ان کو بلا دو تو میں ہاری تم جیتیں۔"

بیوقوف چھوٹی بیگم نے چوب اٹھائی اور نقارہ پر ماری کہ کان کے پردے بھی پھٹ گئے۔

چند منٹ میں بادشاہ سلامت بھی آن پہونچے اور دریافت فرمایا "کہو اب خیریت ہے؟"

بیگم نے جواب دیا "آپ اب شکار کو نہ جائیے۔ میرا دل گھبراتا ہے۔ محل میں ہی رہیے"

بادشاہ غصہ میں بولا "بے وقوف عورت۔ تجھے کتنا سمجھایا نہیں مانتی۔ بار بار بے وجہ بلا لیتی ہے۔ جا اب ہرگز نہ آؤں گا چاہے تو مر ہی کیوں نہ جائے۔"

بادشاہ یہ کہکر چلدیا۔ دونوں حاسد بیویاں دل میں خوش ہوئیں اور سمجھا کام بن گیا۔ چند گھنٹہ بعد چھوٹی بیگم کے ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ حاسد بیویوں نے بچہ کو ایک مٹی کی ہنڈیا میں رکھ کر اپنی خادمہ کے ذریعہ شہر کے باہر پھنکوا دیا اور کتے کے بچہ کو کپڑے پہنا کر سونے چاندی کے جھولے میں ڈال دیا۔

اب نقارہ پر چوب ماری گئی لیکن بادشاہ نہ آیا۔ چھوٹی بیگم بہت گھبرائیں کہ بادشاہ سچ مچ غصہ ہوگئے آخر خاموش پڑی روتی رہی۔

کئی دن بعد جب بادشاہ شکار سے واپس ہوئے تو دیکھا محل میں سب خاموش ہیں کوئی اُس کے سامنے نہیں آتا۔ اُسے شبہ ہوا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ جلدی جلدی چھوٹی بیگم کے کمرہ میں گئے وہ اپنی چارپائی پر پڑی رو رہی تھی۔ بڑی بیگم نے فوراً اٹھ کر کتے کی بچہ کو بادشاہ کی گود میں ڈالدیا اور کہا "حضور کی بیگم کا بچہ ہے" بادشاہ نے حیرت اور ندامت سے سر جھکا لیا اور حکم دیا "اس کو مروادو اور آئندہ چھوٹی بیگم کو میرے سامنے نہ آنے دیا جائے"

اب کیا تھا حاسد بیویوں کی بن آئی۔ چھوٹی بیگم سے اس کے اچھے اچھے کپڑے چھین لئے گئے خوبصورت سجے سجائے کمرے سے نکال دیا گیا اور ایک اندھیری کوٹھری۔ ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی اور ایک پھٹا ہوا بانس دیدیا کہ کوے ہانکا کرے سب لوگ اُسے کوے ہکنی کہتے تھے اور ایک جو کی روٹی اور آبخورہ بھر پانی مل جاتا تھا۔ بیچاری مصیبت کی ماری مدتوں اسی حال میں اپنے بُرے دن کاٹتی رہی۔

(۲)

خدا کا کرنا بادشاہ سلامت ایک دن اپنی دونوں بڑی بیگموں کے ساتھ محل کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کوا کیتکی کا پھول لایا اور بڑی بیگم کی گود میں گرا کر اُڑ گیا بادشاہ نے پھول کو دیکھا تو بہت پسند کیا۔ خوشبو بھی خوب تھی۔ بیگم نے بادشاہ سے کہا "مجھے ایک ایسا ہی پھول منگادو" بادشاہ ہنسا اور کہا "یہ کیا بڑی بات ہے۔ ابھی وزیر کو حکم دیتا ہوں جس پودے کا پھول ہوگا وہی منگوائے دیتا ہوں"

وزیر طلب کیا گیا اور حکم ہوا جہاں اس قسم کے پھولوں کا پودا ملے۔ لے آیا جائے اور باغ میں لگا دیا جائے۔ وزیر آداب بجا لا کر چلا گیا۔ فوراً چاروں طرف سپاہی دوڑا دئے گئے اور کیتکی کے پھول کی تلاش شروع ہوگئی۔

کئی دن بعد ایک سپاہی واپس آیا اور کہا "جس درخت کا یہ پھول ہے وہ تو عجب طلسمات کی چیز ہے۔ شہر کے باہر ایک چھوٹی سی قبر ہے اس پر ایک خوشنما درخت میں یہ پھول لگے ہیں۔ قبر پر ان ہی پھولوں کا سایہ رہتا ہے دور سے تو وہ درخت بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں قریب جاتے ہیں اونچا ہوتا جاتا ہے میں نے بہت کوشش کی پھول ہاتھ نہ آیا"

وزیر اور بادشاہ یہ عجب قصہ سن کر حیرت میں رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے کہا "وزیر تم خود جاؤ اور دیکھو کیا بات ہے"۔ وزیر ایک بڑی سی سیڑھی اور لمبی سی لکڑی ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ بہت کوشش کی کہ کسی طرح کوئی پھول ہاتھ آجائے لیکن جتنی وہ سیڑھی اونچی کرتا یا لکڑی لمبی کرتا اتنا ہی درخت اور اونچا ہوجاتا تھا۔ آخر پریشان ہو کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی "بندہ قاصر رہا۔ وہ درخت ایسا ہے کہ نہ کبھی دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ آپ خود تشریف لے چلیں اور ملاحظہ فرمائیں"

غرض بادشاہ کی سواری تیار کی گئی ایک ہاتھی پر وہ خود بیٹھا دوسرے پر دونوں بیگمیں اور اس کے پیچھے خلقت کا انبوہ شہر سے باہر نکلے دیکھا فصیل کے نیچے ایک صاف ستھری چھوٹی سی خوبصورت قبر ہے جس پر ایک ننھا سا درخت اُگا ہوا ہے اور اس کی ٹہنیاں پھولوں کی بوچھار قبر پر کر رہی ہیں۔ درخت کی شاخیں اتنی نیچی تھیں کہ ہوا کے جھونکوں سے قبر کے فرش سے چھو چھو جاتی تھیں۔

بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی "حضور کو ابھی سب معلوم ہوجائے گا" اب بادشاہ کی سواری جوں جوں درخت کے قریب ہوتی جاتی تھی درخت اونچا ہوتا جاتا تھا۔ بادشاہ کا ہاتھی درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہوا تو قبر سے آواز آئی "بے رحم باپ! کوے ہکنی کو بلوا پھر دیکھ کیا ہوتا ہے" بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا۔ فوراً کوے ہکنی کو سواری بھجوائی تھوڑی دیر سب ایک دوسرے کو کھڑے دیکھتے رہے دور پر کوے ہکنی کی سواری نظر آئی تو درخت بھی نیچا ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب پالکی درخت کے نیچے رکھی گئی تو چاروں طرف سے شاخیں پالکی سے لپٹ گئیں اور آواز آئی "باوا جان! آپ کو دھوکا دیا گیا آپکا بچہ قبر میں قید ہے۔ آپ شکار میں تھے آپکی بڑی بیگموں نے آپ کو دھوکا دیا"

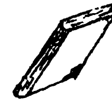
بادشاہ سب سمجھ گیا بڑی بیگمیں کانپ اٹھیں بادشاہ غصہ سے اپنا ہاتھ تلوار پر لے گیا مگر آواز آئی "معاف کیجئے۔ معاف کیجئے" اس آواز کے ساتھ ہی قبر کی جگہ ایک چھوٹا سا بچہ نظر آیا۔ بادشاہ نے دوڑ کر اس کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ چھوٹی بیگم کو پالکی سے اتار کر ہاتھی پر بٹھایا گیا اور سب ہنسی خوشی محل کی جانب روانہ ہوئے۔

تصویروں کے ساتھ پڑھو

پچھلے پرچہ میں جس انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا وہ قریب قریب اسی قسم کا ہوگا۔ طلبا، سے کہا جائے گا کہ چند تصاویر کی مدد سے ایسے جملے بنائیں جو ایک دوسرے سے متعلق بھی ہوں اور انھیں سلسلہ وار پڑھا جائے تو ایک دلچسپ چھوٹی سی کہانی بن جائے۔ ابتک اُس مقابلہ کیلئے بہت سے صحیح حل پہنچ چکے ہیں لیکن ابھی حل بھیجنے کا وقت ہے۔ طلبہ کو جلدی کرنی چاہیئے۔

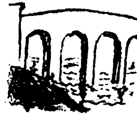
بل میں  ہے۔

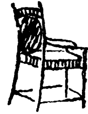
 نے کاٹ کھایا۔

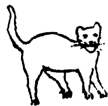
یہ  کیسی ہے۔

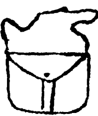
شکار میں  مارا

 کی خدمت کر

 پر سے اٹھ

 پر بیٹھ

 اور  دیکھا۔

 کے ہاتھ میں  ہے۔

رشید نے  پالی

سوتا سنسار

(از خورشید احمد الفت سیالکوٹی)

پرانے زمانے کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے ہر طرح کا سامانِ عیش و عشرت فراہم تھا۔ دن عید اور رات شبِ برات تھی۔ مگر بادشاہ عموماً افسردہ خاطر رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس فکر میں بادشاہ ہمیشہ مغموم رہتا تھا۔ آخر بڑی مدت کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ کے ہاں ایک پری چہرہ لڑکی پیدا ہوئی۔ جو اتنی خوبصورت تھی کہ تمام لوگ اسے گلنار کہتے تھے۔

اس زمانے میں ہر بچہ کی ایک دھرمی ماتا ہوتی تھی۔ مگر اس لڑکی کی بہت بڑی (چونکہ یہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھی) سات پریاں دھرمی مائیں تھیں۔ ایک دن بادشاہ نے ایک دعوت کی۔ جن میں یہ ساتوں پریاں بھی مدعو کی گئیں۔ جب تحائف پیش کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک پری نے اپنا اپنا تحفہ پیش کیا۔ اتنے میں ایک اور پری آئی۔ جس کو بادشاہ نے مدعو نہ کیا تھا مگر وہ بن بلائے آگئی تھی۔ اس نے کہا۔ یہ لڑکی جب پندرہ برس کی ہوگی۔ تو تکلے سے اپنا ہاتھ زخمی کرلیگی۔ اور اسی زخم سے یہ مرجائے گی۔ اس خبر سے محل میں ایک قسم کی سنسنی سی پیدا ہوگئی۔ اتنے میں ایک اور پری نے جو ابھی تک نہ بولی تھی کہا۔ میں اس مہلک عطیے کو بالکل تو نہیں روک سکتی۔ البتہ اس کو تبدیل کرسکتی ہوں۔ یعنی یہ لڑکی اس زخم سے مرے گی نہیں بلکہ ایک گہری نیند سو جائے گی۔ اور محل کے تمام کارکن بھی سو جائیں گے۔ محل کو ایک جھاڑی ڈھانپ لیگی۔ سو سال کے بعد ایک شہزادہ آکر شہزادی کو نیند سے بیدار کرے گا۔

بادشاہ اسکے بعد پھر افسردہ خاطر رہنے لگا لیکن بہت سوچ بچار کے بعد اُسے ایک ترکیب سوجھی اور اُس نے حکم دے دیا کہ سلطنت کے تمام چرخے جلا دیئے جائیں۔ تاکہ نہ چرخے رہیں اور نہ تکلے سے لڑکی کا ہاتھ زخمی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب شہزادی کی عمر پندرہ برس کی ہوئی۔ تو بادشاہ اور ملکہ سفر پر روانہ ہوگئے۔ ایک دن شہزادی ایک مینار پر چڑھی۔ جہاں ایک بوڑھی عورت بیٹھی چرخہ کات رہی تھی شہزادی نے کہا۔ "اماں آپ کیا کر رہی ہیں مجھے بھی دکھایئے" بڑھیا نے چرخہ لڑکی کو دیدیا۔ ابھی وہ تکلے کو دیکھنے ہی لگی تھی کہ اس کا ہاتھ زخمی ہوگیا اور وہ بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ بوڑھی عورت اِدھر اُدھر دوڑی کہ مدد کے لئے کسی کو لائے۔ مگر وہاں کون پرسان حال تھا۔ سب سو گئے تھے۔ گھوڑے اصطبل میں سو رہے تھے۔ سپاہی پہرے پر۔ نوکر جس حالت میں تھے بُت کی طرح کھڑے تھے۔ جو کھانا کھا رہا تھا وہ اسی حالت میں سو چکا تھا۔ غرضکہ سب محوِ خواب تھے۔

وہ پری بھی آپہنچی۔ اس نے دیکھا کہ صدسالہ نیند شروع ہوگئی ہے۔ اس نے جادو کی چھڑی کو محل کے اوپر گھمایا۔ چنانچہ فوراً ایک جھاڑی اُگی جس نے تمام محل کو چھپا لیا۔

اس سرزمین پر دوسرے بادشاہ کی حکومت ہوگئی اور سو سال بھی ختم ہونے کو ہوئے۔ ایک دن ایک شہزادے نے کسی اونچی پہاڑی پر سے اس محل کو دیکھا۔ اور محل میں جانے کا شوق اس کے دل میں موجزن ہوا۔ چنانچہ اس نے بہت جد و جہد کی کہ کوئی شخص اسے محل کی کہانی بتا سکے۔ مگر سو سال بعد سب وہ پُرانا قصہ بھول گئے تھے۔ وہاں کون تھا۔ جو گلنار کے متعلق جانتا ہو۔ آخرکار شہزادے کو ایک بوڑھے شخص نے وہ کہانی سنا دی کہتے ہیں کہ اس کے دادا نے اسے وہ قصہ سنایا تھا۔ اس نے کہا کہ جھاڑی کسی شخص کو اندر نہیں جانے دیتی۔ مگر میں نے سنا ہے کہ کوئی شہزادہ اس شہزادی کو نیند سے جگا ئیگا۔ تم کوشش کرو۔ شاید تم ہی وہ مبارک شہزادے ہو جس کے متعلق ایسا مشہور ہے اب تو اسکے دل میں اور جوش پیدا ہوا اور اپنے خادموں کو ساتھ لیکر وہ محل کی طرف گیا۔ اس نے جھاڑی سے گذرنا چاہا مگر جھاڑی خود بخود کھل گئی۔ اور راستہ صاف ہوگیا۔ جب شہزادہ گذر گیا تو پھر راستہ بند ہوگیا۔

جب شہزادہ اس کمرے میں پہنچا جہاں وہ شہزادی سو رہی تھی۔ تو وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ شہزادی پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا وہ اسے اتنی خوبصورت معلوم ہوئی کہ بے اختیار ہوکر اس نے پیشانی کو بوسہ دیا۔ شہزادی نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا اور کہنے لگی۔ "تم ہو میرے شہزادے جس کا میں مدتوں سے انتظار کر رہی ہوں"۔ یہ کہا اور اٹھ بیٹھی۔

اب پھر محل میں پہلے جیسی چہل پہل تھی

بچوں کا شہر

اور

بچوں کی حکومت

"خاکسار منزل" جامعہ کے چھوٹے بچوں کا ایک دارالاقامہ ہے جس کی نگرانی کئی سال سے مولوی ارشاد الحق صاحب بی۔ اے۔ (علیگ) کے سپرد ہے۔ اس میں ۵ سال کی عمر سے لیکر تقریباً ۱۲ سال کی عمر تک کے بچے رہتے ہیں۔ باوجود صغر سنی کے بچے تمام انتظامات خود ہی کرتے ہیں اور استاد صرف ان کی نگرانی رکھتے ہیں سال کے شروع میں لڑکے اپنوں میں سے ہر ہر کام کے لئے دو دو ناظم منتخب کر لیتے ہیں اور یہی ناظم تمام سال اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ سال کے اخیر میں جب الوداعی جلسہ ہوتا ہے تو یہ ناظم اپنے اپنے کاموں کی روئداد پیش کرتے ہیں اور جو ناظم اپنے فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے ہیں۔ انہیں انعامات دیئے جاتے ہیں غرض پورے دارالاقامہ کا انتظام ایک چھوٹے سے شہر کا انتظام ہوتا ہے جس میں اہل شہر کی، جسمانی واخلاقی حالت، ان کی غذا و ورزش کا انتظام، ان کے لئے کھیل وتفریح کا سامان، غرض ان کی جسمانی وروحانی ہر قسم کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم بعض روئدادوں کے خلاصے ان ہی کمسن شہریوں کے قلم کے لکھے ہوئے دیتے ہیں، جس سے اس بچوں کے شہر میں ان بچوں کے طریق انتظام وحکومت کا کچھ اندازہ ہوسکے گا۔

ابو الکلام ایک ابتدائی پنجم کا طالب علم جس کی عمر تقریباً ۱۰ سال ہوگی، وہ گذشتہ سال ناظم خانہ (ہاؤس ماسٹر) تھا، وہ اپنی روئداد میں لکھتا ہے۔

جسمانی حالت میں آپ کے سامنے دارالاقامہ کی حالت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں، سب سے پہلے میں لڑکوں کی جسمانی حالت کے بارے میں کچھ کہوں گا۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس سال لڑکوں کی جسمانی حالت کیسی رہی۔ ہمارے دارالاقامہ میں ۳ لڑکے ایسے ہیں جو سارے سال کبھی نہیں بیمار ہوئے، یعنی اخلاق الرحمن، عبد المنعم اور شمس الاسلام۔ باقی لڑکے ایک نہ ایک دفعہ ضرور بیمار پڑے۔ لیکن ۳ لڑکے ایسے ہیں جو بہت عرصہ تک بیمار ہے، یعنی جمیل احمد، شریف احمد اور راحمن۔ جتنی دفعہ بھی لڑکے بیمار ہوئے ان سب کا سبب بدپرہیزی تھی۔ اکثر بیماریاں اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ لڑکے بدپرہیزی کرتے ہیں۔ یہ عادت سعید میمن، عبد الحی اور احمد بن سالم میں پائی جاتی ہے۔ ملیریا کے زمانہ میں اس سال بہت کم لڑکے بیمار ہوئے۔ اس کا انتظام شروع ہی اگست میں جب ملیریا کا بہت زور ہوتا ہے، کر دیا گیا تھا، ہر لڑکے کو کونین مکسچر، پلا دیا جاتا تھا۔ لڑکوں کے بیمار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لڑکے نہاتے بہت کم ہیں۔ اکثر نہاتے بھی ہیں تو ٹھیک طور سے نہیں نہاتے ایسے لڑکے دوسروں کو دھوکہ دینے کے علاوہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں۔ بیماری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ پینے کا پانی صاف نہیں رہتا۔ لڑکے گھڑے کھلے چھوڑ دیتے ہیں تمام گرد وغبار اس میں جاتا ہے، مچھر بھی اس میں جاتے ہیں اور اپنے انڈے بچے دیتے ہیں جس سے ملیریا پیدا ہوتا ہے۔

اخلاقی حالت اس کے بعد میں آپ کو اخلاقی حالت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ شروع شروع میں جب لڑکے آئے تھے تو ان کی اخلاقی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی، لیکن رفتہ رفتہ وہ سنبھل گئی لڑکوں میں جھوٹ بولنے کی عادت بہت پائی جاتی تھی، جن میں عبد الحی، نعیم الدین، سعید میمن، ارتضا الرحمن، اور محمد سعید بہت عادی تھے۔ بہت کم لڑکے ایسے ہیں جو بالکل جھوٹ نہ بولتے ہوں، بہت کم ایسے ہیں جو اپنے قصور کا اقرار کرتے ہوں لڑکوں میں قسم کھانے کی عادت بھی بہت پھیلی ہوئی تھی لیکن اب کم ہوگئی ہے بعض لڑکوں میں چیزیں چرانے کی عادت بھی ہے، جس میں نعیم الدین کئی بار پکڑے گئے۔ چغلی کھانی بھی ایک عام عادت تھی اور بعض لڑکے مثلاً محمد سعید میں گالی دینے کی عادت بھی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ عادتیں پہلے سے بہت کم ہوگئی ہیں اور لڑکوں کی اخلاقی حالت اب بہت بہتر معلوم ہوتی ہے۔

تعلیمی حالت اب میں آپ کو لڑکوں کی تعلیمی حالت کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔ اس سال ان کی تعلیمی حالت اچھی تھی، صرف چند لڑکے تھے جو سکول کا کام کر کے نہیں جاتے تھے۔ جو لڑکے پڑھائی میں کمزور تھے، ان کا انتظام کر دیا گیا اور ان کے پڑھانے کے لئے استاد مقرر کر دیئے گئے امتحان میں خدا کے فضل سے نتیجہ بہت اچھا رہا۔ کل دارالاقامہ میں صرف پانچ لڑکے ناکام رہے۔

صفائی جس طرح دارالاقامہ کے اور قوانین کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح صفائی بھی بہت ضروری ہے صفائی سے صرف یہ مراد نہیں کہ

آپ کے کپڑے صاف ہوں، بلکہ صفائی میں دانتوں کا صاف رکھنا، بدن کا صاف رکھنا، کمرے کا صاف رکھنا، بستر کا درست رکھنا، ہر ایک چیز کا اپنی جگہ پر ٹھکانے سے رکھنا داخل ہے۔ ہمارے دارالاقامہ میں بعض لڑکے ایسے بھی ہیں جو بہت صاف ستھرے اور قرینے سے رہتے ہیں، مثلاً مجتبیٰ احمد، مسعود حسین اخلاق الرحمٰن، شجاع الدین، رضوان الحق وغیرہ۔

نماز دارالاقامہ کی ضروری پابندیوں میں ایک پنج وقتہ نماز کی بھی ہے، اور اس میں بھی صبح سویرے اٹھنا۔ بعض لڑکے ہیں جن کو کتنا ہی جگایا جائے لیکن وہ بستر ہی پر پڑے رہتے ہیں۔ نہ اُٹھنے والے لڑکوں پر پانی کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہت کم لڑکے ایسے ہوتے ہیں جو دل لگا کر خدا کی عبادت کرتے ہوں۔ اکثر لڑکے ماسٹر صاحب کے خیال سے نماز پڑھتے ہیں خدا کے ڈر سے نہیں۔ ایسے لڑکوں کی نماز بالکل بیکار جاتی ہے۔

ایک دن کا پروگرام سب سے اخیر میں میں آپ کو ایک دن کا پروگرام بتانا چاہتا ہوں، جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ہم سال بھر میں کیا کام کرتے ہیں۔ سب سے پہلے صبح کو ہم لوگوں کو ناظم نماز اٹھاتا ہے اور ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ نماز پڑھ کر سب لوگ ورزش کو چلے جاتے ہیں، اسکے بعد لوٹ کر آتے ہیں غسل کرتے ہیں۔ دانت صاف کرتے ہیں۔ ناشتہ کرتے ہیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد مدرسہ جاتے ہیں۔ مدرسہ سے آکر کھانا کھاتے ہیں، اسکے بعد کچھ دیر آرام کرتے ہیں پھر ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ نماز ہونے کے بعد سہ پہر میں کچھ دیر پڑھائی ہوتی ہے پھر عصر کی نماز ہوتی ہے، نماز کے بعد سہ پہر کا ناشتہ ملتا ہے، اسکے بعد ہم لوگ میدان میں جاتے ہیں وہاں کھیلتے ہیں۔ کھیلنے کے بعد آکر وضو کرتے ہیں اور ہم مغرب کی نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت ہوتی ہے پھر کھانے کا وقت آجاتا ہے۔ کھانے کے بعد عشا کی نماز ہوتی ہے۔ نماز کے بعد جو لڑکا کام کرنا چاہے وہ ۱۰ بجے تک کر سکتا ہے اور جو چاہے وہ سو سکتا ہے۔ ۱۰ بجے کے بعد سب سو جاتے ہیں اور پھر کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوتا ہے۔

عالمگیر اور سکندر خاں

پیارے بچو! بہادری اور دلاوری صرف تلوار بازی کا نام نہیں ہے اور دشمن کو مار ڈالنا۔ بلکہ بڑی بہادری اور شرافت یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمن پر قابو پا کر اس کی برائیوں کا بدلہ نہ لے بلکہ مہربانی سے پیش آئے اور معاف کرے اور اسکے دل پر اپنے عمدہ اخلاق سے قبضہ کرلے۔ یہاں ہم عالمگیر بادشاہ کا ایک سچا قصہ سناتے ہیں، عالمگیر ہندوستان میں مسلمانوں کا زبردست بادشاہ ہوا ہے، مگر یہ بڑا رحمدل اور دشمنوں سے اچھا سلوک کرتا تھا، اس نے بدلہ نہیں لیا بلکہ انعام و اکرام سے پیش آیا۔

دکن میں ایک مشہور شہر بیجاپور ہے، یہاں کا حاکم سکندر تیموری سلطنت سے دشمنی رکھتا تھا۔ اور یہ عداوت خاندانی تھی یعنی باپ دادا سے ہوتی چلی آئی تھی اگرچہ اپنی کمزوری کی وجہ سے وہ خود تیموری حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اور نہ ان سے لڑ سکتا تھا، مگر اس نے سیواجی کے بیٹے سمبھا کو ملا کر عالمگیر سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور خود اس کو ہر طرح کی مدد دینے لگا۔ عالمگیر کو معلوم ہوا تو اس نے سکندر کو لکھا اسے بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرے، اور ڈرایا دھمکایا، لیکن سکندر اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کرکے اپنے ملک میں شامل کرلیا۔

سکندر جب گرفتار ہو کر آیا تو عالمگیر نے نہایت عزت کا برتاؤ کیا اور اسے سزا نہیں دی۔ بلکہ سکندر خاں کا خطاب دے کر خلعت خاص عطا کیا اور ایک تلوار عنایت کی جس کے پرتلے پر سچے موتی ٹکے ہوئے تھے پھول کٹارہ، اور ایک سچے موتیوں کا قیمتی ہار بھی بخشا جس میں زمرد کا آویزہ تھا۔ ایک جڑاؤ کلغی اور جڑاؤ ڈھنگا جمنی عصا عطا فرمایا، اور حکم دیا کہ سکندر خاں کا خیمہ ہمارے شاہی خیمہ کے برابر لگایا جائے۔ اور ان کی تمام ضروریات کی چیزوں کے لئے بادشاہی خزانہ سے بندوبست کیا جائے۔ یہ تھے ایک اچھے بادشاہ کے سلوک اپنے بہادر دشمن کے ساتھ، جس نے ہمیشہ بادشاہ کو نقصان پہنچایا اور اس کے خلاف دشمنوں کو مدد دیتا رہا۔

بچو! جہاں تک ہوسکے دشمن اور دوست سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور غصہ میں آکر بدلہ لینے کا خیال دل میں ہرگز نہ لاؤ۔

جامعہ کے بچوں کی عید

جامعہ کے چھوٹے بچے ہر سال چند جلسے کرتے ہیں جن میں پہلا جلسہ میلاد النبی کا ہوتا ہے۔ اس کا سب انتظام بچے خود کرتے ہیں۔ پروگرام بنانا۔ طالب علموں میں مختلف کام تقسیم کرنا۔ ہال کی آرائش۔ دعوت نامے جاری کرنا۔ نشستوں کا بندوبست کرنا، جلسہ میں انتظام رکھنا وغیرہ وغیرہ سب طالب علم ہی کرتے ہیں۔ ان کاموں میں اگرچہ استاد کی نگرانی اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اصل میں سب کام کرنے والے طلبا ہی ہوتے ہیں۔ اس سال اس جلسہ کے لئے ۸ ستمبر ۳۲ء مقرر کی گئی ہے۔ جلسہ کی کیفیت انشاء اللہ اگلے پرچہ میں شائع کی جائے گی۔ اس پرچہ میں پروگرام دیا جا رہا ہے اور اسلام اللہ طالب علم درجہ ششم کے ایک مضمون کا خلاصہ۔



پروگرام

۱۔ تلاوت قرآن شریف
۲۔ ہمارے رسولؐ کے دیس تک جانے کے اخراجات
۳۔ چند مشہور لڑائیاں۔
۴۔ نظم "حبیب خدا ہے محمد ہمارا"
۵۔ رسولؐ خدا کی بچوں پر مہربانیاں
۶۔ بچوں کے لئے سیرت پاک پر کتابیں
۷۔ کورس (عربی) طلع البدر علینا ......
۸۔ آنحضرت کی نظر میں محنت
۹۔ بچے کی دنیا (نظم)
۱۰۔ آنحضرت کا پہلا خطبہ (جمعہ)
۱۱۔ حاضرین کا شکریہ اور تقسیم شیرینی کا اعلان

۱۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ ایک بچہ سے کھیل رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور کہنے لگا "تم بچوں کو پیار کرتے ہو۔ میرے تو دس بچے ہیں میں تو کسی کو پیار نہیں کرتا" آنحضرت نے فرمایا "اگر اللہ تمہارے دل سے محبت چھین لے تو میں کیا کروں"

۲۔ ایک دفعہ آپؐ مسجد نبوی میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت حسینؓ آئے کمسنی کی وجہ سے گرتے جاتے تھے آپؐ نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔

۳۔ ایک غزوے میں کئی بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے جب آپ کو خبر ہوئی تو بہت آزردہ خاطر ہوئے۔ ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔" آپ نے فرمایا "خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ بچہ کو خدا نے پاک فطرت پر پیدا کیا ہے۔"

۴۔ جب آپؐ پیغمبر ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ عرب میں یہ عام دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی لوگ قبر میں زندہ دفن کر دیتے تھے آپؐ نے لوگوں کو ان بری رسموں سے روکا اور سیدھا راستہ بتلایا کیونکہ حضورؐ کو چھوٹے بچوں سے بڑی محبت تھی۔

۵۔ جب ہمارے نبیؐ سفر سے لوٹتے تو بچے آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور بھاگ کر آنحضرت کے قریب پہونچتے اور سلام کرتے آپ ان بچوں کو آپ اپنی سواری پر بٹھا لیتے تھے اور بچے بہت خوش ہوتے۔

۶۔ ایک دن ایک لڑکی خالدہ نامی ہمارے آقا کی خدمت میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوئی یہ لڑکی سرخ قمیص پہنے ہوئی تھی، ہمارے نبیؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ "خالدہ بہت اچھی ہے۔ بہت اچھی ہے۔"

۷۔ اپنا پیارا دیس چھوڑ کر جب ہمارے نبیؐ مدینے پہونچے ہیں تو انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں گھروں سے ٹولیاں بنا کر نکلتیں اور ہمارے نبی کی تعریف میں گیت گاتیں۔ ہمارے آقا نے بچیوں سے پوچھا کہ "اے بچیو! تم مجھ سے پیار کرتی ہو" سب نے ایک آواز ہو کر کہا "ہاں رسول اللہ" آپ نے فرمایا "میں بھی تمھیں پیار کرتا ہوں۔"

۸۔ مدینہ میں جس زمین پر مسجد نبوی بنی ہے وہ دو یتیم بچوں کی ہے ان بچوں نے خوشی سے زمین آپ کو پیش کرنی چاہی لیکن آپ نے ان کو قیمت ادا کر دی، اس لئے کہ بچے یتیم تھے آپ ارشاد فرماتے تھے کہ "خبردار یتیموں کو تکلیف مت پہونچانا کیونکہ یتیم کی آہ سے خدا کا عرش بھی جنبش میں آجاتا ہے۔"

قیمت سالانہ ۶ر

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ ۲ر

جلد ۱۲ | ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۹ (۱۰)

فہرست مضامین

معمّا

پچھلے پرچہ میں جس معمے کا اعلان کیا گیا تھا وہ بوجوہ اس پرچہ میں نہ دیا جا سکا۔ بجائے اس کے ایک دوسرا معمّا شائع کیا جاتا ہے جو بجائے خود بہت دلچسپ ہے۔ اس کا حل دفتر میں بھیجنے کی ضرورت نہیں آیندہ پرچہ میں ہم خود شائع کر دیں گے۔ آپ اسے دیکھ کر اپنے جوابات درست کر لیجئے گا (اڈیٹر)

پچھلی مرتبہ جو تم لوگوں نے ایک بے چارے کسان کی مدد کی اور اسے اپنی زمین کو تقسیم کرنے کی ترکیب بتائی تو اس کا چرچا کسانوں میں ہو گیا۔ آج ایک اور کسان آیا کہ میرے بھی چار بیٹے ہیں۔ میں بھی ان میں برابر برابر اپنی زمین تقسیم کرنا چاہتا ہوں اور اسی طرح چاروں کے کھیت ایک ہی شکل کے ہوں۔ تم سمجھتے ہو ان کسانوں میں جو بات چل پڑی چل پڑی۔ بھیڑ چال ہوتی ہے اچھا تو سوچو اسے کیا کرنا چاہیئے۔ یہ تقسیم کیسے ہو؟ کھیت کی شکل یہ ہے۔

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، نے جامعہ برقی پریس میں شائع کیا۔

دنیا کے بچے

گذشتہ سے پیوستہ

حبشی بچے

دوسرے دن صبح ہی چندہ ماموں کہنے لگے "مجھے اب گھر جانا ہے" چاند کی کھڑکیاں وغیرہ صاف کرنی ہیں وہاں اور کوئی ہے نہیں جو یہ کام کر دے جہاں کہیں اور چلنا ہو جلد چلو" میں نے کہا تو پھر چلیے جنوب کی طرف ہو آئیں" ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اُڑتے اُڑتے ہمیں ایسی زمین دکھائی دی جس پر ہری ہری گھاس اور بہت سے درخت تھے۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی اور بارش کا کہیں نام نہیں تھا۔ اس ملک میں بھی ہندوستان کی طرح بارش ایک خاص موسم میں ہوتی ہے۔

یہاں سے بہت دور اسی جنگل میں جہاں بے انتہا درخت تھے۔ میں نے سوچا کہ جب چندہ ماموں یہاں سے اُکتا جائیں گے تو انہیں جنگل کی طرف لے جاؤں گا۔ ہم نیچے اترے تو کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ گھاس ہمارے سر سے بھی اونچی کھڑی تھی۔ اور چاروں طرف کوئی آدمی نہ جانور۔ چندہ ماموں بولے ہم راستہ بھول گئے کیا؟ میں نے کہا پھر اُڑیے۔ شاید کوئی مکان دکھائی دے، چندہ ماموں نے ہمیں لیکر آسمان کا راستہ لیا۔

اُڑتے اُڑتے ایک جگہ نظر پڑی جہاں کچھ مکان تھے۔ یہ مکان گھاس اور درختوں کی چھال کے بنے ہوئے تھے۔ اور چھت پتوں کی تھی۔ کھڑکی تو کوئی تھی نہیں، البتہ دروازے ایک کی جگہ دو دو تھے چندہ ماموں کہنے لگے "کیسا بھاری ڈیرہ ہے" اس کو اُٹھاتے کیونکر ہوں گے؟" میں نے کہا یہ ڈیرہ نہیں ہے مکان ہے اور یہ لوگ حبشی ہیں۔ اسکیمو اور عربوں کی طرح انہیں کہیں جانا تو پڑتا نہیں۔ قریب ہی درخت ہیں، جانور ہیں، مچھلیاں ہیں۔ یہ انہی کو کھا پی لیتے ہیں۔ جب کہیں نہ جانا ہو نہ آنا تو پھر ڈیروں کی کیا ضرورت۔ مکان بنا لئے اور اسی میں رہتے رہے"۔

ہم ایک مکان کے اندر گئے۔ اندھیرا گھپ! کچھ نہ دکھائی دیا تھوڑی دیر بعد آنکھوں کو مل مل کے ٹھیک کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کالی کلوٹی عورت کالے بھجنگ بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے دیواروں پر ٹوکریاں سی لٹک رہی ہیں۔ ایک کونے میں آٹا پیسنے کی چکی۔ ایک طرف لکڑی کی بہت سی رکابیاں اور چمچے پڑے ہیں۔ ہمیں اگر کسی چیز کو دیکھ کر ہنسی آئی تو وہ کالا بچہ تھا۔ کالا رنگ۔ موٹے ہونٹ۔ چپٹی ناک۔ اس پر دانت برف جیسے سفید۔ سر پر بہت گھنے گھونگر والے بال۔ آنکھیں دو چھوٹے تاروں کی طرح چمک رہی تھیں ہم نے پوچھا "بچے کہاں ہیں"۔ ماں نے کہا "میرے تو یہی ایک ننھا ہے۔ لیکن میری بہن کے اندر رکھے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ میں تمہیں وہاں لئے چلتی ہوں"۔

ماں نے ننھے کو ایک کپڑے کے اندر لپیٹا اور کندھے پر ڈال لیا۔ میں نے کہا بچہ کو یہیں کیوں نہ چھوڑ جاؤ" بولی "میں بچہ کو ہر جگہ ساتھ رکھتی ہوں"۔ راستہ میں دیکھا کہ دو عورتیں بھاری بھاری موسلوں سے دھان کوٹ رہی ہیں۔ اور کندھوں پر بچوں کو لئے ہوئے ہیں۔ جب موسل دھم سے ہو، بچہ کو دکرا اوپر ہو جائے۔ اس کا سر کبھی آگے ہو کبھی پیچھے میں ڈرا کہ کہیں کسی کی گردن نہ ٹوٹ جائے۔ لیکن بچے ہیں کہ مزے سے گہری نیند سو رہے ہیں۔ جیسے کوئی انہیں پالنے میں جھونکے دے رہا ہو۔ ان کے یہاں پلنگ اور پالنے نہیں ہوتے۔

جب ماں تھک گئی۔ اس نے اٹھا انہیں پتوں کے ملائم ڈھیر میں رکھ دیا۔ ان کے رونے دھونے کو کون سنتا ہے۔ حبشیوں کو شور و غل اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس عورت کی بہن نے ہمیں اندر بلا لیا۔ لڑکے تو باہر کھیل رہے تھے چندہ ماموں کی طبیعت بھلا اندر جانے کو کیسے چاہتی مگر میں جانتا تھا کہ لڑکیاں اندر ہی ہوں گی۔ اس لئے میں نے چندہ ماموں سے کہا" تھوڑی دیر کے لئے اندر چلیں پھر باہر آ جائیں گے"۔

لڑکیاں گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹا رہی تھیں ایک کے ہاتھ میں ٹہنیوں کی جھاڑو تھی اور دوسری دریا سے پانی لینے گئی تھی چندہ ماموں پوچھنے لگے" یہ لوگ کپڑے کیوں نہیں پہنتے"۔ میں نے کہا کپڑے پہنیں تو کس طرح گرمی جو زیادہ ہوتی ہے"۔

ننھے کے بدن پر کپڑا نام کو نہ تھا۔ عورتوں اور لڑکیوں نے اپنے گلے ہاتھ اور پاؤں میں جھوٹے موتیوں کے ہار اور زیور بنا کر پہن رکھے تھے

سب سے پہلی پوشاک جو بچہ کو یہاں ملتی ہے وہ ایک چوکور کپڑا ہوتا ہے ۔ جس میں رنگ برنگ کے موتی ٹکے ہوتے ہیں ۔ اسی کو وہ ایک دھجی سے کمر کے چاروں طرف باندھتے ہیں ۔ میں ماموں کو باہر لے گیا ۔ وہاں لڑکے کھیل رہے تھے ۔ کوئی ہم سے بولا بھی نہیں ، بولنا تو درکنار ہماری طرف کوئی رخ بھی نہ کرے ۔ میری جیب میں موتی تھے ۔ مٹھی بھر بھر بانٹنے شروع کردئے ۔ پھر کیا تھا اب تو سب دوست ہو گئے ۔ چندہ ماموں بولے مجھے تو گرمی لگ رہی ہے ۔ ایک بولا آئیے نہا لیجئے ۔ چندہ ماموں بولے " نہا لیجئے ! یہ کیا ہوتا ہے ؟ ۔ میں تو سمجھا نہیں " ایک نے کہا دریا میں کود جاؤ ۔ اور اپنے آپ کو خوب بھیگنے دو " ۔ اس پر چندہ ماموں نے کچھ منہ سا بنایا ۔ ایک نے پوچھا " کیا آپ کبھی نہاتے ہیں ؟ " بولے " کبھی نہیں " اس پر لڑکے نے کہا " آپ بڑے گندے ہیں " چندہ ماموں تاؤ میں آکر کہنے لگے " میاں نہائیں کہاں سے ۔ چاند میں کہیں پانی بھی ہو ! لو دیکھو اب نہاتا ہوں ۔

ہم دریا پر گئے اور کپڑے اُتار ٹھنڈے پانی میں کود پڑے ۔ چندہ ماموں کو خوب سردی لگی ۔ اور دانت سے دانت بجنے لگے ۔ کتا کنارے پر کھڑا رہا اور برابر بھونکے گیا ۔ نہانے کے بعد دھوپ میں آکر بال وغیرہ سکھانے لگے ۔ چندہ ماموں نے پوچھا " تم کیا اکثر نہاتے ہو ؟ مجھے تو یہ کام پسند نہیں " ایک حبشی بچہ نے جواب دیا " صبح کو تو نہیں کیونکہ ذرا سردی ہوتی ہے ۔ مگر جہاں دھوپ نکلی تو سب نہاتے ہیں اور دن میں کئی کئی دفعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

یہ سُن کر چندہ ماموں گھبرا سے گئے ۔ لڑکے نے کہا " یہ پتھری لے لو " بولے " کیوں کیا کسی کو مارنا ہے ! " لڑکے نے ہنس کر کہا نہیں مارنا وارنا کچھ نہیں ہے ۔ میل اُتارنے کے لئے " اتنا کہا اور پتھری سے اپنے ہاتھ پاؤں رگڑنے لگا ۔ چندہ ماموں بولے " رحم کیجئے ۔ مجھے پتھری وتھری نہیں چاہیئے ۔ ایک دفعہ کتے کو اس سے رگڑ دو ۔ پھر کبھی جو وہ پاس بھی آئے " ۔

اتنے میں ایک لڑکے نے ہماری طرف ایک ٹہنی پھینک دی ۔ چندہ ماموں نے پوچھا " یہ کس لئے " ؟ جواب ملا " دانت صاف کرنے کو " اس کے ایک سرے کو اس نے چبانا شروع کیا ۔ چباتے چباتے اس کے پھونسڑے نکل آئے اور وہ برش جیسی ہو گئی ۔ اس سے رگڑ کر دانت صاف کر لئے ۔ ہندوستان میں اسے مسواک یا داتُن کہتے ہیں ۔

ان میں سے ایک لڑکے کے سر پر بال نہ تھے ۔ میں نے پوچھا یہ لڑکا گنجا ہے کیا ؟ " ایک نے جواب دیا نہیں تو ۔ اس کا باپ پچھلے ہی ہفتہ مرا ہے کنبہ میں جب کوئی مرجاتا ہے تو سوگ میں سر کے بال منڈوا دیتے ہیں " ۔

چندہ ماموں بولے مجھے بھوک لگی ہے " ۔ اصل میں بھوک نہیں تھی ہوس تھی ۔ میں نے ان بچوں سے کہا " ماموں جان بھوکے ہیں ۔ بولے ابھی تو کچھ نہیں ملے گا ۔ ہم تو دو ہی وقت کھانا کھاتے ہیں ۔ صبح کو تو کھا چکے اب تیسرے پہر تک ٹھہرو " ۔ چندہ ماموں گھبرا کے کہنے لگے " اچھا کھانا تو گیا چولھے میں ۔ اس وقت کیا مل جائے گا ؟ ایک بولا " دلیا " پوچھا یہ کس چیز سے بنتا ہے ؟ " اس نے جواب دیا مکا کا ۔ ہوتا مزہ دار ہے " چندہ ماموں بولے اچھا تو پھر لاؤ ۔ اور تم نے صبح کیا کھایا تھا ؟ بولا " کچی مکی ۔ کیلے کی پھلیاں اور شکر قند ۔ صبح ہی صبح اماں کوئی چیز پکاتی نہیں اس لئے یہی کھا لیتے ہیں " ۔ " میں نے پوچھا " صبح سے تیسرے پہر تک تم کچھ نہیں کھاتے " بولا " جو کچھ بھی مل جائے ۔ مگر اماں جان کچھ نہیں دیتیں ۔ ہم ہی ڈھونڈھ لیں تو کھائیں ۔ کیا تمہیں کچھ ابھی چاہیئے ؟ " اس پر چندہ ماموں کھل گئے اور جلدی سے بولے " کیا کہنے ! میری تو بھوک سے بری حالت ہے " ۔

سب کے سب چندہ ماموں کے کھانے کی تلاش میں چل دیے تھوڑی دیر بعد جب آئے تو کوئی چھوٹی سی چڑیا لایا کوئی دو چوہیاں ۔ ایک موٹے موٹے بالوں دار ریشم جیسے کیڑے ۔ ایک ٹڈیاں لایا ۔ ان کے پر اور ٹانگیں توڑ دی تھیں اور لڑکے دیمک کے کیڑے ۔ مینڈک سانپ ۔ گنے ۔ کیلے کی پھلیاں غرض جو چیز جسے ملی لے آیا اور ہمارے سامنے رکھدی میں نے تو گنوں اور کیلوں ہی پر بس کی ۔ مگر چندہ ماموں نے ہر چیز چکھی ۔ اور جو انہیں اچھی نہیں لگی وہ لڑکے چٹ کر گئے ۔ چندہ ماموں بولے " آؤ ۔ اب کوئی کھیل کھیلیں " ۔ ماموں جان کو تو سوائے کھانے اور کھیل کود کے دوسری چیز اچھی ہی نہ لگتی تھی ۔ اب لڑکوں نے اپنے خاص حبشی کھیل شروع کئے ۔

انہوں نے ہمیں ایک ایک تیر دیا ۔ اور پھر چلانے کے لئے کہا بہت ہی محنت کی اور تاک کے تیر مارا مگر نشانہ پر نہ لگا ۔ لیکن بچوں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی چڑیاں مار لیں ۔ کہنے لگے " ان کا شوربا بنا کر دلیہ سے کھائیں گے ان میں سے کچھ گھاس پر لیٹ گئے اور لگے چڑیوں کی طرح بولنے ۔ اتنے میں بہت سی چڑیاں اکٹھی ہو گئیں اور انہوں نے تیروں سے مار مار کے ڈھیر

کرلیا۔

جنیدہ ماموں کہنے لگے " یہ بھی کوئی کھیل ہوا۔ بیچاری چڑیوں کا مارنا ہی کیا" اس کے بعد کتے لے کر خرگوش کے شکار کو چلے۔ کتے خرگوشوں کو لمبی لمبی گھاس میں سے اُٹھاتے اور لڑکے انہیں ڈنڈے مار مار کر گرا لیتے پھر جھٹ کھود کے چوہے پکڑنے لگے اور شام کے کھانے کے لئے لے چلے۔

چھوٹی چھوٹی جانوں کا اس طرح مارا جانا اور ان کو تکلیف پہنچانے سے ہم کو ایسی نفرت ہوئی کہ کھیل ہی بند کردیا۔ حبشیوں نے جو دیکھا کہ ہم ان کے ساتھ نہیں کھیل رہے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور وجہ پوچھنے لگے۔ ہم نے صاف صاف بتا دیا۔ وہ دوسرے کھیل کھیلنے لگے۔ مگر تھے سارے شکار ہی کے۔

کچھ لڑکے گھاس میں پڑ گئے کہ ہم ہرن ہیں۔ ایک اور لڑکا شیر بن کر دوڑنے لگا اور انہیں پکڑ لیا۔ پھر پانی میں پہنچ گئے۔ ایک لڑکا ناکا بن گیا اور دوسروں کو پکڑنے لگا۔ ایک بے چارے کی ٹانگ میں چوٹ لگی ہوئی تھی۔ پانی میں تو جا نہیں سکتا تھا۔ گارے ہی میں کھیلتا رہا۔ وہ گارے کی بلی، کتا، شیر چوہا بناتا اور دھوپ میں سوکھنے کے لئے رکھ دیتا جنیدہ ماموں بھی اس کے پاس جا بیٹھے اور کہنے لگے " کوئی کہانی سناؤ" اس نے یہ کہانی سنائی :-

کہانی خرگوش کی تھی۔ ہم تو جانتے ہیں کہ لومڑی سب سے مکار جانور ہے جو شیر اور آدمی سب کو دھوکا دیتی ہے۔ لیکن حبشیوں کے نزدیک خرگوش سب سے چالاک ہے۔ اس لئے ان کی ساری کہانیاں خرگوش ہی کی ہیں۔

" ایک دفعہ ایک خرگوش ندی میں پانی پینے گیا اس میں ایک [illegible] رہتا تھا۔ تھوڑی سی دور کنارے پر ایک ہاتھی بھی کھڑا تھا خرگوش [illegible] کے پاس گیا اور کہنے لگا " دیکھیں ہم میں کون طاقتور ہے۔ تم یا میں"۔ [illegible] بولا " ابے پاگل ہوا ہے۔ کیوں فضول باتوں میں وقت کھوتا ہے۔ میں تجھ سے اتنا بڑا ہوں کہ ایسی بات منہ سے نکالنا سراسر حماقت ہے" خرگوش نے کہا " باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ڈرتا ہوں" یہ سن کر [illegible] کو بھی جوش آگیا اور مقابلہ پر راضی ہوگیا۔ خرگوش بولا" میں ایک رسی لے آؤں تم ایک سرا پکڑ کر مجھے پانی میں کھینچو اور میں دوسرا سرا پکڑ کر تمہیں کنارے پر کھینچتا ہوں۔ ہم میں سے جو ہارے وہی بہت سا روپیہ دے"۔ یہ کہہ کر خرگوش رسی لینے چل دیا۔ کنارے پر جا کر ہاتھی سے ملا۔ اور کہا " کہئے جناب! ہم دونوں میں کون زورآور ہے؟ تم یا میں؟" ہاتھی بولا " تیری عقل بھی ٹھکانے ہے یا نہیں۔ میں اتنا مضبوط ہوں کہ اگر تیرے ساتھ مقابلہ کروں تو لوگ مجھے ہی بے وقوف کہیں گے" خرگوش بولا" اچھا بہانا نکالا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تم ڈرتے ہو۔ اگر نہیں تو آؤ میدان میں۔ جو ہار جائے وہی بہت سا روپیہ دوسرے کو دے"۔ ہاتھی کو اپنے اوپر بھروسہ تو تھا ہی جھٹ راضی ہوگیا۔ خرگوش نے کہا اچھا۔ میں ایک رسی لاتا ہوں۔ تم ایک سرا پکڑ کر کھینچنا۔ میں دوسرا سرا پکڑ کر کھینچوں گا"۔

اب خرگوش ایک مضبوط سی رسی لایا۔ اور پہلے [illegible] کے پاس گیا۔ ایک سرا اسے دے کر کہنے لگا " ٹھہر جاؤ۔ جب میں آواز دوں تو اپنا سارا زور لگا دینا"۔

پھر کنارے پر ہاتھی کے پاس گیا اور دوسرا سرا اس کو دے کر بولا " میں جاتا ہوں جب پکاروں تو خوب زور سے کھینچنا"۔ خرگوش چپکے سے گھاس میں چھپ گیا اور چلا کر کہا " کھینچو"۔ اب کیا تھا کھینچا کھینچی شروع ہوگئی ایک طرف ہاتھی زور لگا رہا ہے۔ دوسری طرف [illegible] اپنی جان لڑائے ہوئے ہے۔ مگر کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ خرگوش خوب تماشا دیکھتا رہا اور جوں جوں وہ گرماتے اور ان کا جوش بڑھتا خرگوش ہنستا اور خوش ہوتا۔ سارے دن دونوں لپٹے رہے۔ جب شام ہوگئی اور تھک گئے تو ہر ایک نے اپنا اپنا سرا چھوڑ دیا اب خرگوش گھاس میں سے نکلا اور دریا میں [illegible] کے پاس جا کر کہنے لگا " کہئے ہار گئے نہ"۔

[illegible] بولا " ہاں بھائی ہار گئے۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ تم میں اتنا زور ہے"۔ خرگوش نے کہا " روپے دلوائیے" [illegible] نے شرط کے موافق بہت سا روپیہ دے دیا۔ اب خرگوش ہاتھی کے پاس گیا اور کہا " واہ حضرت واہ۔ بس اتنا ہی زور تھا۔ ہار گئے نہ"۔ ہاتھی بولا ہاں میاں کیا کریں۔ تم ہو تو ذرا سے۔ مگر زورآور بہت ہو"۔ خرگوش نے کہا " جناب وعدہ پورا کیجئے" ہاتھی نے بھی شرط کے موافق بہت سا روپیہ

شاہجہاں

شاہجہاں بادشاہ غازی مغل بادشاہوں میں بہت زیادہ شاندار اور مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اُس کا دربار بڑی رونق اور شان کا دربار تھا۔ مغل خاندانوں میں سب سے اچھی اور شاندار عمارتیں انہی نے بنوائی ہیں۔ عمارت باغ، اچھے لباس اور آرائش وغیرہ کا اس بادشاہ کو بڑا شوق تھا۔ عمارت بنانے کا خاص سلیقہ تھا۔ اُس کی پسند ہر چیز میں بڑی عمدہ تھی۔ اُس کا دربار اور اس کی شان و شوکت تمام دنیا میں مشہور تھی، دور دور سے لوگ یہاں کی سیر کے لئے آتے تھے، اُس نے جو عمارتیں بنائی ہیں وہ آج بھی لاجواب ہیں۔ تاج محل آگرہ جو اس کی چہیتی بیوی کا مقبرہ ہے دنیا کی سب سے اچھی عمارت ہے۔ اُس کی خوبصورتی اور کاریگری دیکھ کر یقین نہیں ہوتا کہ یہ عمارت کسی انسان نے بنائی ہے کئی سو سال گذرنے پر بھی یہ عمارت بالکل نئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی بن کر تیار ہوئی ہے۔ دہلی کی جامع مسجد، یا آگرہ اور دہلی کے محل دیوان عام، و دیوان خاص، موتی مسجد وغیرہ دنیا کی بڑی خوبصورت عمارتوں میں سے ہیں۔

شاہجہاں کے دربار کی رونق سب مغل بادشاہوں کے دربار سے زیادہ تھی۔ تخت طاؤس جس پر بیٹھ کر بادشاہ دربار کرتا تھا تقریباً ۵ کروڑ روپیہ کی لاگت سے بنا تھا جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے اور جس کی صورت نہایت خوبصورت مور کی سی تھی۔

مغل بادشاہوں کی طرح شاہجہاں ہر سال تاجپوشی کی سالگرہ مناتا تھا۔ یہ جشن بڑی شان سے منایا جاتا لاکھوں روپیہ غریبوں کو تقسیم ہوتا بادشاہ جواہرات سے تولا جاتا اور جواہرات بادشاہ پر نچھاور کئے جاتے۔

شاہجہاں کے زمانہ میں سلطنت مغلیہ اپنی پوری شان و شوکت پر تھی شاہجہاں کا دربار تمام دنیا میں مشہور تھا۔ یہاں کی عمارتوں یہاں کی صنعت و حرفت اور یہاں کے علوم و فنون کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ یورپ کے لوگ یہاں آتے اور یہاں کے عجائبات دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ یہاں کے کپڑے یہاں کی خوبصورت اور نفیس چیزیں دوسرے ملکوں میں جاتیں اور لوگ حیرت سے دیکھتے۔ یہاں کے لوگوں کی دولت کے قصے سُن کر دوسرے ملک والے تعجب کرتے۔

شاہجہاں نے تمام دنیا میں شہرت حاصل کی مگر خود اُسے چین نصیب نہ ہوا۔ اُس کی اولاد نہ صرف آپس میں لڑتی تھی بلکہ خود شاہجہاں سے بغاوت کرتی تھی اور اس کا سلسلہ آخر زندگی تک رہا آخر میں اُس کو نظر بند کر دیا گیا اور کئی سال یہ بادشاہ جو تمام ہندوستان پر حکومت کرتا تھا ایک محل میں قید ہو رہا۔ پھر بھی ان جھگڑوں کا اثر رعایا پر مطلق نہ تھا ہندو مسلمان بڑے اتفاق اور محبت سے رہتے تھے۔ خود شاہجہاں کے تعلقات ہندو راجاؤں سے رشتہ داری کے تھے اور وہ بھی اُن کا بہت خیال و پاس رکھتے تھے۔ راجپوت اُس کی امداد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے، اسی لئے ہندوستان پر کوئی سلطنت حملہ آور ہونے کا کبھی خیال بھی نہ کر سکتی تھی۔

آخر عمر میں شاہجہان نے دنیا کو چھوڑ کر اپنا وقت عبادت اور یاد الہی میں گذارنا شروع کر دیا اور ہر وقت اسی خیال میں مصروف رہا۔ ۷۴ برس کی عمر میں انتقال ہوا اور اپنی پیاری بیوی ممتاز محل کے پہلو میں تاج محل میں دفن ہوا۔

جواہر ریزے

۱۔ بھیک دینے والا مانگنے والے سے بہتر ہے،
۲۔ جس طرح شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ اسی طرح بدخلقی عمل کو برباد کر دیتی ہے۔
۳۔ حق کہو اگرچہ اپنے خلاف ہو۔
۴۔ جس نے تم کو امین بنایا اس کی امانت ادا کرو۔
۵۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
۶۔ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم،

بغداد

کسی زمانہ میں بغداد مسلمانوں کا مشہور شہر تھا۔ مسلمانوں کا خلیفہ یہاں رہتا تھا اور بڑے بڑے عالموں اور بزرگوں کا یہ مرکز تھا۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں نوشیرواں عادل کا ایک باغ تھا جہاں بیٹھ کر وہ انصاف کرتا تھا کچھ دنوں بعد یہ "باغ باغ داد" کے نام سے مشہور ہوگیا پھر "باغ داد" سے بغداد ہوگیا۔

لیکن اس کی بنا خلیفہ ابوجعفر منصور نے رکھی۔ سنہ ۱۳۶ ہجری میں جب ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا اس نے اپنا پایہ تخت بنانے کے لئے اسی اجاڑ جگہ کو پسند کیا۔ منصور بہت بخیل تھا۔ لیکن نئے دارالخلافہ کے شوق میں اس نے پوری قیمت دے کر کل زمین راہبوں سے مول لے لی۔ دور دور سے بڑے بڑے کاریگر اور صناع بلائے اور ۱۴۵ھ میں اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اس وقت ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"ساری زمین خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے
جسے چاہتا ہے بخشتا ہے"۔

شہر پناہ میں چار پھاٹک تھے اور ہر پھاٹک سے دوسرے پھاٹک کا فاصلہ ایک میل تھا۔ تعمیرات میں "ایوان خلافت، مسجد جامع قصر الذہب۔ قصر الخلد، نہایت اونچی اور شاندار عمارتیں تھیں۔ لیکن سب سے اچھی عمارت "قبۃ الخضراء" نام کا ایک سبز گنبد" تھا۔

نئی آبادی کے بعد اس کا نام "مدینۃ السلام" اور "دارالسلام" رکھا گیا۔ اس میں دو کروڑ رقم سے زاید خرچ ہوا۔

چار پھاٹکوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پہلا "باب کوفہ" دوسرا "باب بصرہ" تیسرا "باب خراسان" اور چوتھا "باب الشام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابوجعفر منصور نے اس کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا تھا۔ اور ہر محلے میں ایک مسجد اور اس کے سامنے ایک حمام تھا۔

ابوجعفر کے مرنے کا زمانہ قریب آیا تو اپنے ولی عہد "مہدی" کو بلا کر وصیت کی کہ "اور جو جی میں آئے کرنا مگر دارالخلافہ مت بدلنا" بیٹے نے نصیحت قبول کی۔ اب تک بغداد صرف دجلہ کے مغرب ہی جانب تھا" مہدی" نے تخت نشین ہونے کے بعد حکم دیا کہ دجلہ کے مشرق جانب بھی عمارتیں بنوائی جائیں۔ مہدی نے سنہ ۱۶۰ ہجری میں مشرق کی طرف ایک شہر پناہ بنوائی اور وسط میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔ دجلہ شمال سے جنوب کی طرف بہتا تھا اور بغداد اس کے دونوں جانب مشرق اور مغرب کی طرف آباد تھا۔

یہ ہے مختصر تاریخ اس بدنصیب ملک کی جس کی خاک میں نہ معلوم کون کون سی برگزیدہ ہستیاں محوِ خواب ہیں۔

ہمت مردانہ

ہزاروں برس گذر گئے کہ یونان کی ایک ریاست میں پلیس نامی بادشاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز تھا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کو جو تخت کا حقیقی مالک تھا شہر بدر کر دیا تھا۔ وہ کسی دوسری ریاست میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ وہیں اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ایک کلوتا بچہ جیسن نامی اس کی یادگار تھی۔ وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ تمام حالات اس پر آشکارا ہوگئے۔ وہ جوں جوں بڑھتا چلا گیا۔ انتقام کی آگ اس کے سینہ میں بھڑکنے لگی۔ اب جیسن سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا ایک دن وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ راستے میں اُسے ایک دریا عبور کرنا تھا جب وہ عین دریا کے درمیان پہنچا پانی کی ایک لہر اس کا ایک جوتا بہالے گئی۔ اس نے اُسے پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود آخر چار و ناچار اسے ایک ہی جوتے سے جانا پڑا۔

مصائب و آلام برداشت کرتا ہوا وہ ریاست مذکور میں پہنچا۔ اہالیان شہر اسے دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے۔ کیونکہ انھوں نے سنا تھا۔ کہ بادشاہ پلیس کو ایک شخص آکر تخت سے اُتارے گا جس کے پاؤں میں صرف ایک ہی جوتا ہوگا۔ اب کیا تھا۔ بادشاہ کو بھی

یہ خبر پہنچی۔ بادشاہ نے اس نووارد شخص کو بلایا اور اس سے چند واقعات دریافت کئے۔ بادشاہ کے حزن وملال اور فکر وخوف کی کوئی انتہا نہ رہی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نووارد اس کا بھتیجا ہی ہے۔ اور یہ بھی اسے معلوم تھا کہ یہ جوان حصول سلطنت کی غرض سے اتنا دور دراز کا سفر طے کرکے آیا ہے۔ پر بادشاہ نے اُس سے کہا۔ کہ مجھے تاج وتخت دینے میں کوئی انکار نہیں۔ اگر تو مجھے گولڈن فلیس لادے۔ اس حکم سے تمام درباریوں پر لرزہ چھا گیا۔ کیونکہ گولڈن فلیس کسی دوسری ریاست میں تھا۔ اور یہ بلوط کے درخت پر کیلوں سے جکڑا ہوا تھا۔ نیز اس درخت کے نیچے ایک ایسا اژدہا رہتا تھا۔ جو کبھی بھی نہ سوتا تھا۔ اس لئے کسی میں جرأت نہ تھی کہ وہ گولڈن فلیس کو اُتار سکے۔ کیونکہ جو کوئی اس اژدہے کے قریب جاتا اژدہا اسے مار ڈالتا۔ کئی جوان اپنی جانیں اسی طرح گنوا چکے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ کہیں یہ بیچارہ بھی اپنی جان نہ گنوا بیٹھے۔ کئی آدمیوں نے اسے منع بھی کیا۔ مگر جیسن بھلا کب ماننے والا تھا۔ اس نے کسی کی بات کو نہ مانا۔ اور چل کھڑا ہوا۔ اس کی شجاعت اور دلیری دیکھ کر سات جوان اور کود پڑے اور اس سے درخواست کی کہ ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے۔ جیسن ان کو ساتھ لے کر چل نکلا۔ راستے میں دریا کا سفر تھا۔ اور اسے عبور کرنے کے لئے کشتی کی ضرورت تھی چنانچہ ان میں سے آرگو نامی ایک شخص نے کشتی بنائی اور اسی کے نام پر کشتی کا نام بھی آرگو ہوا۔ اور جن بہادروں نے اس میں سفر کیا۔ انہیں آرگونٹس کہتے ہیں۔ باد مخالف کے جھونکے ان کی زندگی کو تیر وتار بنا رہے تھے۔ مگر انھوں نے بالکل پرواہ نہ کی۔ اور سفر جاری رکھا۔ اور برابر چپو مارتے چلے گئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ کشتی رک گئی اب اُن کے سامنے موت دانت نکالے کھڑی تھی۔ دریا کے دونوں کناروں پر ایک ایک چٹان تھی۔ یہ دونوں کبھی آپس میں مل جاتیں اور کبھی پھر علیحدہ ہو جاتیں۔ وہ پہروں سوچتے رہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ بہت ہی سوچ بچار کے بعد انہوں نے سفر پھر شروع کیا۔ جب وہ چٹانوں کے قریب پہنچے تو وہ جُدا ہوگئیں۔ انہوں نے ایک کبوتر اُڑایا۔ جو ہوا سے باتیں کرتا ہوا عین اُن کے درمیان سے گذر گیا۔ مگر اس کی دم کا ایک پر ان چٹانوں کے درمیان رہ گیا کیونکہ اب وہ مل چکی تھیں۔ آرگونٹس موقع کی تلاش میں تھے۔ کہ چٹانیں پھر جدا ہوگئیں۔ اب انہوں نے کشتی کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ چلایا اور بیشتر اس کے کہ وہ آپس میں مل سکیں یہ بہادر اُس میں سے گذر گئے۔ مگر کبوتر کی طرح کشتی کا بھی اخیر حصہ ٹوٹ گیا۔ خیر ان کی جان تو بچ گئی۔ بہت ہی خوش ہوئے فرحت اور انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی کشتی کی رفتار پھر پہلے کی طرح تیز تھی یہاں تک کہ منزل مقصود آ پہنچی۔ تمام نوجوان اس ملک کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی "بادشاہ سلامت ہم گولڈن فلیس لینا چاہتے ہیں"۔ بادشاہ نے کہا "تم فلیس لے سکتے ہو۔ مگر صرف ایک شرط ہے۔ جیسن نے عرض کی کہ "عالیجاہا! وہ کونسی شرط ہے"۔ بادشاہ نے کہا کہ "پہلے تم ایک خاص قسم کے بیل جوتو اور زمین میں ہل چلاؤ اس کے بعد زمین میں اژدہے کے دانت بونا"۔ اس خبر سے تمام دربار کانپ اُٹھا۔ کیونکہ ان بیلوں کے نتھنوں سے شعلے نکلتے تھے۔ اور جو کوئی اُن کے قریب آتا تھا۔ انہیں جلا دیتے تھے۔ اور جب زمین بوئی جاتی تھی۔ اس سے مسلح جوان نکلتے تھے جو اس آدمی کو مار ڈالتے۔ جو انہیں بوتا سینکڑوں جوان اسی طرح اپنی جانیں گنوا چکے تھے۔ جیسن نے ان کی بالکل پرواہ نہ کی۔ جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ عین وقت پر بادشاہ کی لڑکی میڈیا نے جیسن کی مدد کی۔ اس نے اُسے ایک قسم کا پوڈر دیا اور کہا کہ اس پوڈر کو اپنے جسم پر مل لو۔ آگ کے شعلے اس پر بالکل اثر نہیں کریں گے اور ایک تلوار دی جو لوہے کو کاٹ ڈالتی تھی۔ اب کیا تھا جیسن سیدھا اصطبل میں گیا۔ اور بیلوں کو دیکھا کہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے کھڑے تھے۔ چنانچہ جیسن نے انہیں کھولا اور اپنے دوست سے کہا کہ انہیں پکڑ لے۔ جیسن نے ان کی گردن پر ہل رکھ دیا اور انھیں کھیت کی طرف لے چلا۔

غرض زمین میں اژدہے کے دانت بوئے گئے۔ چونکہ دن بھر کی محنت کی وجہ سے وہ تھک گیا تھا۔ لہذا ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑ کر سو رہا۔

جیسن سو کر اُٹھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جس زمین میں اس نے اژدہے کے دانت بوئے تھے۔ وہاں مسلح نوجوان اُگ رہے تھے۔

اولمپک کھیل

پیام بھائیوں نے اخباروں میں اولمپک کھیلوں اور ہندوستانی ہاکی ٹیم کے حالات پڑھے ہوں گے۔ آج ہم ان کھیلوں کے متعلق چند باتیں بتائیں گے جن سے ایک تو ہمارے بھائیوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور دوسرے وہ دلچسپی اور تفریح بھی حاصل کرسکیں گے۔

یہ کھیل آج سے ہزاروں سال پہلے ملک یونان سے شروع ہوئے تھے جو اولمپیا کے میدان میں بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوتے تھے۔ اسی واسطے ان کو اولمپک کھیل کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں صرف ایسے کھیل تھے جن سے انسان کی طاقت اور قوت کی آزمائش ہوسکے ان میں روم و یونان کے بڑے بڑے پہلوان حصہ لیتے تھے۔ چند سال کے بعد ان میں رتھ دوڑ اور گھوڑ دوڑ کا اضافہ کردیا گیا جب ان کھیلوں کا چرچا عام ہوگیا تو کھیلوں کی تعداد بڑھادی گئی اور میدان اور شامیانہ بھی بہت وسیع کردیا گیا۔ ایک یونانی مورخ کے بیان کی رو سے اولمپک کھیل ۳۹۴ء میں بند کردئے گئے تھے۔ آخری آدمی جوان کھیلوں میں اول رہا تھا وَرستا دنامی ایک ارمنی تھا۔

اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کھیلوں کا مقصد صرف مذہبی اور سیاسی تھا۔ ڈیڑھ ہزار برس کے بعد جب پھر اولمپک کے نمونے پر مختلف مقابلے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ان کی حیثیت تبدیل ہوگئی یعنی مذہب اور سیاست کا اس میں کوئی دخل نہیں رہا۔ یورپ کی تمام قوموں نے مل کر فیصلہ کیا کہ ہر چار سال کے بعد کھیلوں کے مقابلے کئے جائیں جن میں ہر ملک اپنے اپنے ہاں سے منتخب کھلاڑی بھیجے یہ کھیل ہر مرتبہ نئے ملک میں منعقد ہوا کریں۔ زمانہ کے مطابق آج کل ہاکی، سوگز کی دوڑ اور مختلف دوڑیں، اچھلنا کودنا، گولہ پھینکنا، تیرنا اور چلنا وغیرہ مختلف کھیل ہوتے ہیں۔ چند سال سے امریکہ کے ممالک نے بھی ان میں حصہ لینا شروع کردیا ہے۔ ان کھیلوں میں شرکت کے لئے ہر ملک کئی سال پہلے تیاریاں شروع کردیتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے فرزند بہت سے کھیلوں میں اول رہ کر زیادہ نمبر حاصل کرسکیں کیونکہ جو ملک اول رہتا ہے اس کی بہت عزت ہوتی ہے اور چار سال کے لئے اُسے "چیمپین" (champion) کا خطاب مل جاتا ہے۔ کھیلوں میں اپنے ملک کے لئے کوشش کرنا یہ بھی ایک خدمت اور فرض ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے ملک کی، ہر میدان میں خدمت کریں۔

جس طرح ہندوستان ترقی کے ہر شعبے اور ہر میدان میں پیچھے ہے اسی طرح سوائے ہاکی کے باقی کھیلوں میں کسی ملک کا مقابلہ نہیں کرسکتا اسی لئے اولمپک کھیلوں میں ہندوستان کے جوان حصہ نہیں لیتے تھے کیونکہ وہاں ان سے کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہاکی میں البتہ ہندوستان اس کا ہر طرح اہل تھا کہ وہ شرکت کرے مگر دقت یہ تھی کہ کوئی ایسی منظم جماعت ملک میں نہیں تھی جو اس طرف توجہ کرتی۔ خوش قسمتی سے چند سال ہوئے کہ ہاکی کی ایک منظم جماعت وجود میں آئی اور اس کی کوششوں سے گذشتہ کھیلوں میں جو ہالینڈ کے دارالخلافہ 'امسٹرڈم' میں منعقد ہوئے تھے ایک ہاکی ٹیم بھیجی گئی۔ وہاں اس نے ہر ملک کو شکست دی اور شکست بھی کئی کئی گولوں سے۔ دھیان چند کو دنیا کا بہترین کھلاڑی تسلیم کیا گیا، غرضکہ ہندوستانی ٹیم کی وہ شہرت ہوئی کہ اس کھیل میں سب ملکوں نے اس کو اُستاد مان لیا۔

امسال اولمپک کھیل کیلفورنیا کے ایک شہر لاس انجلز میں منعقد ہوئے تھے۔ یہ شہر ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے سن جبریل پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور اپنی خوشگوار آب وہوا کے لئے مشہور ہے۔ اولمپک کھیلوں کے انتظام کی تیاریاں کئی مہینہ پہلے شروع ہوگئی تھیں سب سے پہلے تو ایک وسیع میدان میں مختلف دوڑوں اور کھیلوں کی جگہیں مخصوص کردی گئی تھیں اور شب و روز ان کی حفاظت کی جاتی تھی تاکہ کاہلی اور غفلت کی وجہ سے وہ خراب نہ ہوجائیں، اس کے بعد مختلف ممالک کے کھلاڑیوں کے لئے ایک نیا شہر بسایا گیا یعنی کئی سو چھوٹے چھوٹے مکان بنائے گئے تھے جن میں تین تین کمرے تھے۔ ایک اُٹھنے بیٹھنے کے لئے دوسرا کھانا کھانے کے لئے اور تیسرا سونے کے لئے۔ ان مکانات کی ہر طرح سے آرائش کی گئی تھی۔ ایک مکان دو کھلاڑیوں کے لئے مخصوص تھا، عورتوں

کے لئے الگ انتظام تھا۔ موٹریں ہر وقت تیار رہتی تھیں غرض کہ آرام وآسایش کا مکمل انتظام تھا۔ نوکر ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے کہ کسی مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

ان کھیلوں میں اس سال انگلستان، جرمنی، سویڈن، ناروے، فن لینڈ، جاپان، امریکہ، کینڈا اور ہندوستان نے حصہ لیا تھا۔ ہاکی ٹیمیں صرف تین ممالک نے بھیجی تھیں، ایک تو ہندوستان نے دوسری جاپان نے اور تیسری امریکہ نے۔ دوسرے ممالک مالی دقتوں کی وجہ سے ٹیمیں نہیں بھیج سکے تھے۔

یکم اگست کو اولمپک کھیلوں کا افتتاح امریکہ کی حکومت کے نائب صدر مسٹر کرٹس نے کیا اور وہ یوں کہ نہایت ہی اچھے موسم میں جب کہ آفتاب اپنے جلال سے چمک رہا تھا تمام ممالک کے کھلاڑی جن کی تعداد دو ہزار تھی اپنے مخصوص لباسوں میں ایک قطار میں بڑی شان سے میدان میں اُترے عجب شاندار اور پُراثر نظارہ تھا۔ ایک لاکھ تماشائیوں نے اتنی تالیاں بجائیں کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

ہندوستان نے اب کے ہاکی ٹیم کے علاوہ دو دوڑنے والے مٹن اور ورناکس اور ایک پیراک ملک کو بھی بھیجا تھا۔ پندرہ دن تک مختلف مقابلے ہوتے رہے۔ ٹٹی کی دوڑ میں سب سے زیادہ لطف آیا۔ اس دوڑ میں انگلستان کی امیدیں لارڈ برگلے سے وابستہ تھیں جب دوڑ شروع ہوئی تو آئرلینڈ کا ایک کھلاڑی ٹنڈل اس صفائی اور عمدگی سے دوڑا کہ تمام تماشائی عش عش کر اُٹھے اور وہ اول آگیا لیکن منصفوں نے اس کو اول تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس نے آخری ٹٹی گرادی تھی۔ اس کے افسوس کا ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس لئے اول نمبر ایک امریکن ہارڈس کو مانا گیا جو دوسرے نمبر پر تھا۔ لارڈ برگلے بیچارہ کہیں چوتھے نمبر پر تھا۔

دس ہزار میٹر کی دوڑ شروع ہونے سے پہلے ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ سن فرانسسکو کا رہنے والا ایک نوجوان کارڈوز نامی تھا اس کو اس دوڑ میں شریک ہونے کا بے حد اشتیاق تھا۔ لیکن بیچارے کے پاس اتنے دام نہ تھے کہ وہ لاس انجلز پہنچ سکتا۔ مگر ہمت اور شوق کے سامنے کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ وہ پا پیادہ وہاں سے روانہ ہو گیا

سن فرانسسکو سے لاس انجلز کا فاصلہ پانچ سو میل ہے۔ وہ کبھی پیدل چلتا اور کبھی چپکے سے کسی موٹر کے پیچھے سوار ہو جاتا۔ اس طرح سفر کرتا وہ اس وقت لاس انجلز پہنچا جب دوڑ شروع ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ حالت اس کی یہ تھی کہ چوبیس گھنٹے سے نہ اس نے کچھ کھایا پیا تھا اور نہ ایک منٹ کے لئے سویا تھا۔ لیکن باوجود روکنے کے وہ دوڑ میں شامل ہو گیا۔ اور دوڑ کے خاتمہ پر وہ بیہوش ہو گیا۔ وہ گیارہویں نمبر پر تھا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اس کو ایک کمرہ میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ مسلسل اڑتالیس گھنٹے تک سوتا رہا۔

پیراکی کا مقابلہ بھی بڑا پر لطف رہا۔ اگرچہ اس میں بھی ہمارا ہندوستانی پیراک ملک ناکام رہا لیکن اس کی ہمت اور کوشش کی بہت تعریف کی گئی۔ اس مقابلہ میں برازیل کے کھلاڑیوں کا جھگڑا منصفوں سے ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہنگری کے ایک منصف نے ان کے حق میں غلط فیصلہ کیا ہے۔ اسی وقت پولس کو بلایا گیا اور چند ہی منٹوں میں امن قائم ہو گیا۔

اسی طرح ایک دوڑ میں فن لینڈ کا ایک کھلاڑی اول آرہا تھا اور ایک امریکن دوم، قدرتاً تماشائیوں کی ہمدردی امریکن یعنی اپنے ایک ہم وطن کی طرف تھی۔ اس لئے چند تماشائیوں نے فن لینڈ کے کھلاڑی کا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ لیکن کھیلوں کے منتظمین نے ان کو بہت برا بھلا کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ ہمارا مہمان ہے اور ہمیں مہمان کی پوری عزت کرنی چاہیئے، اس سے سب تماشائی خاموش ہو گئے۔

جیسا کہ امید تھی ہندوستانی ہاکی ٹیم نے اپنی شہرت کو برقرار رکھا جاپان کو اس نے دس گول سے اور امریکہ کو چوبیس گول سے شکست دی۔ امریکن ٹیم تو ہماری ٹیم کے سامنے ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کسی مدرسہ کے لڑکے کھیل رہے ہیں۔ سب ملکوں کے لوگوں نے ہماری ٹیم کی بے حد تعریف و توصیف کی۔ اب چار سال کے لئے ہندوستان ہاکی میں پھر چمپین (Champion) ہے،

کھیل کود کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نمبر امریکہ نے حاصل کیا اس میں ہندوستان کا نمبر بارہواں رہا لیکن امید ہے کہ توجہ اور مشق کے بعد ہاکی کی طرح ہر کھیل میں ہندوستانی اپنے کمالات دکھائیں گے۔

مشرقی و مغربی تمدن

عثمانیہ کلب پانی پت کے زیرِ اہتمام سجاد کپ کے لئے ہر سال ایک آل انڈیا مجلس مباحثہ منعقد ہوتی ہے گزشتہ دسمبر میں جامعہ مرکز نمبرا کے دو بچوں رحیم الدین اور نور خاں نے بھی اس مباحثہ میں شرکت کی اس دفعہ مباحثہ کا موضوع یہ تھا کہ "مغربی تمدن ایشیا خصوصاً ہندوستان کی بہتری کے لئے ازبس ضروری ہے"۔ فی البدیہہ تقریر کا موضوع ہیٹ اور پگڑی کا مقابلہ تھا۔ جامعہ کے دونوں بچوں کی تقریریں بے حد کامیاب رہیں اور نور خاں نے پہلا انعام حاصل کیا۔

اُن عزیز نے ہماری درخواست پر اپنی تقریر کو قلمبند کر دیا ہے جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

جناب صدر اور حاضرین کرام!

سب سے پہلے اس مضمون کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی قوم کی ترقی و تنزل میں طرزِ معاشرت اور لباس کو کوئی دخل نہیں۔ یورپ نے آج اپنے چھری کانٹوں اور کوٹ پتلون میں ہو کر جو ترقی کی ہے اس سے کہیں زیادہ عرب اور ہندوستان اپنے جبہ و دستار اور دھوتی کرتوں میں رہ کر ترقی کر چکے ہیں۔ میں یہ سمجھنے سے بالکل مجبور ہوں کہ اگر آج یورپ چھری کانٹوں کی بجائے ہاتھ سے کھانا شروع کر دے یا کوٹ پتلون کی جگہ شیروانی، پاجامہ اور کرتہ دھوتی پہننے لگ جائے تو وہ یکا یک کیسے اس بامِ ترقی سے نیچے آگرے گا، یا ہندوستان اور اسلامی ممالک کے لوگ ہاتھ سے چھوڑ کر چھری کانٹے سے کھانے لگ جائیں، یا اپنا پرانا لباس چھوڑ کر کوٹ پتلون اختیار کر لیں تو وہ یکبارگی کیوں کر ترقی کے زینے پر چڑھ جائیں گے۔ یہ بات میری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ کسی قسم کا لباس یا طریقۂ زندگی ایک قوم کے لئے کہاں تک موزوں ہے اور کہاں تک ناموزوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس حیثیت سے اگر اس مسئلہ پر بحث کی جائے تو میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ مغربی طرزِ معاشرت اور لباس مشرق کے لئے کسی طرح مناسب اور موزوں نہیں ہے۔

جناب صدر! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے کھانے، پہننے کا سامان اس کی ضرورت کے مطابق مہیا کیا ہے۔ ضرورت سے میری مراد یہ ہے کہ جیسا وہاں کی آب و ہوا اور وہاں کے موسمی حالات کا تقاضا ہو، مثلاً شمالی سرد ملک کے بیل اور بکریوں کو لیجئے، ان کے بال کیسے بڑے اور لمبے لمبے ہوتے ہیں یہ کیوں؟ اس لئے کہ انھیں اپنے جسم کو سخت سردی سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ برعکس اس کے ہمارے ہاں کے بیل اور بکری کو لیجئے، ان کے بال نہایت چھوٹے اور ان کی کھال نہایت پتلی ہوتی ہے، اس لئے کہ انھیں کسی سخت سردی کا سامنا کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ملک کی گرمی سے محفوظ رکھنے کے لئے انھیں ہلکے سے ہلکے لباس کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح رہنے سہنے میں لیجئے۔ بطخ کو پانی کے اندر رہنا ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ تیرنے کے لئے اس کے پاؤں کی انگلیاں باہم جڑی ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے مرغی کو دیکھئے، اسے سخت زمین پر چلنا پڑتا ہے، اس لئے اس کی انگلیاں ایک دوسری سے علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ ایسا ہی اونٹ اور گھوڑے کا فرق ہے۔

غرض کہنے کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے رہنے سہنے، اُٹھنے بیٹھنے، اور چلنے پھرنے کا طریقہ اور ان کے لئے خوراک اور پوشاک کا انتظام ان کی اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق کیا ہے۔ انسان بھی چونکہ اسی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اس لئے لازم ہے کہ اس کے لباس و طعام کا اہتمام بھی باری تعالیٰ نے اس کے اپنے حالات اور ضروریات کے مطابق کیا ہوگا۔ شمالی سرد ملک کے باشندے جنہیں 'اسکیمو' کہتے ہیں، وہ اپنا لباس جانوروں کی کھال سے بناتے ہیں اور انہی جانوروں کا گوشت ان کی غذا ہوتی ہے۔ ان کے ہاں کوئی زراعت اور کاشت کاری نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ اپنے کپڑوں کے لئے نہ کپاس بو سکتے ہیں اور نہ کھانے کے لئے غلہ پیدا کر سکتے

ہیں۔ برعکس اس کے گرم ملکوں کو لیجئے جہاں کھیتی باڑی ہوسکتی ہے۔
یہاں کے لوگ اپنے کپڑے روئی کے بنا سکتے ہیں اور کھانے کو اناج پیدا
کرسکتے ہیں۔ اس طرح آپ نے دیکھ لیا کہ طرز معاشرت اور لباس کا
دار و مدار اپنی ضرورت اور مخصوص حالت پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے
ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم کی جدا معاشرت اور اس کی اپنی جداگانہ
وضع قطع ہوتی ہے۔ مغرب کے لئے کوٹ پتلون جیسے چست اور تنگ
کپڑے بہت مناسب اور ضروری ہیں' اس لئے کہ ان کا ملک سرد
ہوتا ہے اور انھیں ہر وقت چلنے پھرنے میں اپنے جسم کو سردی سے
بچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے ملک میں
جہاں گرمی اور پسینے کی وجہ سے ہر وقت ناک میں دم رہتا ہے،
کسی طرح سے تنگ اور چست کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہاں جسقدر
ڈھیلے ڈھالے اور ہلکے کپڑے ہوں، اسی قدر مناسب اور موزوں
ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ مغربی طرز معاشرت اور لباس مشرق کے لئے
بالعموم اور ہندوستان کی ترقی کے لئے خصوصاً ضروری ہے، گویا اللہ
میاں سے لڑائی مول لینا ہے اور قانون فطرت کے خلاف چلنا
ہے۔ گھوڑے پر بھاری عماری رکھ کر یا ہاتھی کے منہ میں لگام لگاکر آپ
چاہیں کہ ترقی کے میدان میں دوڑ سکیں تو یہ آپ کا محض ایک خیال
خام ہے۔

جناب صدر! مغربی طرز معاشرت اور لباس کی موافقت
میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے۔ وہ دلیل کا سوال
نہیں ہے۔ بلکہ دل کا سوال ہے' یعنی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمیں اچھا
لگتا ہے۔ اس اچھا لگنے کے متعلق بھی میں یہ عرض کردوں کہ یہ حاکم قوم کا
ایک جادو ہوتا ہے جس کی ہر بات اور ہر آن محکوم قوم کو بھلی لگتی ہے، وہ
جو کچھ دیکھتی ہے، اسی کی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ جو کچھ سنتی ہے، اسی کے
کان سے سنتی ہے۔ اس کا ملک ہی اس کے ہاتھ سے نہیں نکل جاتا، بلکہ
اس کی آنکھ، اس کے کان، اس کا دل اور اس کا دماغ بھی اس کا
اپنا نہیں رہتا۔ محض یہ بات کہ فلاں چیز اچھی لگتی ہے، اس لئے اپنی ہوجائے
کافی نہیں۔ پڑوسی کا لڑکا خواہ کتنا ہی خوبصورت اور اچھا ہو، اپنا بیٹا
نہیں بن سکتا۔ اپنی چیز اپنی ہی ہوتی ہے اور پرائی چیز پرائی ہوتی
ہے۔

ان سب کے علاوہ کچھ غیرت اور خودداری کا سوال بھی آتا
ہے ہر پرائی چیز کی تقلید اور نقل بھی اچھی بات نہیں ہے۔ دوسری
قوموں کو دیکھئے' وہ اپنی کوئی بات آسانی سے نہیں چھوڑتی ہیں خود
طرز معاشرت اور لباس کے معاملہ میں لیجئے۔ یورپ کے لوگ ہندوستان
آتے ہیں، یہاں رہتے سہتے ہیں، لیکن وہ اپنا طریقہ معاشرت اور لباس
ذرہ برابر بھی نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ یہاں کی گرمی اور آب و ہوا ان کے
لئے کسی طرح موزوں اور مناسب نہیں ہوتی۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ ان
کے ملک میں بغیر گئے ہوئے اپنی ہر چیز ان پر قربان کردیتے ہیں۔ ہم
میں سے کتنے ایسے ہیں جو ایمانداری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں
نے یہ کوٹ یا پتلون یا انگریزی طرز معاشرت اس وجہ سے اختیار کی
ہے کہ انھیں اس میں بہت سی خوبیاں نظر آتی ہیں اور اپنی پوشاک اور
وضع اس وجہ سے چھوڑی کہ اس میں خرابیاں دکھائی دیتی تھیں، اور
خود میرے مخالف دوست کیا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ
وہ مغربی طرز معاشرت اور لباس کی تائید ایمانداری کے ساتھ کررہے
ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، اور مجھے یقین ہے کہ ان کی غیرت اور خودداری
اس کو کبھی گوارا نہ کرے گی۔

جناب صدر! آخیر میں میں ایک دلیل اور پیش کرنی چاہتا
ہوں اور اس کے بعد پھر اپنی تقریر ختم کردوں گا۔ مذہب مسلمان کی
سب سے عزیز چیز ہے جس کے نام پر وہ جان و مال سب کچھ قربان
کردینے کو تیار رہتا ہے اور پھر ایسے مذہب پر کوئی کیوں نہ جان دے
جو ہمارے رسول کریم جیسے نبی کا لایا ہوا ہو۔ آپ نے اسی اندیشہ کا خیال
کرتے ہوئے کہ مسلمان کہیں دوسری قوموں میں گھل مل نہ جائیں، یہ فرمایا
کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْہُ (جو اپنے کو کسی دوسری قوم جیسا
بنائے گا، وہ اسی میں سمجھا جائیگا)۔ اس حیثیت سے بھی میں اپنے
مخالف دوستوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ اس صریح
حدیث کے خلاف جانا چاہتے ہیں؟ مغربی طرز معاشرت اور لباس
اختیار کرنا مغربیت کے سمندر میں گھل مل جانا نہیں تو اور کیا ہے؟
جناب صدر! میں نے قانون فطرت کے لحاظ سے غیرت

وخودداری کے لحاظ سے. اخلاق ومذہب کے لحاظ سے، غرض ہر لحاظ سے یہ بات واضح کردی ہے کہ "مغربی طرز معاشرت اور لباس مشرق اور ہندوستان کی ترقی کے لئے نہ مناسب ہے اور نہ ضروری مجھے امید ہے کہ میرے مخالف حضرات یہ بنا دٹی اور مانگے کا لباس اُتار کر اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوں گے اور ہم میں آکر مل جائیں گے۔

ہوائی جہاز میں سیر

جب جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ صاحب یعنی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب پروفیسر مجیب صاحب اور میں برلن میں ساتھ پڑھتے تھے تو اکثر خیال ہوا کہ ہوائی جہاز میں سیر کریں۔ ہم لوگ سیر و تفریح کو ہمیشہ ساتھ جایا کرتے تھے۔ مگر جب میں نے تجویز کی کہ ذرا آسمان کی سیر بھی کرنا چاہیئے تو سب سے پہلے عابد صاحب بول اُٹھے کہ مجھے رہنے دیجیئے اگر آپ سب صاحب بالا بالا اللہ میاں کے ہاں چلے گئے تو گھر اطلاع دینے والا کوئی تو باقی رہ جائے۔ غرض یہ بات ہمیشہ اسی طرح ہنسی میں ٹال دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب اور مجیب صاحب نے بھی کچھ زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی۔ اور اکیلے مجھے سیر کرنے یا مرنے میں کچھ لطف بھی نہیں آتا تھا۔ اس وجہ سے یہ سیر وہاں تو ملتوی رہی۔ مگر حسن اتفاق دیکھیئے جونا گڈھ میں فلائنگ کلب کا ایک ہوائی جہاز آیا۔ اُسے کچھ مرمت کرانی تھی جس کی وجہ سے میری اُس کے جہاز راں سے خوب ملاقات ہوگئی۔ میں نے کہا بھلا ایک دن ہم کو بھی سیر کرادو۔ اُس نے کہا آؤ میں بھی بسم اللہ مجریہا پڑھ کر فوراً ہوائی جہاز میں سوار ہوگیا۔

ہوائی جہاز کے لئے کم سے کم ہزار ڈیڑھ ہزار گز لمبا چوڑا میدان جو بالکل ہموار ہونا چاہیئے ضروری ہے۔ یہ اسی طرح اُڑتا ہے جس طرح لمبی ٹانگ کے پرند مثلاً کلنگ، سارس وغیرہ چنانچہ یہ جہاز پہلے اپنے دو پہیوں پر ۴۵۔۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہوا تقریباً تین چار سو گز گیا ہوگا کہ ہوا میں اُدھر ہوگیا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس نے زمین کو کب چھوڑا اس جہاز میں اگلی بیٹھک مسافر کی ہوتی ہے اور چلانیوالے کی سیٹ جسے پائیلاٹ [illegible] کہتے ہیں۔ پیچھے ہوتی ہے۔ جہاز کے آگے ایک دو پر والا پنکھا لگا ہوتا ہے۔ یہ پنکھا تقریباً دو ہزار چکر فی منٹ کرتا ہے۔ اس پائیلاٹ نے ایک تسمہ میری کمر میں پہلے سے باندھ دیا تھا۔ یہ تسمہ ہوائی جہاز میں لگا ہوتا ہے۔ اب یہ جہاز اُڑا جب میں نے ایک دم نیچے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بڑے بڑے مکانات گڑیوں کے گھروندے معلوم ہو رہے ہیں۔ جب یہ جہاز ایک دم دو سو فٹ اونچا ہوا تو ذرا جھٹکا سا لگتا تھا ایسا جیسا لفٹ میں اُترتے چڑھتے معلوم ہوتا ہے، ورنہ کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ تقریباً ایک منٹ میں ہی ہم ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے وہاں جاکر مجھے یہ خیال ہوا کہ جہاز آگے نہیں بڑھ رہا ہے بلکہ کھڑا ہوگیا۔ مگر انجن کی آواز بدستور زور سے آرہی تھی اور ہوا سامنے سے تیز آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے چال کی گھڑی یعنی جس سے رفتار معلوم ہوتی ہے دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ تو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا ہے۔ جل جلالہ۔ اتنی تیز ریل یا موٹر پر تو میں آج تک کبھی نہیں بیٹھا تھا۔ پھر کیا بات ہے کہ جہاز سو میل تو جا رہا ہے اور معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پانچ میل گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا ہے۔ اچھا اب سمجھ میں آگیا۔ ہم کو تیز رفتاری کیوں معلوم ہوتی ہے جب ہم آس پاس کے درختوں کو یا اور کسی چیز کو ریل کی مخالف سمت میں بھاگتے ہوئے دیکھتے ہیں اور چونکہ آسمان پر کوئی درخت یا اور کوئی نشان تو ہے نہیں اس لئے ہم کو اپنی رفتار معلوم نہیں ہوتی۔ اگر ہم اور بھی اونچے چلے جائیں کہ ہم کو زمین بھی نظر نہ آئے تو ہم کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہے ہیں۔ ٹھیک یہی وجہ ہے کہ خود زمین ہم کو ساکن معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ یہ تو سترا میل فی سکنڈ کی رفتار سے اڑی ہوئی جا رہی ہے۔ یعنی اکسٹھ ہزار دو سو میل فی گھنٹہ۔ جب ہی تو یہ اپنا دور جو ساڑھے ستاون کروڑ میل کا ہے سال بھر میں پورا کرلیتی ہے۔

کیا تم نے دو ریلوں کو ایک ہی سمت میں جاتے دیکھا ہے بعض وقت جب دونوں ریلیں ایک ہی رفتار سے چلتی ہوتی ہیں۔ تو

دونوں ریلیں ساکن معلوم ہوتی ہیں ان میں کچھ حرکت نہیں معلوم ہوتی ۔ کیونکہ سامنے جو ریل ہے وہ اسی رفتار سے جا رہی ہے جس رفتار سے دوسری ریل تو وہ متحرک نہیں معلوم ہوتی بلکہ ساکن معلوم ہوتی ہے ۔ اگر آس پاس کوئی درخت یا اور کوئی چیز نہ ہو تو ہم کو حرکت مشکل محسوس ہوگی ۔ یہی وجہ ہے کہ فضا میں جب جہاز کے آس پاس کوئی اور چیز نہیں ہوتی بلکہ زمین بھی دور نیچے نظر آتی ہے تو ہم کو اوپر بیٹھے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم ساکن ہیں ۔ اب غالباً تم لوگ اس کی وجہ سمجھ گئے ہوگے کہ جب ہماری زمین اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ فضا میں حرکت کر رہی ہے تو ہم کو اس کی حرکت معلوم کیوں نہیں ہوتی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز اس سے زیادہ سے زیادہ قریب ہے وہ چاند ہے اور یہ دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلہ پر ہے ۔

اچھا اب دوسری بات سنو ۔ یہ جہاز چلانیوالا کچھ اپنی کارگری بھی دکھانا چاہتا تھا ۔ اس نے کیا کیا کہ اُڑتے اُڑتے ایک چکر ایسا لیا کہ ہم لوگوں کا سر نیچے زمین کی طرف ہوگیا اور جہاز کا پیندا اوپر چلا گیا ۔ اس طرح کی اس نے کئی قلابازیاں کھائیں ۔ مگر مجھے جہاز میں بیٹھے ہوئے کچھ بھی تو معلوم نہیں ہوا ۔ جب ہم لوگ نیچے اتر گئے تو تماشہ دیکھنے والوں نے پوچھا کہ جب قلابازی کھائی ہے تو کیا معلوم ہوا تھا ۔ میں نے کہا کہ قلابازی مجھے تو معلوم بھی نہیں ہوئی ۔ پھر جہاز راں نے بھی کہا کہ قلابازی تو کئی دفعہ کھائی تھی ۔ میں نے کہا واہ بھئی ۔ اس سے ایک مسئلہ حل ہوگیا ۔ جب ہوائی جہاز جیسی چھوٹی چیزیں ہزار دو ہزار فٹ اوپر جا کر اونچا نیچا معلوم نہیں کر سکتیں اور اس کا احساس جاتا رہتا ہے تو بھلا زمین پر کیا معلوم ہوگا ۔ کیونکہ اونچا نیچا ہم کو اُسی وقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی چیز آس پاس ہو ہم حرکت کرکے اُس کے اوپر جائیں تو وہ ہم کو نیچے معلوم ہوگی ۔ یا کسی چیز کو حرکت کرکے نیچے چھوڑ دیں تو ہم اوپر جاتے ہوئے معلوم ہوں گے اس قدر اونچے چلے جائیں کہ آس پاس کوئی چیز ہی نہ ہو اور ہم زمین کو نہ دیکھیں تو سب ایک ہی فضا معلوم ہوگی ۔ اور نیچے اونچے کا احساس جاتا رہے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت امریکہ کے لوگوں کے سر ہماری مخالف سمت پر ہیں مگر وہ بھی اپنے کو اونچا سمجھتے ہیں اور ہم بھی اپنے کو اونچا سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ زمین ایک گول ہے اگر ایک کا سر ایک طرف اونچا ہوگا تو دوسرے کا سر دوسرے کنارے پر نیچا ہوگا ۔ مگر چونکہ زمین اس قدر بڑی ہے کہ ہماری نظر کسی اور بیرونی چیز کا احساس نہیں کر سکتی اس لئے ہم کو اونچا نیچا نہیں معلوم ہوتا ۔

اگر پیام تعلیم کے پڑھنے والے اسے سمجھ گئے ہیں تو خیر ورنہ اپنے اُستادوں سے پوچھ لیں ۔ اگر سب کی رائے ہوگی تو آئندہ کبھی یہ بتاؤنگا کہ ہوائی جہاز کیسے چلتا ہے ۔

اگر پیام تعلیم کے پڑھنے والے اس بارہ میں کچھ پوچھنا چاہیں یا مجھے خط لکھنا چاہیں تو عباس حسنی ، خاکسار منزل ، جامعہ ملیہ کی معرفت لکھ سکتے ہیں یا اس پتہ پر لکھ سکتے ہیں ۔

محمد عمر حسنی ۔ انجینئر جوناگڈھ

جلسہ میلاد النبی پر ہماری خیالات

پچھلے پرچہ میں ہم نے بچوں کے جلسۂ میلاد کا پروگرام شائع کیا تھا یہ جلسہ ۸ر ستمبر کو جامعہ کے تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے خوبصورت ہال میں نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا ۔ اس جلسہ کی کیفیت ہماری درخواست پر جامعہ مرکز نمبر ۱ کے صدر مدرس صاحب نے ایک بچہ سے لکھوا کر بھجوائی ہے ۔ ہم اسے تمام و کمال بغیر کسی اضافہ و ترمیم کے شائع کرتے ہیں ۔

ا ۸ر اگست کو ہمارا پہلا مضمون "میلاد النبی کی تبدیلیاں" کے عنوان سے لکھا گیا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلے سال جو ہمارے یہاں جلسہ میلاد النبی ہوا تھا اور جو اس میں انتظام و مضامین تھے کیا وہی رہیں گے یا تغیر و تبدل ہوگیا ۔ اس کے بعد دوسرے مضامین ہوئے ۔

جلسہ یکم ستمبر کو ہونا چاہیئے تھا ۔ مگر بعد میں ۸ر ستمبر پر ملتوی کر دیا گیا

اس کی وجہ لڑکوں کی سستی تھی۔

ب۔ جب چار دن باقی تھے تو عبدالعزیز و عزیزالرحمٰن پھول بنانے پر مقرر ہوئے (جو مٹھائی کے ساتھ تقسیم کرنے کے لئے بنوائے گئے تھے) انھوں نے ڈیڑھ سو (۱۵۰) پھول تین دن میں بنائے ان کا ڈیزائن بہت خوشنما تھا جو یہ ہے،



ابتدائی پنجم کے محنتی لڑکوں نے جھنڈیاں بنائیں یہ بھی بہت اچھی تھیں۔ گلاب چھڑکنا، پھول برسانا، مٹھائی اور پانی پلانے کا کام پہلے ہی سے لڑکوں اور ماسٹروں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

ج۔ ۸ ستمبر کو دو بجے سے لڑکوں نے جلسہ کا انتظام کرنا شروع کیا۔ ۵ بجے تک گیلری میں (جہاں کہ عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا) پردے لگ گئے اور تمام ہال فرش و فروش سے درست جگمگا رہا تھا۔ اس میں ہمارے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تصویریں بھی تھیں اور ۶½ بجے تک دروازہ پر بجلی فٹ ہوگئی اور ہنڈے (جو مہمانوں کی سہولت کے لئے گلی میں رکھنے کے لئے منگائے گئے تھے) بھی آگئے۔

۸½ بجے سے مہمان آنے شروع ہوگئے۔ مہمانوں کا استقبال مولوی فضل الرحمٰن صاحب و اختر حسین صاحب (ڈرائنگ ماسٹر) کر رہے تھے۔

ٹھیک ۹½ بجے عبدالسلام نے جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی کی صدارت کے لئے تحریک کی۔

تلاوت قرآن مجید

۱۔ تلاوت قرآن منظور الحق ابتدائی چہارم نے کی اور اچھی طرح کی۔

ہمارے رسول کے دیس جانے کے اخراجات

۲۔ مضمون ابوالکلام ابتدائی ششم نے پڑھا اور انوارالدین نے لکھا تھا۔ اس لئے پڑھنے میں ابوالکلام نے بہت غلطیاں کیں تھیں۔ مثلاً "گیارہ" کو "گایارہ" اور "پچانوے" کو "نپچانوے" پڑھا۔

عرب اور عجم کا آقا (نظم)

۳۔ یہ نظم "پیشوا" کے رسول نمبر میں سے لی گئی ہے اور یہ نظم عبدالحق چہارم، رضوان الحق پنجم عبدالحی ششم نے پڑھی تھی۔ یہ نظم اچھی طرح نہیں پڑھی گئی کیونکہ ایک نے پہلے ختم کر دیا اور دوسرا بعد میں۔

آنحضرت کی نظر میں محنت اور محنت والے

۴۔ جمیل الزماں خاں ششم نے لکھی و پڑھی واقعات جو بیان کئے اچھے تھے مگر انھوں نے بہت آہستہ اور جلدی پڑھا اور کچھ گھبرا کر

حبیب خدا (نظم)

یہ نظم احمد ابن سالم نے پڑھی۔ یہ بہت اچھی رہی اور لوگوں نے اسکی بہت تعریف کی۔

چند مشہور لڑائیاں

یہ مضمون محمد نور خاں نے پڑھا۔ یہ بہت اچھی طرح پڑھا گیا

کوہ صفا کی پہاڑی کا وعظ

یہ نظم شاہنامہ اسلام سے چنی گئی ہے۔ یہ نظم احمد بن محمد نے ابوالاثر حفیظ جالندھری کی طرز میں پڑھی تھی یہ بھی بہت اچھی رہی مگر بعض غلطیاں کی تھیں۔

آنحضرت کے متعلق بچوں کی کتابیں اور ایک کتاب کا مطالعہ

عبدالسمیع ششم نے یہ مضمون لکھا و پڑھا۔ لوگوں نے اسے بھی بہت پسند کیا۔

کورس (عربی)

نلودالحق دوم، احسان رشید چہارم، عبدالحق چہارم، رضوان الحق پنجم، منصور احمد پنجم، فضل الرحمن ششم، عبدالحی ششم، عبدالسمیع ششم نے عربی کا کورس پڑھا۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب آنحضرت مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے تھے اور انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں گاتی تھیں یہ اچھی طرح نہیں پڑھی گئی۔

آنحضرت کا بچوں کے ساتھ سلوک

اس مضمون کو میں نے لکھا و پڑھا تھا۔ میں نے پڑھنے میں ایک غلطی کی تھی (جہاں تک مجھے معلوم ہے) کہ حضرت حسنؓ کو حضرت حسینؓ پڑھا تھا۔

آنحضرت کا پہلا خطبہ

یہ مضمون عبدالعزیز ششم نے لکھا تھا اور آفتاب احمد پنجم نے پڑھا آفتاب احمد نے اس مضمون کو بہت بُری طرح پڑھا۔

شمع حرا (نظم)

یہ نظم بھی احمد ابن سالم نے پڑھی تھی۔ اس نظم کو بھی بہت پسند کیا گیا پہلے یہ نظم تھی مگر بعد میں اس کی نظم کرالی گئی تھی۔ اس کو

بچہ کی دعا (نظم) اقبال رشید نے پڑھا۔ مگر اچھی طرح نہیں پڑھا۔

صدر جلسہ کی تقریر خواجہ عبدالحیٔ صاحب صدر جلسہ تھے اس لئے ہی انہوں نے ہمارے مدرسہ کے متعلق تقریر کی میں اس پر کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا (کیونکہ تقریر عاقلانہ تھی)

حاضرین کا شکریہ و تقسیم شیرینی کا اعلان

عبدالسلام ششم نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور تقسیم شیرینی کا اعلان کیا۔
د۔ پانی وغیرہ کا بھی اچھا انتظام تھا یعنی پانی اچھی طرح پلایا گیا مٹھائی وغیرہ اچھی طرح بٹی اس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہوئی جن لوگوں کو پہلے جانا تھا وہ تو چلے گئے اور بعض تصویریں دیکھتے رہ

فیدر ٹوپ صاحب

انگلینڈ میں ایک جادوگرنی رہتی تھی۔ اس کے مکان کے باہر ایک کھیت تھا۔ اس میں بہت سی چڑیاں ہر وقت جمع رہتی تھیں اور کھیت کو خراب کردیتی تھیں یعنی جو چیز کھانے کے قابل ہوتی تھی۔ کھالیتی تھیں جادوگرنی نے سوچا کہ میں لکڑی کا ایک آدمی بنا کر کھیت میں رکھ دوں تو وہاں چڑیاں نہ آیا کریں گی۔ اس نے ایک لکڑی کو اندر سے کھوکھلا کرکے اس کے اندر تھوڑا سا بھوسا بھر دیا۔ پھر لکڑی کی ٹانگ اور ہاتھ بنا دئے اور منہ بناکر ناک کی جگہ ایک لکڑی کاٹ کر جما دی اور آنکھوں کی جگہ پر کالے رنگ کے دو بٹن لگا دئے۔ اور یہ ایک اچھا خاصا آدمی بن گیا۔ جادوگرنی نے کہا اس کو کسی دوسرے کام میں لانا چاہیئے۔ وہ بازار گئی اور ایک اچھا سا سوٹ لاکر اُسے پہنا دیا۔ اپنی سونے کی گھڑی بھی اس کی جیب میں ڈال دی۔ پھر جادو کے زور سے اس میں جان ڈالی اور کہا اے لکڑی کے آدمی چل۔ اس آدمی نے اس کے حکم کی تعمیل کی، بوڑھیا نے اپنا سگار اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اور کہا پی۔ وہ پینے لگا پھر اس نے کہا میں کھانا کھا کر آتی ہوں۔ اگر کوئی تمہارا نام پوچھے تو کہد ینا فیدر ٹوپ صاحب۔ فیدر ٹوپ صاحب کو بیٹھے بیٹھے بہت دیر ہوگئی تو انہوں نے سوچا کہ جب تک بازار کی سیر ہی کر آئیں۔ جناب نے اپنا چاندی کی چھڑی ہاتھ میں لے بازار کا رُخ کیا۔ جب آپ بازار میں پہنچے تو سب لوگ آپ کی طرف دیکھتے تھے کیونکہ آپ بہت اچھا سوٹ پہنے ہوئے تھے لیکن آپ نے کسی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور آگے چل کر میوہ فروش کی دوکان سے کچھ میوہ خریدا۔ اور اپنے سوٹ کے لئے بھی ایک کپڑا خرید لیا۔ لیکن گھر جاتے وقت اتفاقیہ اپنے گھر کا راستہ بھول گئے اور ایک جج صاحب کے مکان میں چلے گئے۔ جج صاحب انہیں دیکھکر بہت خوش ہوئے اور اپنے باغ کا نگراں مقرر کردیا۔

دس روپے کا انعامی مقابلہ

۱۲؍اگست کی پہیلی کا صحیح حل "روپیہ" ہے۔ مقررہ وقت تک جن طلبہ نے اس کے صحیح حل سے دفتر کو مطلع کیا ان کے نام درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ طلبا جنہوں نے یہ آسان پہیلی بوجھ لی ہے آج کے مقابلہ میں ضرور شریک ہوں گے۔ یہ مقابلہ اگرچہ پہیلیوں اور معموں کے مقابلہ سے ذرا مختلف ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ پڑھنے لکھنے سے دلچسپی رکھنے والے سب لوگ اس قسم کے مقابلوں کو زیادہ پسند کریں گے۔

۱۔ رضاء اللہ دہلی
۲۔ عبدالحفیظ مبارک پور، اعظم گڈھ
۳۔ لطف الرحمٰن مظفرپور
۴۔ محمد جعفر میرٹھ
۵۔ الٰہی بخش ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۶۔ عبداللطیف اعظمی لکھنؤ
۷۔ ایم اے قیوم فاروقی۔ فرخ آباد
۸۔ [illegible]ت سراج الدین احمد۔ اورنگ آباد
[illegible]س الحسن شملہ
[illegible]زادہ صلاح الدین گوہانہ ضلع رہتک
[illegible]عظم جامعہ دہلی
۱۲۔ عزیزہ بیگم دہلی
۱۳۔ کریم النساء برہان پور
۱۴۔ محمد یوسف جالنہ
سید رشید عنایت الحسن اورنگ آباد دکن
۱۶۔ زاہد حسین ناگپور
۱۷۔ بدری نرائن مالورام سیلو
۱۸۔ محمد ایوب برہامپور گنجام
۱۹۔ احمد فاطمہ شملہ
۲۰۔ سراج العارفین دہلی
۲۱۔ محمد واحد یار خاں ناندیڑ
۲۲۔ محمد الطاف حسین مرادآباد
۲۳۔ سید محمد مہدی برہمپور
۲۴۔ عنایت اللہ میرٹھ
۲۵۔ بشیشر دیال ملکھوہ
۲۶۔ محمد ایوب ملکھوہ
۲۷۔ محامد حسن میرٹھ
۲۸۔ سلمیٰ لاہور
۲۹۔ محمد کریم الدین مانوت
۳۰۔ محمد مرزا دہلی دہلی
۳۱۔ مس قمر زادہ بیگم وجیہ الحق علی گڈھ
۳۲۔ شبیر فاطمہ الہ آباد
۳۳۔ سلمہ سلیمان بنت جسٹس سر شاہ سلیمان صاحب الہ آباد
۳۴۔ محمد یٰسین ملکھوہ
۳۵۔ عبدالعزیز سیلو
۳۶۔ محمد یوسف ملکھوہ
۳۷۔ غلام قاسم ڈیرہ اسماعیل خاں
۳۸۔ سلطان الزماں زبیری مارہرہ
حمید اللہ کلکتہ
۴۰۔ سید محمد عثمان غنی پھلواری شریف
۴۱۔ ف۔ ا۔ س۔ اسلامیہ کالج پشاور
۴۲۔ مس حمیرہ قریشی علی گڈھ
۴۳۔ احمد طارق عمر گونڈہ
۴۴۔ سید ضیاء الدین بنگلور
۴۵۔ سید شریف حیدرآباد دکن
۴۶۔ خواجہ اظہر عباس علی گڈھ
۴۷۔ آفاق زمانی علیگڈھ
۴۸۔ خواجہ عبدالرشید لاہور
انور علی پشاور
۵۰۔ سید افضل علی۔ علی گڈھ
۵۱۔ رحیم احمد مری
۵۲۔ شاہنواز خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۵۳۔ محمد سمیع امداحسن جنگ الہ آباد
۵۴۔ غلام حیدر ڈیرہ اسماعیل خاں
۵۵۔ غلام قادر " "
۵۶۔ ....

قیمت سالانہ
عہ ر

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
۲ر

جلد ۱۲ | ۷ر اکتوبر ۱۹۳۲ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

دنیا کے بچے

جنگلی بچے

چندہ ماموں کہنے لگے "بہت دن ہوگئے اب گھر چلنا چاہیئے کتا بھی اپنی دم ٹانگوں کے بیچ میں دے کر تیار ہوگیا۔ بھونکا تو نہیں مگر وہاں سے کھسک کر ایک کالے بچے کو چاٹنے لگا۔ میں نے کہا جب یہاں تک آگئے تو پاس ہی جنگل ہے وہاں بھی ہوتے چلیں۔ پھر کہاں آتے پھریں گے" چندہ ماموں نے پوچھا "کیا اُڑ کر جانا پڑے گا؟" میں نے کہا نہیں۔ اڑ تو سکتے نہیں۔ جنگل اتنا گھنا ہے کہ اُڑنا تو اڑنا چلنا بھی مشکل ہے۔ مگر وہاں جائیں گے ضرور۔ ہم جنگل کے پاس تک تو اڑ کر گئے اور پھر اتر کر نیچے درختوں کے بیچ میں کو ہولئے۔ بعض بعض جگہ تو بالکل اندھیرا تھا۔ کیونکہ درختوں پر اتنے پتے تھے کہ دھوپ بھی آنے کی گنجایش نہ تھی، زمین بھی گیلی تھی۔ روز تو وہاں بارش ہوتی ہے۔ جگہ جگہ سے مٹی اور پتوں کے سڑنے کی ایسی بو آرہی تھی کہ چندہ ماموں وہاں چلتے ہوئے ٹھٹھکے۔ مگر پھر میرے ساتھ ساتھ ہولئے۔ ٹھیک دوپہر کے قریب ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ درخت کٹے ہوئے تھے۔ بیچ میں ایک جھونپڑا کھڑا تھا۔ ایک بڈھا آدمی ہمیں لینے آیا۔ ننگ دھڑنگ اتنا اونچا ہوگا جتنی کرسی کی بیٹھ۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ جو ہمیں دیکھ کر بھاگ گیا۔ چندہ ماموں پوچھنے لگے یہ کون لوگ ہیں؟"

میں نے کہا۔ "یہ بونے ہیں۔ ان کا قد اتنا ہی رہتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں بڑھتا"۔ پھر پوچھنے لگے "یہ پریاں ہیں کیا؟" میں نے کہا جی نہیں۔ پریاں کہاں سے آئیں۔ وہ تو ان آدمیوں سے بھی چھوٹی ہیں، اور ان سے کہیں زیادہ خوبصورت"۔ میں نے ایک لڑکے سے کہا کہ جنگل میں چل کر ہمیں راستہ بتا دو۔ مگر اس نے ٹکا سا جواب دیا۔ جب ایک کو میں نے اپنی ٹوپی اور لال کمبل دیا اور یہ بھی کہا کہ چندہ ماموں سواری دیں گے تو وہ جھٹ ساتھ ہولیا۔ ہم شام تک پھرے مگر کوئی بچہ دکھائی نہ دیا۔

ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں کہ ڈھول بج رہا ہے اور کچھ بڈھے بڈھے آدمی ناچ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس گھر میں لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اسی کا جشن منا رہے تھے۔ اگر کہیں لڑکی ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

تھوڑی دور پر کچھ بچے دکھائی دئے۔ کیلے کی پھلیاں کھا رہے تھے جنگل کے باہر ایک کھیت تھا اس کے رکھوالے سے مانگ کر لائے تھے۔ بونے بچے کیلے بہت کھاتے ہیں۔ جنگل میں کچھ اور تو کھانے کو ملتا نہیں گوشت ہی گوشت ہوتا ہے۔ روٹی اور چاول کہاں۔ کبھی پھل کھائے یا دلیہ۔ جب جی چاہا جنگل کے باہر گئے اور گوشت کا ٹکڑا دے کر کیلے کی پھلیاں یا کوئی اور کھانے کی چیز بدل لائے۔

چندہ ماموں نے ایک لڑکے سے کہا "میرے ساتھ چاند میں چلوگے؟" سب کے سب بول اُٹھے "دو پھلیاں دو تو چلیں" بونے بچوں کو اپنے ماں باپ سے محبت نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کے ماں باپ ہی کو ان سے ایسی زیادہ محبت ہوتی ہے۔ نہ انہیں گھر کی پرواہ نہ آدمیوں کی۔ بس شکار ہو یا کھانا۔ اور کچھ نہیں۔ آپس میں بھی تو مل جل کر نہیں رہتے۔ وہ اِسے ستاتا ہے یہ اُسے۔ انھوں نے چندہ ماموں کے کتے ہی کے تیر مارنا شروع کر دئے۔ وہ تو خیر ہوگئی۔ بیچارہ بھاگ کر ایک جھونپڑے میں چھپ گیا ورنہ مار ہی ڈالتے۔

چندہ ماموں بولے: "مجھے یہ بچے اچھے نہیں لگتے۔ میں ان میں سے کسی کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا۔ یہ شاید میرے کتے ہی کو مار ڈالیں یا چاند کی روشنی بجھا دیں۔ مگر ہاں۔ جانے سے پہلے ان سے ایک کہانی تو سن لیں۔ میں نے اتنی پرستان کی کہانیاں سنی ہیں کہ اب اچھی معلوم ہونے لگیں۔ میں نے کہا: "یہ کہانیاں نہیں کہتے نہ انہیں یہ خبر کہ اب تک دنیا میں کیا ہوا اور نہ یہ کہ آگے کیا ہوگا۔ نہ ان کا کوئی خدا اور نہ کوئی مذہب۔ بالکل جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں"۔ چندہ ماموں بولے: "تو پھر اب یہاں سے چلنا چاہیئے" میں نے کہا "اب تو بہت بچے دیکھ لئے۔ مجھے بھی گھر سب لوگ یاد کرتے ہوں گے۔ اب خادم کو گھر پہنچا دیجئے"۔

یہ بات میں نے ابھی ختم بھی نہیں کی تھی ۔ کہ اپنے باغ میں جہاں حنیدہ ماموں پہلے پہل ملے تھے ۔ پہنچ گیا۔ حنیدہ ماموں ضعیف تو تھے ہی ۔ دل کمزور تھا رونے لگے ۔ اور کہا " اچھا لو اب رخصت ہوتے ہیں۔ پھر کسی دن آکر تمہارے ساتھ دوسرے ملکوں کے بچے دیکھنے چلیں گے۔

یہ کہہ کر حنیدہ ماموں چلے گئے ۔ مگر مجھے ان سے چھٹنے کا بہت افسوس ہوا ۔ ساتھ رہتے رہتے میں ان سے بہت ہل گیا تھا ۔ تھے تو وہ ذرا بے وقوف ۔ مگر اس میں ان کا بھی کیا قصور جس ملک میں بچے نہ ہوں اور وہاں کسی کو ساری عمر رہنا پڑے پھر وہ احمق نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

اورنگ زیب عالمگیر

محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ شاہجہاں اور ممتاز محل کا چھوٹا لڑکا تھا ۔ شاہجہاں کو ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کا بڑا شوق تھا ایک مرتبہ آگرہ میں قلعہ کے نیچے جمنا کے کنارے ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشہ ہو رہا تھا ۔ بادشاہ اور سب شہزادے اور عام لوگ لڑائی دیکھ رہے تھے ۔ اورنگ زیب جس کی عمر پورے پندرہ سال بھی نہ تھی تماشہ کے شوق میں ہاتھیوں سے اور قریب ہو گیا ۔ مست ہاتھی لڑتے لڑتے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ان میں سے ایک ہاتھی بڑا مست ہو گیا تھا ۔ اس ہاتھی نے دوسرے ہاتھی کو نہ دیکھا تو اور بگڑا اور شہزادہ اورنگ زیب کی طرف جھپٹا ۔ اورنگ زیب یہ دیکھ کر اپنی جگہ پر جم رہا اور گھوڑے کو بھاگنے سے روکتا رہا یہاں تک کہ جب ہاتھی بالکل قریب آگیا تو اس نے اپنا نیزہ ہاتھی کے سر پر مارا یہ دیکھ کر سب لوگ پریشان ہو گئے اور ادھر اُدھر بھاگنے لگے ۔ سردار اور نوکر چلاتے ہوئے دوڑے ۔ ہاتھی کو ڈرانے کے لئے آتشبازی چھوڑی گئی لیکن کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ ہاتھی نے اورنگ زیب کے گھوڑے کو اپنی مستک سے زمین پر گرا دیا ۔ شہزادہ گرتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنی تلوار سے ہاتھی پر وار کیا ۔ اتنے ہی میں اُس کا بھائی شہزادہ شجاع گھوڑا دوڑاتا ہوا ہاتھی کے پاس جا پہنچا اور اپنے نیزہ سے ہاتھی کو زخمی کر دیا لیکن اس کا گھوڑا چمکا اور شہزادہ شجاع زمین پر آرہا اتنے ہی میں دوسرا ہاتھی اس ہاتھی کی طرف دوبارہ لڑنے کے لئے بڑھا ۔ زخمی ہاتھی اُسے دیکھ کر گھبرایا اور میدان چھوڑ کر بھاگا دوسرا ہاتھی بھی اُس کے پیچھے ہولیا ۔

شاہجہاں نے فوراً اورنگ زیب کو سینہ سے لگا لیا اور اُس کی بہادری کی تعریف کی ' بہادر ' کا خطاب دیا اور بہت انعام بخشا ۔

اورنگ زیب کی عمر ۱۶ برس کی بھی نہ تھی کہ اُس کو فوجی عہدہ مل گیا اور ایک بڑی فوج کا سردار بنا کر بھیجدیا گیا ۔ کچھ دنوں بعد اورنگ زیب کو بلخ فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا ۔ اس لڑائی میں اُس کو بڑی بڑی تکلیفیں ہوئیں ۔ دس روز تک برابر فوج کوچ کرتی رہی ۔ دن اور رات کسی وقت آرام نہ کرتی تھی ، یہاں تک کہ کھانا پکانے اور کھانے کی بھی مہلت نہ تھی ۔ چلتے چلتے ہاتھیوں کی پیٹھ پر کھانا پکایا جاتا تھا ۔ غلہ اور پانی دونوں چیزیں فوج میں بہت کم باقی رہ گئیں تھیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اورنگ زیب نے کبھی ہمت نہ ہاری اور سب باتوں کی دیکھ بھال کرتا رہا ۔ اسی حال میں جب لڑائی ہوئی اور بہت زور کا مقابلہ ہوا تو نماز کا وقت آگیا ۔ اورنگ زیب نے میدان ہی میں جانماز بچھا دی اور بغیر خوف بہت اطمینان سے نماز پڑھنا شروع کر دی ۔ چاروں طرف تیر و تلوار برستے رہے لیکن یہ اپنی نماز ادا کرتا رہا ۔ نماز میں اس کے پاس نہ کوئی ستار تھا اور نہ کوئی ڈھال ۔ بخاری فوج (دشمن) یہ تماشہ دیکھ رہی تھی کہ اُس کے سردار نے لڑائی روک کر کہا " ایسے شخص سے لڑنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے ۔

اورنگ زیب بڑا عالم پرہیزگار اور پکا مسلمان تھا ۔ تخت نشینی کے بعد قرآن شریف حفظ کیا تھا ۔ ایسا بڑا بادشاہ پیارو پیہ واپس لیتا ہوں " ایک پیسہ خزانہ سے اپنے خرچ کے لئے نہ میں نے آپ سے کہا کرتا یا ٹوپیاں سیتا اور اُن کی اُجرت سے " +
شریعت کے مطابق کرتا تھا اور کبھی اُدھر اپنے فیصلے میں کلیم کو بری کر دیا

کرنے میں کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ بڑا رحم دل اور نرم مزاج تھا۔ اُس کی نرمی ضرورت سے زیادہ تھی اور اسی لئے سلطنت کے کام میں بھی کبھی کبھی خرابی ہو جاتی تھی۔

اب تک سلطنت مغلیہ میں دکن کا ملک شامل نہ ہوا تھا اُس نے اپنی عمر کے آخری پچیس برس دکن فتح کرنے میں صرف کر دیے اور آخر وقت تک لڑائی کے میدان میں بہادری سے لڑتا رہا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت بہت بڑھ گئی تھی اور بہت سے نئے صوبے شامل ہو گئے تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صرف پندرہ صوبے تھے لیکن اورنگ زیب کی حکومت میں ان کی تعداد اکیس ہو گئی تھی۔

اورنگ زیب نے کسی خاص قوم یا فرقہ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ بڑے بڑے عہدے ہندو اور مسلمان دونوں کو دیے جاتے تھے۔ صوبہ دار اور سپہ سالار اور دوسرے افسر ہندو ہوتے تھے ہندوؤں تک کو جاگیریں دی جاتی تھیں۔ مدرسہ اور پاٹ شالے قائم تھے اور اُن کو سرکار کی طرف سے روپیہ ملتا تھا۔ ہندو اور مسلمان میں جو آج فرق ہے وہ اُس زمانہ میں نظر نہ آتا تھا۔

خاندان مغلیہ بلکہ شاہان دہلی میں اُس سے زیادہ کوئی دیندار خدا پرست اور عادل بادشاہ نہیں ہوا۔ ہمت اور بہادری مصیبت جھیلنے کی قوت اور صحیح فیصلہ کرنے کی عادت بھی اُس سے زیادہ کسی کو نہ تھی اُس کی بڑی کمزوری صرف یہ تھی کہ وہ سزا دینا نہ جانتا تھا اور بیحد نرمی سے کام لیتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ بغیر سزا دئے حکومت کے کام اچھی طرح نہیں چل سکتے۔ اور یہ اسی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اُس کی محنت کا یہ حال تھا کہ نوے برس کی عمر میں بھی جوانوں کی طرح کام کرتا تھا۔ رات بھر جاگتا اور عبادت میں مصروف رہتا۔ دنیا کی تمام نعمتیں اور آرام چھوڑ دیے تھے۔

آخر وقت تک وہ اپنے معمول پورے کرتا۔ بیماری اور کمزوری [illegible] جو معمول تھے وہ پورے ہوتے۔

[illegible] جمعہ کے روز احمد نگر میں اس دیندار اور [illegible] اس کا جنازہ خلد آباد گیا جہاں دوسرے [illegible] اپنے دفن وغیرہ کے لئے اس نے

وصیت نامہ چھوڑا جس میں تاکید تھی کہ اُس کو بہت سادگی اور مذہب کے مطابق دفن کیا جائے۔ چار روپیہ دو آنہ جو انہوں نے ٹوپیاں تیار کرکے حاصل کئے تھے اُس کے کفن کے لئے تھے۔ تین سو پانچ روپیہ جو قرآن شریف نقل کرکے کمائے تھے نادار درویشوں کو دئے گئے۔ کفن کھدر کا دیا گیا۔ اس کی قبر کچی مٹی کی بنائی گئی اور اس پر کوئی گنبد یا عمارت نہیں بنی۔ یہ عظیم الشان بادشاہ جس کے لئے ایک دوسرا تاج محل بنوانا بھی دشوار نہ تھا اس طرح مٹی کے ڈھیر کے نیچے آرام کر رہا ہے۔

وزیرزادہ

ایک بادشاہ شہر کی سیر کرتا ہوا اپنے وزیر کی بیٹھک کے سامنے سے گذرا۔ وزیر بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاق سے جس وقت بادشاہ وہاں پونہچا، اسی وقت وزیر کا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی کھیلتا ہوا بیٹھک میں اپنے باپ کے پاس آگیا۔

یہ لڑکا خوب صورت بھی تھا اور صاف ستھرا بھی۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر وزیر کی بیٹھک میں آگیا اور وزیر کے لڑکے کو گود میں بٹھا کر پوچھنے لگا "میاں لڑکے تم نے ہمارا گھر دیکھا ہے؟"

لڑکے نے جواب دیا "جہان پناہ، کئی مرتبہ!"

بادشاہ نے کہا "اچھا بتاؤ ہمارا گھر اچھا ہے یا تمھارا!"

لڑکے نے جواب دیا "جب تک آپ کے قدم میرے گھر میں ہیں، میرا گھر آپ کے گھر سے اچھا ہے، اور جب آپ اپنے دولت خانہ میں ہوں گے اس وقت آپ کا گھر میرے گھر سے اچھا ہوگا۔"

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور لڑکے کو بہت سا انعام دیا۔



انصاف

اشخاص ڈراما

شائی لاک . . . . ایک ظالم یہودی تاجر
آمنہ بیگم . . . . . . ایک مال دار شادی شدہ عورت
سلیم . . . . آمنہ کا شوہر
فاطمہ بیگم . . . . . . آمنہ کی چھوٹی مگر عقل مند بہن
کلیم . . . . سلیم کا حقیقی دوست

وقت ۷ بجے شام

(آمنہ اور سلیم باتیں کر رہے ہیں)

سلیم :- کلیم ہیں تجھے اس ظالم شائی لاک سے ضرور بچاؤں گا" +

آمنہ :- آخر ہوا کیا؟ جو تم اتنے پریشان اور رنجیدہ خاطر ہو" +

سلیم - آہ کیا کہوں - میرے عزیز دوست کلیم کو کچھ عرصہ ہوا روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ اُس نے شائی لاک سے قرض لیا۔ لیکن شائی لاک نے کلیم سے لکھا لیا کہ اگر وقت مقررہ پر روپیہ نہ ملے تو میں تمھارے جسم سے ایک پونڈ گوشت کاٹ لوں گا۔ کلیم وقت پر روپیہ ادا نہ کرسکا۔ چنانچہ اس کا مقدمہ کل عدالت میں پیش ہوگا +

آمنہ - خیر، کچھ پرواہ نہیں۔ تم کل صبح ہی کلیم سے ملنا اور اس کو تسلی و تشفی دیتے رہنا +

(سلیم چلا جاتا ہے اور فاطمہ داخل ہوتی ہے)

آمنہ - دیکھو فاطمہ تم کل صبح بیرسٹر صاحب کے وہاں سے بیرسٹری

+

قام کلیم کا بنگلہ۔ (کلیم اور سلیم باتیں کر رہے ہیں)

میں حتی الوسع کوشش کروں گا اور تجھ کو اُس

ا لُں گا" +

کلیم :- اب کیا ہوتا ہے۔ وقت گذر چکا ہے۔ آؤ ہم تم ایک دوسرے سے مل لیں" +

(دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ اور عدالت میں پہونچتے ہیں۔ وہاں شائی لاک، فاطمہ اور آمنہ بیرسٹر کے لباس میں موجود ہیں)

ناصر جنگ :- مقدمہ شروع کیا جائے" +

بیرسٹر :- میں شائی لاک سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنا روپیہ واپس لے کر کلیم کو رہا کردیں" +

شائی لاک :- نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا" +

بیرسٹر :- میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اس سے دُگنا روپیہ لے کر رہا کر دیں" +

شائی لاک" میں رہا نہیں کرسکتا۔ ایک مرتبہ میں نے کہدیا" +

بیرسٹر :- تو کیا آپ گوشت کاٹنے کے لئے تیار ہیں؟" +

شائی لاک :- (اپنا خنجر نکالتے ہوئے) بالکل تیار" +

بیرسٹر :- اچھا تو آپ ڈاکٹر صاحب کو بلالیں" +

شائی لاک :- ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں" +

بیرسٹر :- (کلیم سے) کلیم تیار ہو جاؤ" +

(کلیم سلیم سے گلے ملتے ہوئے خدا حافظ کہتا ہے)

(شائی لاک خنجر اٹھاتا ہے اور گوشت کاٹنے کا قصد کرتا ہے)

بیرسٹر :- شائی لاک، دیکھئے آپ اس بات سے ہوشیار رہیں کہ خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے اور ایک پونڈ سے زیادہ گوشت بھی نہ کٹنے پائے ورنہ از روئے قانون آپ کی نصف جائداد ضبط کرلی جائے گی" +

شائی لاک :- (گھبرا کر) کیا یہ بھی کوئی قانون ہے"؟ +

بیرسٹر :- جی ہاں" +

شائی لاک :- اچھا تو میں کلیم کو رہا کرتا ہوں اور اپنا روپیہ واپس لیتا ہوں"

بیرسٹر :- اب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جب میں نے آپ سے کہا تو آپ نے اس بات کو نامنظور کیا تھا" +

اس پر جج نے مقدمہ ختم کر دیا اور اپنے فیصلے میں کلیم کو بری کردیا

اور اس کے ذمہ جو کچھ قرض تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ شائی لاک منہ دیکھتا رہ گیا +

(کلیم اور سلیم کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑتے ہیں اور دونوں جا کر بیرسٹر کا شکریہ ادا کرتے ہیں)

آمنہ:- آپ مجھے اتنا شرمندہ نہ کریں (اور یہ کہکر آمنہ اور فاطمہ اپنے زنانہ لباس میں آ جاتے ہیں اور چاروں خوش خوش گھر کا راستہ لیتے ہیں +

طوطا

ایک پرندہ ہے جس کا قد کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی زبان نہایت نرم مگر چوڑی ہوتی ہے۔ ہر قسم کی آواز نقل کرنے میں اس کو بڑی مشق ہوتی ہے۔ چنانچہ پالتو طوطا جب خوب مانوس ہو جاتا ہے تو ہم جو سکھاتے پڑھاتے ہیں فوراً یاد کر لیتا ہے اور تمام دن اسکی مشق کیا کرتا ہے +

طوطے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ کوئی سرخ ہوتا ہے کوئی سبز اور کوئی سفید۔ یہ اکثر گرم ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان افریقہ اور جنوبی امریکہ کے باغات۔ وہ مقامات جہاں بہت سے سرسبز درخت ہوتے ہیں، طوطے کو بہت پسند ہیں۔ چنانچہ جھنڈ کے جھنڈ درختوں کی شاخوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ساتھ اتنا شور مچاتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ میووں اور پھلوں پر زندگی گذارتے ہیں۔ خصوصاً چلغوزہ وغیرہ نہایت رغبت سے کھاتے ہیں + طوطے کی چونچ نہایت مضبوط اور تیز ہوتی ہے۔ اس کی چونچ کا بالائی حصہ نیچے والے حصے سے بڑا ہوتا ہے۔ اور کسی قدر نیچے کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے وہ پھلوں کے گودے نہایت آسانی سے نکال لیتے ہیں + طوطے کو نہانا بہت پسند ہے۔ چنانچہ جنگلوں جنگلوں پانی کی تلاش میں نکل جاتے ہیں اور جب کوئی جھیل یا ندی صاف شفاف پانی کی مل جاتی ہے۔ تو گھنٹوں اس میں نہایا کرتے ہیں۔ پھر باہر نکل کر دھوپ میں اپنے اپنے پر پھیلا کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ پانی خشک ہو جائے + دوپہر کے وقت طوطے کو سخت گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کسی سایہ دار جگہ میں پناہ لیتا ہے۔ جہاں کچھ دیر اونگھتا رہتا ہے۔ شام کے قریب قیلولہ[1] ختم کر کے غذا کی تلاش میں نکلتا ہے۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد درختوں میں بسیرا لیتا ہے۔ اور صبح تک آرام سے سوتا رہتا ہے۔ لیکن جو طوطا سب کے آخر میں آتا ہے۔ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بے چارہ رات بھر اپنی چونچ اور پنجوں کے ذریعے کسی ٹہنی میں لٹکا رہتا ہے +

کسی شخص نے ایک طوطا پالا تھا جس کا پنجرہ وہ اپنے مکان کی کھڑکی میں لٹکا دیا کرتا تھا۔ قریب میں ایک تھانہ تھا جہاں سپاہی باضابطہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے۔ اور جس وقت تھانے دار صاحب شہر کی حفاظت کا حکم دیتے تو تمام سپاہی پریڈ (قواعد) کرتے ہوئے اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے۔ طوطا اپنے پنجرے میں تھانیدار صاحب کے احکام و فرمان کو سنتا اور دیکھتا رہتا۔ ایک روز اتفاق سے تھانے دار صاحب کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے اور سپاہی اپنے فرائض سے بے خبر کھیل کود میں مشغول تھے۔ کوئی شطرنج کھیل رہا تھا۔ کوئی تاش میں منہمک تھا۔ اور کوئی پڑھنے لکھنے میں محو تھا کہ یکایک ایک آواز آئی "اپنے اپنے ہتھیار لو۔ نکلو۔ نکلو۔ جلدی کرو" سپاہیوں نے خیال کیا کہ شاید ان کا افسر حکم دے رہا ہے۔ چنانچہ ہر ایک جلدی جلدی باضابطہ حسب عادت باہر نکلا۔ لیکن وہاں حقیقت میں افسر موجود نہ تھا۔ یہ لوگ پریشان تھے کہ کس نے یہ حکم دیا ہے۔ پھر ایک مرتبہ حکم ہوا "نکلو۔ جلدی کرو" تب سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ یہ افسر کا حکم نہیں۔ بلکہ اس طوطے کی کارروائی ہے جو سامنے کھڑکی میں لٹکا ہوا ہے۔ ہر ایک سپاہی طوطے کی اس زندہ دلی پر داد دیتا اور ہنستا ہوا اپنی اپنی جگہ واپس ہو گیا۔ لوگوں کو آپس

[1] دوپہر کے وقت آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں +

میں گفتگو کرتا دیکھکر یہ طوطا بھی بہت زور سے قہقہہ لگاتا اور پھر خود ہی کہتا کہ خدا کے لئے مجھ کو نہ ہنساؤ ورنہ میں مرجاؤں گا۔ اگر کوئی اس طوطے سے دریافت کرتا کہ کیا حال ہے تو رونا شروع کر دیتا۔ کچھ دیر کے بعد جواب دیتا کہ "سخت زکام ہوگیا ہے"۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر کہتا "الحمد للہ! اب میں بالکل اچھا ہوں"۔ اگر کسی کو چھینک آتی یا کھانسی اٹھتی تو کہتا "اف کس قدر کھانسی اور زکام ہے"۔ ایک مرتبہ چند لڑکے اس طوطے کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے کہ فوراً ہی شور مچاکر کہنے لگا "نہیں نہیں میں نے کچھ نہیں کہا ہے"۔ عجیب و غریب بات یہ تھی کہ یہ طوطا نہ صرف انسانی آواز کی نقل کرتا تھا۔ بلکہ جانوروں کی نقل اتارنے میں بھی اس کو کافی ملکہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بلّی کی طرح "میاؤں میاؤں" کرنے لگا۔ غریب چوہے جو اطمینان سے مکان میں ادھر ادھر پھر رہے تھے اس کی آواز سے خوف زدہ ہوکر اپنے اپنے بلوں میں جا چھپے ●

سمندری شہزادی

بہت زمانہ گذرا سلوری شہر میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ بہت بوڑھا ہوگیا تھا لیکن اس کے کوئی بیٹا نہ ہوتا تھا۔ آخر کار فقیروں کی دعائیں بے اثر ثابت نہ ہوئیں۔ یعنی بادشاہ کو خدا نے ایک بیٹا دیا۔ اب اس کی خوشی کا کیا ٹھکانا؟ اس نے حکم دے دیا تھا کہ شہزادہ جو چیز طلب کرے فوراً حاضر کی جائے۔ اس طرح اس کی تمام خواہشات بلا روک ٹوک پوری کی جاتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہزادہ بہت ہی بدمزاج اور خود غرض بن گیا۔ بہت سے نوکر ہر وقت اس کی خدمت میں موجود رہتے اور جس چیز کے لئے شہزادہ حکم دیتا وہ کسی نہ کسی طرح فراہم کی جاتی خواہ وہ کسی کی جائداد ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی بعض اوقات بحق بادشاہ ضبط کرلی جاتی تھی ●

اس طرح حکومت کے تمام حکم اور قوانین (قانون کی جمع) محض شہزادہ کی خواہش کے لئے توڑے جاتے اور اب ہر شخص یہ سمجھنے لگا کہ اسے دنیا میں کوئی چیز اپنی ذاتی نہ سمجھنی چاہیے۔ جب بادشاہ کا چہیتا لڑکا اپنی پالکی میں سوار ہوکر سلوری شہر میں نکلتا تو تاجر اپنے ہیرے جواہرات، فقیر اپنی بھیک اور بچے اپنے کھلونے چھپا لیتے۔ جو لوگ شہزادہ کے پاس رہتے انھیں ہر وقت اس بات کا اندیشہ رہتا کہ اگر کسی دن شہزادہ نے انھیں ہوا میں اڑنے کا حکم دیدیا تو ان کی جان کی خیر نہ ہوگی!

ایک دفعہ سلوری شہر میں کچھ بازیگر آئے۔ نوجوان شہزادہ نے انھیں دیکھ کر حکم دیا کہ شاہی محل میں اپنے کرتب دکھائیں۔ انھوں نے اس فرمائش کو بڑی خوشی سے منظور کرلیا کیونکہ انھیں بادشاہ سے بہت سا انعام و اکرام پانے کی امید تھی۔ ان بازیگروں میں ایک لڑکا عجیب عجیب کرتب دکھاتا تھا۔ اس کا ایک کرتب خاص طور پر شہزادہ کو پسند آگیا۔ ایک چھوٹی سی تیز تلوار ہوا میں اچھالی جاتی اور وہ لڑکا بڑی پھرتی سے گرنے والی تلوار کے گرد حلقہ کرلیتا تھا۔ لیکن اگر اس میں ذرا سی بھی غلطی ہوجاتی تو اس کی موت یقینی تھی

اس نے اس خطرناک تماشہ کو دو مرتبہ کیا۔ ہر مرتبہ شہزادہ نے اس کی بے حد تعریف کی اور کہا "اسے دوبارہ کرو"

لیکن لڑکے نے پس و پیش کی اور عرض کیا،

"حضور! مجھے اپنی طاقت سے زیادہ کام نہ کرنا چاہیے ورنہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ یہ کھیل کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر ذرا بھی فاصلہ کے اندازہ لگانے میں غلطی ہوجائے یا اتنی قوت نہ رہے کہ کافی اونچائی تک جست کرسکوں تو میرے ہاتھ پیروں کا کٹ جانا یقینی ہے۔ البتہ کل شاہی فرمان کے بجالانے کو میں اپنا عین فخر سمجھوں گا"

شہزادہ نے کہا "نہیں، اس کرتب کو جیسا کہ میں نے تمھیں حکم دیا ہے دوبارہ دکھلاؤ"

لڑکے نے عرض کی "افسوس، میں اس کے دوبارہ کرنے سے قطعی معذور ہوں۔ اگر سرکار مجھے حکم دیں تو میں دریا میں کود کر تیراکی کے کمال دکھاؤں"

شہزادہ کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات سننے کی تاب کہاں

تھی؟ اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس گستاخ لڑکے کو
قتل کر دیا جائے۔ نوکر اس لڑکے کو کشاں کشاں لے جا رہے تھے۔
اسی اثنا میں ایک بوڑھے آدمی نے جس کے پھٹے کپڑے، بڑے
بڑے بال، لمبی داڑھی اور ناک کان چھدے ہوئے تھے، آگے
بڑھ کر کہا "حضور کا تخت و تاج ہمیشہ سلامت رہے! میرے لڑکے
کی جان بخشی کیجئے" لڑکے نے اس شخص کی طرف غضب آلود نگاہوں
سے دیکھا اور اس درخواست پر کوئی توجہ نہ کی تب وہ اپنے لڑکے کی
جان بچانے کے لئے بادشاہ کے پاس گیا۔

بادشاہ نے کہا "یہ میری حکومت کا ایک قانون ہے کہ ہر شخص
کو شہزادہ کے حکم بلا پس و پیش قبول کرلینے چاہئیں"۔

"ان کا ہمیں علم نہ تھا۔ اور اگر ہم اس عجیب قانون کو جانتے تو
کبھی بھی سلوری شہر میں داخل ہونے کی جرات نہ کرتے۔ اے طاقتور
بادشاہ! ایک غریب الوطن کی التجا بھی سن لیجئے! اسے سزا نہ دیجئے
جو لاعلمی میں جرم کرتا ہے، بلکہ اسے جو جان بوجھکر نافرمانی کرکے قانون
توڑتا ہے۔ جس طرح اس جہازی نے کیا۔ جو سمندری شہزادی کا شوہر
بن گیا تھا"

بادشاہ کو عجیب عجیب قصے اور کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا
اور اس نے اس جہازی کے متعلق کوئی کہانی بھی نہ سنی تھی، جس نے
سمندری شہزادی سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے اس نے کہا،

"اگر تم مجھے جہازی کی کہانی سناؤ گے تو میں شاہزادہ سے
سفارش کرکے تمھارے لڑکے کی جان بخشی کرادوں گا۔ اور اگر یہ قصہ
مجھے پسند آگیا تو جو تم مانگوگے میں دونگا۔ خواہ وہ میرا نصف خزانہ
ہی کیوں نہ ہو!"

اس کے بعد بادشاہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ لڑکے کو اس وقت
تک قتل نہ کریں جب تک اس کا باپ کہانی ختم نہ کرلے +

بوڑھے بازی گر نے اس طرح اپنی کہانی سنانی شروع کی:۔

"اے سلوری شہر کے طاقتور بادشاہ! خدا آپ کو عقل و دولت
دے اور صداقت و انصاف پر قائم رکھے! کسی شہر میں ایک جہازی
رہتا تھا۔ جس نے ساتوں سمندروں کو پار کیا تھا اور پانی کی تہ کے حالات
سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایک دفعہ اس کا جہاز ایک زبردست
طوفان میں گھر گیا۔ اس ناگہانی مصیبت میں جہاز کے بقیہ مسافر تو سمندر
میں ڈوب کر اپنی جانیں گنوا چکے۔ لیکن خوش قسمتی کہیئے یا بدقسمتی کہ یہ تنہا
بچ گیا۔ اور ایک چھوٹے جزیرہ میں پہونچا جہاں سبزہ، جھاڑیوں
اور درختوں کی بڑی کثرت تھی۔ اس جزیرہ کے بیچ میں ایک اونچا
خوب صورت درخت تھا اور اس کے نیچے ایک گہرا کنواں۔ جہازی
کو نہ معلوم کتنے روز کا فاقہ ہوگا، وہ بھوک اور تھکن سے نڈھال،
پھلوں کی تلاش کرنے لگا لیکن باوجود اس کے کہ تمام پیڑ ہرے بھرے
اور تروتازہ تھے، پھل نہ ملنا تھا، نہ ملا۔ آخر جب انتہائی مایوسی ہوگئی
تو اس نے اس بڑے اور خوب صورت درخت کے قریب جاکر کہا
"کیا تو مجھے کچھ پھل دیگا کہ میں اپنی بھوک رفع کرسکوں؟"

جیسے ہی یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے، اسے ایک عجیب و
حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ فوراً ہی درخت کی ایک شاخ پر قسم قسم
کے پکے اور عمدہ پھل آگئے۔ جنھیں اس نے خوب سیر ہوکر کھایا
پھر اس نے کہا "دل چاہتا ہے کہ انگور بھی ہوتے" اسی طرح وہ انگور
بھی توڑ کر کھانے لگا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ اس نے ان سے بہتر
شیریں اور مزے دار انگور عمر بھر نہ کھائے تھے۔ اب اسے یقین ہو
گیا کہ یہ کسی دیوتا کا درخت ہے جو اسے خوش قسمتی سے اتفاقاً معلوم
ہوگیا ہے۔ جہازی اب بہت ہی خوش تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ
عرصہ تک وہاں رہے تاکہ اس عجیب درخت کے ہر قسم کے پھل کھانے
کو ملیں +

اب جہازی اس گہرے کنویں کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا پانی
اتنا ٹھنڈا اور صاف و شفاف تھا کہ وہ بے اختیار پینے کے لئے
جھکا۔ اس نے خوب سیر ہوکر پیا اور یہ محسوس کیا کہ وہ جسم اور روح
دونوں کو تازگی بخشتا تھا۔ دفعتہً اسے ایک بے حد حسین چہرہ دکھائی
دیا۔ جتنا وہ اس کنویں میں جھانکتا اسی قدر زیادہ اسے سمندر کی
پوری سلطنت نظر آتی۔ اس کے بعد ایک خوب صورت سمندری
پری نے اپنی نیلگوں نگاہوں سے اس کو دیکھا اور فوراً وہ اس
کے پیچھے ہولیا۔ وہ کنویں کے اندر ہی اندر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جزیرہ

کے نیچے سمندر کی سطح پر پہونچ گیا ۔ اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ پھلوں کا وہ عجیب درخت جس سو منہ مانگے پھل ملتے تھے گہرے نیلے پانی کی تہ میں اگا ہوا تھا۔ اور اس کی جڑ سمندر کی سنہری زمین کی تہ میں تھی۔ جہاں بجائے پتھروں کے ہیرے اور جواہرات نظر آتے تھے +

جب وہ سونے کے محل میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ سمندری شہزادی اپنے جگمگاتے سنہرے تخت پر بیٹھی ہے۔ اس کے ارد گرد اتنے روشن اور چمکدار جواہرات لگے تھے کہ تاروں بھری رات کا گماں ہوتا تھا! شہزادی کی ہمجولیاں بہت خوب صورت تھیں تو پھر شہزادی کا کیا کہنا؟ وہ سمندری دنیا کی حسین ترین پری تھی۔ جب شہزادی کو جہازی کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے دربار میں بلایا اور پوچھا۔

”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“

جہازی نے کہا ”مجھے سفر میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاز ڈوب جانے کی وجہ سے میرے تمام ساتھی مر گئے۔ قسمت تھی کہ میں تنہا بچ گیا۔ میں نے طوفانی موجوں میں تیر کے اور اس عجیب جزیرے میں پہونچ کر پناہ لی۔ مجھے جزیرہ کے درخت نے میری خواہش کے مطابق پھل دیئے اور اسی طرح اس کنویں کا پانی بھی بہت فرحت بخش تھا اور میں پانی پی چکا ہی تھا کہ مجھے ایک چہرہ نظر آیا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کشش تھی یا طلسماتی اثر، جس نے مجھے اس کے پیچھے یہاں تک پہونچا دیا۔“ +

سمندری شہزادی نے مسکرا کر کہا کہ ”چہرہ جو تم نے دیکھا وہ میرا تھا۔ مجھ ہی میں یہ طاقت ہے کہ جو میرے قریب آتا ہے میں اسے کھینچ لیتی ہوں۔ تم سمجھ لو کہ میں ہی سمندری شہزادی ہوں اور میرا باپ تمام پرستان پر حکومت کرتا ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی میں تمھیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ جو انسان سب سے پہلے یہاں آئے گا وہی میرا شوہر ہوگا +

اس طرح جہازی کی سمندری شہزادی سے شادی ہوگئی اور اسے بھی ایک تخت مل گیا۔ اور وہ بڑی شان و شوکت سے پریوں کے بادشاہ کے محل میں رہنے لگا۔ بہت زمانہ اس طرح گذر گیا اور جہازی اپنی زندگی پر بہت مسرور و مطمئن تھا۔ وہ اب تمام فکروں سے آزاد تھا اور خوب عیش و آرام سے گذر رہی تھی۔ اس نے پرستان کے عجائبات کی خوب سیر کی اور وہاں سے بہت سے ہیرے اور جواہرات جمع کر لئے۔ اب وہ کہا کرتا کہ میرے پاس دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ دولت ہے۔ اور میں وہ شہزادہ ہوں جس کی طاقت اور عظمت بے اندازہ ہے +

ایک مرتبہ شہزادی نے اس سے کہا ”میرے پیارے شوہر! تم ان تمام چیزوں کے مالک و مختار ہو، جو چاہو کرو لیکن تمھیں ایک کام کی سخت ممانعت ہے۔ یہاں نیچے اسپارا کا ایک خوب صورت مجسمہ ہے، اسے تم ہرگز نہ چھونا۔ میرے یہ الفاظ کبھی نہ بھولنا اور نہ مجھ سے یہ پوچھنا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ +

چونکہ اور بہت سی دل چسپی کی چیزیں سامنے تھیں اس لئے شروع شروع میں یہ ممانعت کچھ گراں نہ معلوم ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اوس کی آنکھیں مجسمہ کی طرف اٹھتیں تو اس کے دل میں بے قراری سی پیدا ہو جاتی اور سوچنے لگتا کہ آخر اس ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اب اس کی یہ عادت ہوگئی کہ وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے دیکھا کرتا +

ایک روز شہزادی نے کہا ”تمھیں اسپارا کا سونے کا مجسمہ بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے، میں کل تمھیں ایک اور محل میں لے جاؤں گی۔ جس کی تمام چیزیں ایسی عجیب ہیں کہ تم حیران رہ جاؤ گے“

اگرچہ ان باتوں سے اس کی دل چسپی اور زیادہ بڑھ گئی تھی لیکن پھر بھی اسے بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ اس مجسمہ کو چھونے سے کیا ہو جائے گا؟ آخر کار اس نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے داھنے پیر پر رکھ دیا۔ فوراً ہی اس کے پیر نے، جس میں کنول کی نزاکت اور خوب صورتی تھی، دفعتاً تیزی سے بڑھ کر اس کا سیدھا ہاتھ پکڑ کر اونچا اوٹھا دیا۔ فوراً ہی کسی طلسماتی قوت سے وہ اوپر اٹھا دیا گیا اور چند لمحے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ وہ سمندر کی سطح میں پڑا نظر آتا تھا۔ جوں ہی وہ اٹھا اس کی نگاہوں کے سامنے سے سنہرے

عالیشان محلات کا سماں غائب تھا۔ اور تاریکی مسلط۔ اس کی تمام طاقت جواب دے چکی تھی اور اس نے چلنے کی کوشش کی لیکن کمزوری کی وجہ سے بیہوش ہوگیا ✦

جب جہازی کو ہوش آیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ملک کے سمندر کے کنارے پڑا تھا۔ اس وقت وہ بڑی مصیبت میں تھا۔ وہ شاہی لباس جو سمندری سلطنت کے زمانہ میں اس کے جسم پر تھا، اس کے بدن سے غائب ہوچکا تھا۔ اور اب وہ بازیگروں کے سے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ شہر بہ شہر مارا مارا پھرتا رہا۔ اور آخر بازی گروں کی جماعت میں شامل ہوگیا " ✦

اے طاقتور بادشاہ! یہ داستان ہے اس شخص کی، جو سزا کا مستحق تھا۔ کیونکہ اس نے باوجود واقفیت کے قانون شکنی کی تھی ✦

سلوری شہر کے بادشاہ کو بازی گر کا یہ دلچسپ قصہ سن کر بہت ہی لطف آیا اور اس نے کہا " اب کہو مجھ سے کیا مانگتے ہو۔ میں تمھیں ہر چیز دینے کے لئے تیار ہوں، خواہ میرا آدھا خزانہ ہی کیوں نہ ہو " ✦

بازی گر نے کہا " اے نیک دل بادشاہ! خدا آپ کی سلطنت کو وسیع اور اقبال کو زیادہ کرے، وہ جہازی جس نے قانون توڑا تھا، میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔ میرے پاس بیشمار دولت تھی لیکن مجھے اس سے حقیقی تفریح نہ حاصل ہوئی۔ اس لئے مجھے اب آپ کے خزانے کا کیا لالچ ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر دنیا میں کوئی شے مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے، تو وہ میرا لڑکا ہے اور اسی لئے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اسے معاف کریں " ✦

بادشاہ نے جواب دیا " تم نے نہایت خوبی سے تمام واقعات بیان کئے ہیں اس لئے تمھاری آرزو ضرور پوری کی جائے گی "

بادشاہ کے حکم سے لڑکے کو رہائی مل گئی اور بازیگر خوشی خوشی واپس ہوئے

بادشاہ نے نوجوان شہزادہ کو بلایا اور کہا " آج سے تم کو ان تمام قوانین کی پابندی کرنا ہوگی جو اس ملک کے کسی باشندے پر عائد ہوسکتے ہیں تمھارے بچپن کا زمانہ ختم ہوچکا، اب تم کو ایک نیک دل اور بیدار مغز شہزادہ کی طرح حکومت کرنے کے لئے تیار ہوجانا چاہیے " ✦

جھوٹ کا بدلہ

لوگ جھوٹ میں نفع سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جھوٹ بول کر کچھ فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اس کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے جھوٹا آدمی ہمیشہ نفع کے بدلے نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ تمھیں اپنے آس پاس کے ایسے بہت سے قصے یاد ہوں گے، جن سے جھوٹ کی برائی ظاہر ہوئی ہو۔ آج میں بھی تم سے ایک چھوٹا سا قصہ کہتا ہوں۔ لو سنو کیا ہوتا ہے :- ✦

ایک مرتبہ ایک شخص کہیں جارہا تھا، اس کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں سو روپے رکھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً راستہ چلتے میں تھیلی گر پڑی۔ جب وہ آدمی منزل پر پہونچا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ روپیہ نکال کر کھانے پینے کا سامان کرے۔ لیکن وہاں کیا تھا، تھیلی تو پہلے ہی راستہ میں گر چکی تھی۔ اس نے بہت کچھ تلاش کیا، چاروں طرف نظر دوڑائی اور دور تک ڈھونڈ آیا لیکن تھیلی نہ ملنی تھی نہ ملی۔ آخر مایوس ہو کر وہ گاؤں کے سردار کے پاس گیا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اگر میری تھیلی مجھے واپس مل جائے تو میں لانے والے کو دس روپیہ انعام دونگا سردار نے یہ سن کر ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اس طرح کی ایک تھیلی گم ہے۔ اگر کسی شخص کو ملے تو فلاں شخص تک پہونچا دے۔ اس خدمت پر اسے دس روپے انعام دیئے جائیں گے۔ اس اعلان کے کچھ دن بعد، ایک دن ایک کسان اس آدمی کے پاس آیا اور کہا لیجئے یہ تھیلی میں نے پائی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص بڑا خوش ہوا۔ تھیلی لے لی اور روپیہ گننے شروع کردیئے۔ دیکھا تو پورے سو تھے۔ گن کر تھیلی رکھ لی اور لانے والے کا شکریہ ادا کیا۔ لانے والا بیچارہ سمجھتا تھا کہ دس روپے انعام ملیں گے، کچھ دیر تو انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب مایوس ہوا تو کہنے لگا کہ صاحب آپ نے دس روپے انعام کا اعلان کیا تھا وہ مجھے دے دیجئے تاکہ میں اپنے گھر واپس جاؤں۔ یہ سننا تھا کہ وہ شخص بہت بگڑا اور کہا کہ تھیلی میں دس اوپر سو روپے تھے، دس تو تم انعام والے

پہلے ہی نکال چکے، اب انعام کاہے کا مانگتے ہو۔ بیچارے نے لاکھ قسمیں کھائیں کہ میں نے تمہاری تھیلی کھولی تک نہیں روپیہ نکالنا تو بڑی بات ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور یہی کہتا رہا کہ نہیں ضرور تم نے دس روپے نکال لیئے ہیں۔ میں انعام ہرگز نہیں دے سکتا ۔

دونوں میں خوب جھگڑا ہوا۔ آخر کار کسان غریب عدالت گیا اور جج صاحب سے سارا قصہ بیان کر دیا۔ جج نے اس جھوٹے آدمی کو طلب کیا اور پوچھا کہ واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ صاحب اس تھیلی میں ایک سو دس روپے تھے۔ اس نے دس روپے پہلے ہی نکال لئے اور اب مجھ سے انعام بھی مانگتا ہے۔

جج نے کہا اچھا لاؤ تھیلی مجھے دو۔ تھیلی ہاتھ میں لے کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ تھیلی میں زیادہ سے زیادہ سو ہی روپے آ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کی گنجائش کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ یہ دیکھ کر جج معاملہ کو سمجھ گیا۔ اس نے تھیلی کسان کے سپرد کی اور کہا اسے لے جاؤ۔ یہ اس آدمی کی نہیں ہو سکتی۔ اس میں تو صرف سو روپیوں کی گنجائش ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کی تھیلی میں ایک سو دس تھے، لہذا یہ تھیلی اس کی نہیں ۔

کسان تھیلی لے کر خوش خوش اپنے گھر چلا گیا۔ اور وہ جھوٹا آدمی اپنے جھوٹ پر پچھتا تا ہوا اپنے گھر روانہ ہوا ۔

پیام بھائیو! دیکھا، جھوٹ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دس روپیوں کے لئے وہ جھوٹ بولا اور سو اپنے ہاتھ سے کھوئے ۔

حضرت عمرؓ اور ایک لڑکی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے زمانۂ خلافت میں یہ حال تھا کہ آپ راتوں کو رعایا کی خبر گیری کے لئے گشت فرمایا کرتے تھے۔ حسب معمول چلتے چلتے ایک رات آپ ذرا سستانے کے لئے ایک مکان کی دیوار سے لگ کر بیٹھ رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے رفیق غلام حضرت سالمؓ بھی تھے۔ رات نہایت تاریک تھی۔ ہر طرف خوب اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اتنے میں مکان کے اندر سے آواز آئی۔ کسی عورت نے اپنی بیٹی سے کہا،۔

"بیٹی اٹھو، اس دودھ میں تھوڑا پانی ملادو"

بیٹی نے کہا "امیر المومنین نے جو حکم جاری کیا ہے کیا آپ کو اس کی خبر نہیں؟"

ماں "بیٹی امیر المومنین کا کیا حکم ہوا ہے، مجھے نہیں معلوم"

بیٹی "حضرت خلیفہ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا ہے کہ "کوئی دودھ میں پانی نہ ملائے"

ماں "بیٹی اٹھو بھی۔ یہاں کوئی دیکھنے تھوڑے ہی آتا ہے"

بیٹی "یہ کیا کہ ہم سامنے تو ان کا کہا مانیں اور پیٹھ پیچھے ان کے حکم کا خیال نہ رکھیں؟ وہ نہ دیکھتے ہوں، مگر خدا تو دیکھتا ہے"

حضرت امیر المومنین دیوار سے ٹیکے ہوئے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ آپ نے حضرت سالم سے فرمایا "سالم، اس گھر کو پہچان لو" پھر اٹھ کر گشت کے لئے روانہ ہو گئے۔

جب صبح ہوئی تو فرمایا کہ سالم اسی گھر پر جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ دونوں کون ہیں، لڑکی کا شوہر بھی ہے یا نہیں؟

حضرت سالم پہونچے۔ معلوم ہوا کہ لڑکی بیوہ ہے، اور ضعیفہ اس کی ماں ہے۔ مردوں میں ان کا کوئی نہیں ہے۔ سالمؓ نے آکر حضرت عمرؓ کو خبر دی۔ حضرت نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا۔ اور دریافت کیا "تم میں کوئی شادی کرنا چاہتا ہے؟" بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا "میری بیوی موجود ہے" دوسرے صاحبزادے

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا "میری بھی موجود ہے" تیسرے صاحبزادے حضرت عاصم نے فرمایا "میری بیوی نہیں ہے"۔

حضرت عمرؓ نے اپنی جانب سے لڑکی کا پیام دیا۔ حضرت عاصم نے منظور فرمایا۔ آپ نے ماں بیٹی دونوں کو بلاکر لڑکی سے اپنے بیٹے کا نکاح کر دیا۔ اور یہ ایمان دار لڑکی حضرت خلیفہ کی بہو ہوکر گھر میں آگئی۔ یہ لڑکی بڑی خوش نصیب ثابت ہوئی اور اس نے اپنی ایمان داری کا بہت اچھا پھل پایا۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی ماں تھی، اور یہ ایک زبردست بادشاہ اسلام کی ماں (نانی) اور ایک زبردست بادشاہ کی بہو ہوئی۔ سچ ہے ایمان داری بڑی دولت اور خوش نصیبی کی کنجی ہے۔ ایمان کا پھل ضرور آدمی کو مل کر رہتا ہے۔

سلطان بلبن

ہندوستان میں غلام بادشاہوں کی حکومت کا سلسلہ قطب الدین ایبک سے چلتا ہے۔ یہ سلطان محمد غوری کا غلام تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے بڑے عہدہ پر پہونچ گیا تھا۔ سلطان محمد غوری اس کو اپنا قائم مقام بنا گیا تھا۔ اس نے بعد میں ہندوستان کے بہت سے راجاؤں کو شکست دی۔ قطب الدین ایبک کے بعد سلطان التمش نے ہندوستان کی سلطنت سنبھالی اور اس کا خاندان عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا۔ جب یہ خاندان بھی ختم ہوا تو سلطان غیاث الدین بلبن نے اس کی جگہ سنبھالی۔

قطب الدین ایبک اور سلطان التمش کی طرح بلبن بھی غلام تھا۔ ترکستان سے یہ بچہ گرفتار کرکے ہندوستان لایا گیا۔ اور سلطان التمش کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے اس کی بری صورت دیکھ کر اس کو خریدنے سے انکار کر دیا۔ مگر بلبن نے فوراً عرض کیا "جہاں پناہ! حضور نے یہ اور غلام کس کے لئے خریدے ہیں؟" سلطان نے جواب دیا "اپنے لئے"۔ بلبن نے عرض کی "مجھے خدا کے لئے خرید لیجئے"۔

چنانچہ سلطان نے اسے خرید کر سقوں میں شامل کر دیا۔ اس نے بہت جلد اپنی قابلیت دکھاکر ثابت کر دیا کہ وہ اس سے بہتر کام کر سکتا ہے۔ بلبن بہت جلد ترقی کرتے کرتے جاگیردار اور ہانسی کا حاکم بن گیا۔ اس نے بہت سی لڑائیوں میں شرکت کی اور دشمنوں کو شکست دی۔ بیس سال تک اپنے آقا ناصر الدین کی خدمت کی۔ سلطان ناصر الدین نہایت نیک، انصاف پسند اور عالم تھا۔ فقیروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ سلطنت کے خزانہ سے ایک پیسہ نہ لیتا۔ قرآن شریف لکھ لکھ کر روپیہ کماتا اور اسی سے اپنی گذر کرتا۔ اس کے صرف ایک بیوی تھی۔ کوئی عورت کام کاج کے لئے نہ تھی۔ یہی بیوی روٹی پکاتی۔ ہر وقت عالموں کی صحبت میں رہتا اور سلطنت کا سب کام بلبن پر چھوڑ رکھا تھا۔ سلطان ناصر الدین کے انتقال کے بعد بلبن بادشاہ ہوا۔

سلطان بلبن نے بڑا اچھا انتظام کیا۔ جس کسی نے حکومت کے خلاف سر اٹھایا۔ اس کو فوراً دبا دیا۔ سلطان بلبن کے دربار میں حضرت امیر خسروؒ دہلی کے بڑے درویش اور شاعر موجود تھے جنھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور جن کی پہیلیاں اب تک لوگوں کو یاد ہیں۔

بلبن نے، جو پہلے غلام، سقہ، شکاری اور سپاہی رہ چکا تھا صرف اپنی محنت، کوشش اور لیاقت سے سب سے بڑا درجہ حاصل کر لیا۔ بیس سال تک سلطان ناصر الدین کا وزیر بن کر سارے ملک پر حکومت کی اور پھر بیس سال تک خود بادشاہ رہا۔ بلبن بادشاہ بھی ایسا زبردست اور ہوشیار تھا کہ بہت کم بادشاہ ایسے گذرے ہیں۔ اس کا رعب ایسا تھا کہ کوئی شخص اس کے دربار میں کوئی بے کار بات نہ کہہ سکتا تھا۔ اور نہ ہنسنے کی جرات کر سکتا تھا۔

شکاری اور خرگوش



میں سناتا ہوں تمھیں اک واقعہ — جو کہ مجھ سے ایک چڑیا نے کہا
اک شکاری رہتا تھا اک گانوں میں — ایک دن کچھ مارنے جنگل گیا
ایک عینک رائفل اور کارتوس — پاس اس کے بس یہی سامان تھا
پونہچا جنگل میں، ہوا وہ ہوشیار — ہولے ہولے پھر قدم دھرنے لگا
جی میں کچھ آئی، کہا یہ زور سے — چاہے کچھ ہو، کچھ نہ کچھ تو ماروں گا
اس کی ساری باتیں اک خرگوش نے — خوب سن لیں پاس ہی جھاڑی میں تھا



کچھ سبق اس کو پڑھانا چاہیئے — مسکرا کر اپنے دل میں یہ کہا
دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ تھی — چلتے چلتے جب شکاری تھک گیا
اک جگہ سامان سارا رکھ کے وہ — سایہ میں بیٹھا، پڑا اور سو گیا
دور سے خرگوش بھی تھا تاک میں — اس نے جب دیکھا یہ سارا ماجرا
ہولے ہولے پہنچ کر اس نے وہاں — رائفل کو اپنے کاندھوں پر اٹھا
ہو کے تیار اور بالکل ہوشیار — پاس ہی اس کے کھڑا وہ ہو گیا



سہ پہر کو جب شکاری نیند سے — ملتے ملتے اپنی آنکھوں کو، اٹھا
خوف سے تھر تھر لگا وہ کانپنے — چہرہ اس کا زرد بالکل ہو گیا
اٹھا وہ اور اٹھ کے بھاگا زور سے — پیچھا پھر خرگوش نے اس کا کیا



بھاگتا تھا اور یہ چلاّتا تھا، — مر گیا، میں مر گیا، میں مر گیا
اس مصیبت سے بچالے کوئی بھی — یہ تو میری جان لے کے چھوڑیگا
لیکن اس کی گریۂ وزاری کو وہاں — غور کیجئے، سننے والا کون تھا
آخر اپنی جاں بچانے کے لئے — ایک گہرے کنویں میں وہ گر گیا
تھا مگر چالاک وہ خرگوش بھی — اس نے رائفل کو اٹھا گھوڑا دبا
تاک کر ایسا نشانہ پھر دیا، — جس سے اس کا پاؤں زخمی ہو گیا

یہ نہیں معلوم، کہہ سکتا نہیں
وہ شکاری زندہ ہے، یا مر گیا

جنرل جیانیگ کائی شیک

پیام بچو! آج میں تمھارے سامنے چین کے ایک مشہور اور نامور جنرل کے حالات بیان کروں گا۔ اس جنرل کا نام "جیانیگ کائی شیک" ہے۔ یہ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ دادا کئی پشتوں سے نمک کے محکمہ میں افسر چلے آرہے تھے۔ باپ کے مرتے وقت اس کی عمر صرف ۸ آٹھ سال کی تھی۔ ۱۹۰۶ء میں یہ اپنے ضلع کے اور نوجوانوں کے ساتھ فوجی تعلیم کے مدرسہ میں داخل ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس کا شمار اس مدرسہ کے بہترین طالب علموں میں ہونے لگا۔ انیس سال کی عمر میں اعلیٰ فوجی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جاپان گیا۔ وہاں وہ چار برس تک رہا۔ ۱۹۱۱ء میں جب پہلی انقلابی لڑائی شروع ہوئی۔ تو اس کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ اس میں اس نے بہت نمایاں کام انجام دئے۔ شاہی فوج نے شنگھائی (چین کا ایک بڑا شہر) میں شکست کھائی۔ اس وقت اگرچہ وہ نوجوان تھا۔ مگر اس کی قابلیت نے اس کی قسمت کے ستارے کو چمکا دیا۔ دوسرے انقلاب (۱۹۱۴) کے موقع پر وہ ڈاکٹر سن یات سین سے مل گیا۔ مگر جب ملک میں افراتفری پھیل گئی تو وہ فوج سے علیحدہ ہوگیا اور شنگھائی میں زندگی گذارنے لگا۔ ۱۹۲۳ء میں ڈاکٹر سن یات سین نے پیکن (چین کے ایک مشہور شہر) کی شاہی حکومت کے خلاف کنٹن (چین کے ایک شہر) میں قومی حکومت قائم کرلی تو جنرل جیانیگ کو وہانگ پاؤ کے فوجی مدرسہ کا اعلیٰ افسر بنا دیا گیا۔ یہ مدرسہ ڈاکٹر سن یات سین نے قایم کیا تھا۔ اور اس میں قومی سپاہیوں کو فوجی تربیت دی جاتی تھی۔



اس زمانہ میں کنٹن میں ایک اور فوجی جنرل تھا۔ یہ بظاہر سن یات سین سے ملا ہوا تھا۔ مگر چپکے چپکے بغاوت کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک روز اس نے اچانک سن یات سین کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دیا۔ یہ خبر جنرل جیانیگ کو پہونچی تو اس نے سن یات سین کو بچانے کیلئے شہر کنٹن کو گھیر لیا اور اس غدار جنرل کو شکست دی۔

۱۹۲۵ء کے شروع میں اس نے ان لوگوں کے خلاف لڑائی شروع کر دی جو پیکن کی شاہی حکومت کے حامی تھے۔ اور مختلف مقامات میں جا چھپے تھے۔ ان لوگوں پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس کی شہرت چین کے چپہ چپہ میں پھیل گئی اور ہر جگہ اس کی تعریف ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں شہر کنٹن کے آس پاس کے علاقوں میں بغاوت پھیل گئی۔ باغی فوجوں کے مرکز کو فتح کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا مگر اس نے بغیر کسی دشواری کے اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کے علاوہ اس نے دوسرے مقامات کے باغیوں کو بھی اچھی طرح سزا دی۔ اور ان علاقوں کو باغیوں سے صاف کر دیا۔ لیکن شہر کنٹن میں پھر شورش اٹھی اس لئے اسے فوراً واپس آنا پڑا۔ اس نے آتے ہی تمام باغیوں کو شہر سے نکال دیا۔ اور پھر کسی کو ڈاکٹر سن یات سین کو ستانے کی ہمت

نہ ہوئی ٭

۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر سن یات سین کی ہدایت پر وہ سویٹ روس کی فوجی تربیت اور انتظام کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ماسکو گیا۔ یہاں وہ کئی مہینے تک مقیم رہا۔ واپسی پر اسے قومی فوج کا بہت بڑا افسر بنا دیا گیا۔ اور اس وقت سے آج تک چین کی انقلابی تحریک اسی کے سہارے چل رہی ہے۔ وہ ڈاکٹر سن یات سین کا بہت معتقد ہے اس کی لکھی ہوئی ایک کتاب کو وہ قرآن اور بائبل کی طرح مقدس سمجھتا ہے۔ اور اسکی باتوں پر عمل کرنا اس کے نزدیک فرض ہے۔

سن یات سین کے مرنے پر اس نے پیکن کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک بالکل ہی ناممکن بات سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ بیچ میں کئی صوبے ہیں، پہاڑ ہیں اور لمبے لمبے دریا ہیں۔ اگر تم نقشہ میں دیکھوگے تو تمہیں شہر کنٹن انتہائی جنوب میں اور شہر پیکن انتہائی شمال میں نظر آئے گا۔ غرض پیکن کو فتح کرنا گویا سارے چین کو فتح کرنا تھا۔ مگر وہ پوری ہمت اور ارادہ کے ساتھ شہر کنٹن سے نکلا۔ شہر کے شہر اور صوبے کے صوبے فتح کرتا ہوا آخر پیکن میں داخل ہوا۔ رستہ میں اسے بعض حادثے بھی پیش آئے۔ خود اس کے ساتھی اس کے مخالف ہوگئے۔ مگر اس نے اپنی عقلمندی اور سمجھداری، نیک نیتی اور خلوص کی بدولت ان تمام گتھیوں کو سلجھا لیا۔ اور آخر کار تمام چین میں ایک قومی حکومت قائم کر دی ٭

اس نمایاں کام کو انجام دینے کے بعد وہ تین سال کے لئے چین کی قومی (جمہوری) حکومت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اور صدارت کی مدت ختم ہو جانے کے بعد قومی فوج افسر اعلیٰ (کمانڈر انچیف) بنا دیا گیا۔ وہ وہ سویٹ روس کے لوگوں (اشتراکیوں) اور مال دار اور دولتمند لوگوں کا سخت دشمن ہے۔ "چین کو آزاد کرو" اور "نیا چین تعمیر کرو" اس کا فوجی گیت اور قومی نعرہ ہے۔ چین کو اپنے اس بہادر اور مخلص سپوت سے بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ خدا ان امیدوں کو پورا کرے



کوائف جامعہ

ناظرین پیام تعلیم کو یہ سن کر دلی افسوس ہوگا کہ ہماری جامعہ کے رجسٹرار جناب حافظ فیاض احمد صاحب کے نوجوان صاحبزادے محمد مزمل صاحب نے دریائے جمنا میں ڈوب کر جان دی إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۔ مرحوم اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تفریح کی غرض سے اوکھلہ گئے تھے، وہاں بند کے قریب نہانے کے لئے دریا میں گھسے۔ پہلی بار تو سلامتی کے ساتھ نکل آئے مگر دوسری مرتبہ گھستے ہی بھنور میں پھنس گئے اور باوجود سخت کوشش کے نکلنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ پانی میں اس جگہ اس قدر تیزی تھی کہ کوئی مدد کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ ہمیں اس ناگہانی حادثہ میں جناب حافظ صاحب اور ان کے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ انھیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

اعلان کے مطابق اردو اکادمی کا ماہانہ جلسہ یکم اکتوبر کو جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (شیخ الجامعہ) کی زیر صدارت، جامعہ مرکز نمبر ا کے ہال میں نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا اور جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج علی گڑھ نے تہذیب کے حقیقی مفہوم پر ایک مضمون پڑھا۔ جناب غلام السیدین صاحب مشہور مقرر ہیں انہوں نے اپنے آسان، دلچسپ اور دلنشیں پیرایۂ بیان سے مضمون کی خشکی کو بالکل دور کر دیا تھا۔ اور حاضرین تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک ہمہ تن محو ہوکر اس علمی مضمون کو بڑے شوق سے سنتے رہے!

آخر میں جناب صدر کے شکریہ کے بعد جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا

دس روپے کا انعامی مقابلہ

ہم نے پیام تعلیم کی کسی گذشتہ اشاعت میں دس روپے کے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا تھا۔ آج وہ انعامی مقابلہ شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے حل ۱۰ر نومبر سنہ ۳۲ء تک بھیجدیں گے۔ ——— **مقابلہ یہ ہی** کہ مندرجہ ذیل کہانی میں جو مقامات نقطے لگا کر خالی چھوڑ دیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک پر ایک تصویر پیام تعلیم سے کاٹ کر چسپاں کی جائے گی۔ جو طالب علم تمام تصاویر صحیح جگہوں پر لگا دیگا اسے اول انعام تین روپے کا ملے گا۔ دوسرا انعام سب سے کم غلط کہانی پر دو روپے کا ہوگا۔ ان دو انعاموں کے علاوہ ایک ایک روپے کے پانچ انعام ان کہانیوں پر دیے جائیں گے جو نسبتاً زیادہ صحیح ہونگی۔ اس مقابلہ میں وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جن کے نام ۱۲ ستمبر سنہ ۳۲ء کے پرچہ میں درج ہو چکے ہیں یا وہ جو اپنی کہانی کے ساتھ چار آنے کے ٹکٹ بھیجیں۔ کہانی ایک فلسکیپ کاغذ پر خوشخط نقل کر لی جائے اور ان مقامات پر جو نقطے لگا کر خالی چھوڑ دیے گئے ہیں ایک ایک تصویر پیام تعلیم سے کاٹ کر چسپاں کر دی جائے۔

انعام کے معاملہ میں ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں کوئی خط کتابت نہ کی جائے گی۔

کہانی۔ ایک دفعہ ایک . . . . کا . . . . . . جنگل میں رہ گیا۔ رات کا وقت تھا۔ بہت سے جانور وہاں آئے۔ . . . . نے کہا یہ . . . . کا . . . . ہے۔ . . . . . . بولا یہ . . . . . . ہے۔ . . . . . . چلایا یہ . . . . . . کا . . . . . . ہے۔ . . . . . . مسکرائی اور بولی یہ . . . . . . ہے۔ . . . . . . نے کہا یہ . . . . . . ہے۔ . . . . . . نے کہا یہ . . . . . . ہے۔ وہاں ایک درخت پر . . . . بیٹھا تھا۔ سب کی باتیں سن کر وہ ہنسا اور کہنے لگا تم سب . . . . . . ہو۔ یہ . . . . . . کا . . . . . . ہے۔ . . . . . . نے کہا تمہیں اتنی عقل کہاں سے آگئی۔ طوطے نے کہا میں . . . . . . کا . . . . . . ہوں اور سب کچھ جانتا ہوں۔



کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس عاملہ، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک وقت میں اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیات ملحقہ و دیگر عہدہ داران جامعہ ایک وقت میں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ اور اراکین دارالترجمہ ...

۳۔ طلبا میں ایم اے، ال ال بی ... تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ تین کتابیں اور ... اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ ... کے حساب

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ کی جائیں تو ... فی کتاب روزانہ لیا جائیگا۔

۵۔ بیش قیمت، مرجع کتابیں کتب خانہ میں ... لازم ہے۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو ... [illegible]

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان ... نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے ... کتابیں جاری نہ کی جا سکیں گی۔

فقط